

تاریخ دعوت و عزیمت

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلامیہ لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

*** تنبیہ ***

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ چہارم

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ



مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ چہارم

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ - اگست ۲۰۰۵ء

نام کتاب: تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)

نام مصنف: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

صفحات: ۴۴۸

تعداد: ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

طباعت: کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

قیمت: ۷۰ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پتہ: پوسٹ باکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

فیکس نمبر: 0522-2740806

ای۔میل: info@airpindia.com

فہرست عناوین

”تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم“

۷۴	اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی	۱۱	دیباچہ طبع دوم
	اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا	۱۵	عرض مدعا
۸۰	دور ثانی	۲۷	باب اول
	مذہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس	۷۳	عالم اسلام دسویں صدی میں
۸۲	مناظرہ اور ان کا اثر		دسویں صدی ہجری کے تاریخی مطالعہ کی
	اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علمائے	۲۷	اہمیت
۸۹	دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری	۲۸	سیاسی حالت
۹۱	علمائے دربار	۳۴	مذہبی و روحانی حالت
۹۵	ارکان سلطنت و مشیران دربار	۴۳	علمی حالت
۹۶	ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابو الفضل	۴۸	ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال
۱۰۷	راجپوت رانیوں کا اثر	۵۶	مہدویت
۱۰۸	محضر اجتہاد و امامت	۶۱	بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب
۱۰۹	محضر پر ایک نظر		دسویں صدی کا فتنہ اکبری
۱۱۰	مخدوم الملک و صدر الصدور کا زوال		”الف ثانی“ سے ایک نئے نظام عالم کے
۱۱۱	الف ثانی کی تیاری اور دین الہی کا اجرا	۶۵	آغاز کا مغالطہ
	اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال	۶۵	الف ثانی کا مغالطہ
۱۱۲	کا نقطہ عروج		باب دوم
۱۱۳	آتش پرستی	۷۴	اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور
		۱۳۲	



ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ
مُقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ
يَا ذُرِّيَّةَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾

(سورۃ فاطر - ۳۲)

۱۶۸	عقل کا عجز صانع عالم کے اثبات اور	قلعہ گوالیار کی نظر بندی
۱۶۹	اس کے کمالات کی معرفت میں	زندگانی گوالیار میں سنت یوسفی
۱۷۱	معرفت الہی میں عقلاء یونان کی	دوران اسیری کی نعمتیں اور لذتیں
۲۰۸	بے عقلیاں	شکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور
۱۷۳	عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے	اس کے دینی اثرات و برکات
۲۱۵	نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے	جہانگیر پر اثر
۱۷۶	عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور	قرب سفر اور اس کے انتظامات
۱۸۰	وہ حقائق الہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو	عادات و معمولات
۱۸۷	اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو	ہملیہ مبارک
۱۸۸	اہل اشراق و صفائی نفس	اولاد امجاد

باب پنجم

۲۲۲	شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی	حضرت مجدد کے دائرہ "تجدید" کا مرکزی نقطہ
۲۲۲	منقول	نبوت محمدی پر ایمان اعماد کی تجدید ۱۹۱
۲۲۲	عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے	۲۴۲
۲۲۲	سوار ہیں۔	حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ
۲۲۵	کشف میں آمیزش	کیا تھا؟
۲۲۶	فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد	نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت
۲۳۰	بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں	پراعماد کی بجائی
۲۳۰	انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل	عقل و کشف کا غیبی اور مابعد الطبیعی
۲۳۰	کانا کافی ہونا	حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہنا
۲۳۱	بعثت اللہ کی ذات و صفات احکام	بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی
۲۳۱	کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔	مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ
۲۳۲	اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے	عقل محض اور کشف خالص کی تنقید کا
۲۳۲	حاصل ہوتی ہے۔	۲۰۱

انقلابی کارنامہ

۱۱۵	آفتاب پرستی	باب سوم
۱۱۶	گنگا جل	حضرت مجدد الف ثانیؒ
۱۱۷	تصویر کشی	۱۳۳
۱۱۸	اوقات عبادت	۱۵۷
۱۱۸	سجدہ تعظیمی	۱۳۳
۱۱۸	بیعت و ارشاد	۱۳۹
۱۱۹	آداب ملاقات	۱۲۲
۱۱۹	تاریخ ہجری سے تنفر	۱۲۲
۱۲۰	غیر اسلامی تہوار اور عیدیں	۱۱۹
۱۲۲	فرمان در منع زکوٰۃ	۱۲۷
۱۲۵	ہندو مٹو حد ہیں	۱۲۷
۱۲۵	گوشت خوری	۱۲۷
۱۲۶	خنزیر	۱۲۷
۱۲۶	شراب نوشی	۱۲۷
۱۲۷	رسم ہندوانہ	۱۲۷
۱۲۷	سین الہی کا اجرا	۱۲۷
۱۲۸	دین اسلامی کی تحقیر	۱۲۸
۱۲۹	اسراء و معراج کا استہزاء	۱۲۸
۱۲۹	مقام نبوت کی اہانت	۱۲۹
۱۳۰	اسماء نبوی سے وحشت و گرائی	۱۲۹
۱۳۰	نماز کی عدم اجازت	۱۳۰
۱۳۱	ارکان اسلام کی توہین و استہزاء	۱۳۰
۱۳۱	ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک مو	۱۳۱
۱۳۳	حالات زندگی از ولادت تا خلافت	۱۳۳
۱۳۳	خاندان	۱۳۳
۱۳۹	حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد	۱۳۹
۱۲۲	ولادت و حالات	۱۲۲
۱۲۲	ولادت و تعلیم	۱۲۲
۱۱۹	سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت	۱۱۹
۱۲۷	خواجہ باقی باللہ سے بیعت و استفادہ	۱۲۷
۱۲۷	حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی	۱۲۷
۱۲۹	(خواجہ باقی باللہ)	۱۲۹
۱۵۲	بیعت و تکمیل	۱۵۲
۱۲۶	حضرت مجدد کے علوم تہذیب کی شہادت	۱۲۶
۱۵۶	حضرت خواجہ کی زبان سے	۱۵۶
۱۲۷	باب چہارم	۱۲۷
۱۲۷	اہم واقعات و حالات ارشاد و تربیت	۱۲۷
۱۲۸	کی سرگرمی و وفات	۱۲۸
۱۲۹	سرہند کا قیام	۱۲۹
۱۲۹	لاہور کا سفر	۱۲۹
۱۳۰	تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے	۱۳۰
۱۳۰	وسیع انتظامات اور رجوع عام	۱۳۰
۱۳۱	سلطان وقت جہانگیر کا رویہ	۱۳۱
۱۳۱	گوالیار کی اسیری کے اسباب	۱۳۱

۲۳۳	کمالات و ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ	صحیح ترتیب
۲۴۲	میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے	انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا
۲۳۳	علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و	اصحاب استدلال میں سے ہے
۲۴۲	فوقیت کی وجہ	انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابن بنانا
۲۴۳	انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے	طریق نبوت کا انکار ہے
۲۳۵	ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب	مخالفت عقل اور ماوراء عقل میں بڑا فرق ہے
۲۴۴	اور علماء و عام مومنین کا حصہ ہے	خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر
۲۳۵	انبیاء کی بازگشت کامل نہایت نہایت تک	اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے
۲۴۵	پہنچ جانے کی علامت ہے	جس طرح عقل کا مرتبہ جو اس سے ماوراء
	شریعت کی حمایت و نصرت اصلاح	ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے
۲۴۵	عقائد اور رد شرک و رسوم جاہلیت	ماوراء ہے
۲۵۹	تعظیم مراسم شرک	مقام نبوت
۲۶۰	غیر اللہ سے استمداد و طلب خواج	انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین
۲۶۰	سنبلا	دولت ان کے سپرد کی گئی ہے
	کافروں کے تہواروں کی تعظیم اور ان کی	انتسراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی
۲۶۱	رسوم و عادات کی تقلید	توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی
۲۶۱	بزرگوں کے لئے حیوانات کی نذر اور ذبح کرنا	نبی کا باطن حق کے ساتھ ہونا ہے اور
۲۶۲	پیروں اور بیبیوں کی نیت روزہ رکھنا	ظاہر خلق کے ساتھ
۲۶۴	سنت کی ترویج اور بدعت حسنہ کی تردید	"اولیاء کی ابتدا انبیاء کی انتہا ہے" کے
۲۴۳	باب ششم	
۳۰۲	وحدة الوجود یا وحدة الشہود؟	مقبولہ کی تردید
۲۴۱	شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور علماء وحدۃ	انبیاء نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے
۲۴۱	الوجود کی تفصیل و تدوین	اور صرف قلب سے بحث کی ہے
۲۴۳		نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے

	شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود	عہد اکبری و جہانگیری کے جو امتداد و ترقی کو
۲۴۵	کی مخالفت و تنقید	علماء و مشائخ
	عقیدہ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی	جہانگیری کی تحت نشانی اور مجدد صاحب کے
۲۴۹	اور ان کے اثرات و نتائج	اصلاح سلطنت کے کام کا آغاز
۲۸۲	عقیدہ وحدۃ الوجود ہندوستان میں	صحیح طریقہ کار
۲۸۳	شیخ علماء الدلہ نعمانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت	ہر چیز ازل بر خیزد بدل ریزد
۲۸۴	وحدة الشہود	امراء سلطنت کے نام تحریر و دعوتی
۲۸۶	ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت	خطوط
	مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی	گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے
۲۸۷	کارنامہ	عقیدہ و مندراکان سلطنت اور ان خط و کتابت
۲۸۸	ذاتی تجربہ و مشاہدہ	اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر و فیض
۲۹۲	توحید شہودی	جہانگیری کا تاثر
	شیخ اکبر کے بائے میں منصفانہ و معتدل	شاہجہاں کا دور
۲۹۴	مسک	شاہزادہ داراشکوہ
۲۹۵	توحید و وجودی کی مخالفت کی ضرورت	محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی
۲۹۹	مجدد صاحب کی انفرادیت و امتیاز	دینی حمیت و حمایت
	مجدد صاحب کے بعد توحید و وجودی کے بائے	حضرت مجدد کی مخالفت و تضلیل کی
۳۰۰	میں مشائخ و علماء کا "مصالحانہ" رویہ	تحریک اور اس کے نمایاں افراد
۳۰۱	حضرت ید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر	
	باب ہفتم	
۳۰۳	اکبر سے جہانگیر تک	حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اور
۳۶۹	سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے	ان کے متنبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی
	آپ کی خاموش جدوجہد	کام کی توسیع و تکمیل
		مشاہیر خلفاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیکھا پہ طبع دوم

الحمد لله كذا ینسخ دعوت وعزیمت کے حصہ چہارم کے (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کی ذات گرامی ان کے تجدیدی کارناموں اور ان کے عہد کے ساتھ مخصوص ہے) طبع ثانی کی نوبت آرہی ہے کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں نکلا تھا، موضوع کی اہمیت اور جس ذات گرامی سے اس کا انساب ہے، اور عہد حاضر میں اس سے جو رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، اس کے لحاظ سے اس وقت تک جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اس کے متعدد ایڈیشن نکل جانے چاہئے تھے، اور عالم عربی میں حقیر مصنف کی تالیفات کی طباعت و اشاعت کی یہی رفتار ہے، لیکن ہندوستان میں سنجیدہ فکر انگیز اور خالص علمی و اصلاحی کتابوں کی اشاعت اور ان کے نئے ایڈیشنوں کے نکلنے کی رفتار کو دیکھ کر یہ بات کچھ زیادہ موجب تعجب و تأسف نہیں۔

کتاب کی ترتیب و تصنیف ایسے زمانہ میں عمل میں آئی تھی، جب مصنف اپنے ضعف بصارت اور مرض کی وجہ سے براہ راست تحریر و تسوید اور سوادات اور کتابت شدہ مضامین کی تصحیح و تنقیح سے بہت حد تک معذور و قاصر تھا،

۳۸۹	حضرت شاہ عبدالغنی	۳۷۲	حضرت خواجہ محمد معصوم
۳۹۲	سلسلہ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار	۳۷۳	حضرت سید آدم بتوری
۳۹۳	حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان	۳۷۵	سلسلہ مجددیہ معصومیہ اور اس کے شاخ کیا
۳۹۵	شیخ سلطان بلیاوی	۳۷۵	حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی
	حافظ سید عبدالشکر اکبر آبادی اور سلسلہ		خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمن
۳۹۵	ولی اللہیہ	۳۷۸	گنج مراد آبادی تک
۳۹۷	حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت		مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت
۴۰۰	حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل	۳۸۱	شاہ غلام علی
	اشاریہ (انڈکس) ترتیب	۳۸۳	مولانا خالد رومی
۴۰۵	از محمد غیث الدین ندوی	۳۸۷	حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء

اس کو اس بارہ میں زیادہ تر اپنے عزیز رفقاء اور معاونین پر اعتماد کرنا پڑتا تھا، تحقیق و تصحیح کے بارے میں ان دونوں حالتوں میں جو فرق ہے اس کو تصنیفی و تحقیقی کام کرنے والے جانتے ہیں اس لئے بھی نیز اس بنا پر بھی کہ پوری کوشش و اہتمام کے باوجود نقش اول میں کچھ خامیاں رہ ہی جاتی ہیں، چنانچہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کتابت و طباعت کی غلطیاں بھی رہ گئیں اور کچھ مواد و مندرجات ایسے تھے جن کی مزید تحقیق اور اخذ سے مقابلہ کرنے کی ضرورت تھی، اس ایڈیشن میں امکانی حد تک کتابت و طباعت کے اغلاط کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے اور متعدد مقامات پر مزید تحقیق اور نظر ثانی کے بعد حقیقت سی ترمیم کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں مصنف جناب مولوی منظور حسین صاحب سرورشن بھوپالی (امیر تاج المساجد بھوپال) کا خصوصیت کے ساتھ ممنون ہے کہ انھوں نے بڑے شغف و اہتمام اور دیدہ ریزی کے ساتھ کتاب کو لفظاً لفظاً پڑھا، متعدد مقامات پر نظر ثانی اور مزید تحقیق کی دعوت دی اور اپنے مشوروں سے مصنف کی بیش قیمت مدد فرمائی، مصنف عزیز گرامی مولوی شاہ شبیر عطاء ندوی کا بھی شکر گزار ہے کہ انھوں نے کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور بعض مسامحات کی نشاندہی کی، خدا ہما اللہ خیر الجزاء۔

کتاب کا عربی ترجمہ عزیز مولوی سید سلمان ندوی سلمہ کے قلم سے رجال الفکر والدعوة فی الاسلام کے تیسرے حصہ کے طور پر الامام السربندی کے نام سے دار القلم کویت سے اور انگریزی ترجمہ SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT کے

تیسرے حصہ کے طور پر محترمی سید محی الدین صاحب کے قلم سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، اس طرح مالک عربیہ نیز ان مالک اور

حلقوں میں جہاں صرف انگریزی ہی ذریعہ مطالعہ و استفادہ ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے حالات و سوانح اور ان کے تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی عظمت و اہمیت واقف ہونے کا موقع مہیا ہو گیا، ان میں سے بیشتر ممالک اور ماحول وہ ہیں جن میں حضرت مجدد کے طریق کار کے مطابق کام کرنے ہی میں سب سے زیادہ کامیابی کے امکانات ہیں اور اسی کی روشنی اور سپروی میں غیر ضروری دشواریوں، مخالفتوں اور بااثر و بار سوار طاقتوں سے صفت آرائی اور معرکہ پیمائی سے بچ کر اصلاح و انقلاب حال اور اسلام کے غلبہ و اقتدار کے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

مصنف کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور اس عہدِ فلتن میں (جو بہت سے مقامات پر عہدِ اکبری سے بہت مماثلت رکھتا ہے) اس طرز کار اور جدوجہد اصلاح و تجدید سے بصیرت اور قوت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کو وہ کامیابی حاصل ہوئی جو تاریخ اسلام میں بہت کم اصلاحی و تجدیدی کوششوں کو حاصل ہوئی، اذلالہ فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔
وبالله التوفیق۔

ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوة العلماء لکھنؤ

۳ رجب ۱۴۰۶ھ

۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مدعا

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتمة
النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان وددعابدا عوتهم

إلى يوم الدين

غالباً ۳۵-۳۶ء کی بات ہے، میرے مرتبی و ولی نعمت برادر معظم مولوی حکیم ڈاکٹر سید
عبد العلی صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے مجھے ہدایت کی کہ میں مکتوبات امام ربانی
مجدد الفتن ثانیؒ کا مطالعہ کروں، میری عمر اس وقت ۲۲، ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی، اور
تازہ تازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا تھا، معرفت و حقیقت
کے گہرے مضامین کے مطالعہ سے ناآشنا اور تصوف و سلوک کی اصطلاحات سے یکسر نااہل
تھا، ذہن و مذاق پر ادب (باخصوص ادب عربی) اور تاریخ کی حکمرانی تھی، مصر و بیروت کے
اعلیٰ مطابع کی خوبصورت چھپی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی عادت تھی، بھائی صاحب
جن کے دامن عاطفت اور آغوش تربیت میں ذہنی و علمی نشوونما ہوا تھا، اس حقیقت
سے خوب آفت تھی، لیکن شاید وہ اقبال کے الفاظ میں کہنا چاہتے تھے کہ
جس گھر کا گھر چراغ ہے تو ہے اس کا مذاق عارفانہ

کم سے کم تین سو برس سے ہمارے خاندان کو روحانی و فکری طور پر حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خانوادہ عالی سے نسبت رہی ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرہ کتب میں جو گھر میں محفوظ تھا، مطبع احمدی دہلی کا چھپا ہوا مکتوبات کا نسخہ تھا، جو تین دفتروں پر مشتمل تھا، بھائی صاحب کے احترام اور تعمیل ارشاد میں اس کا مطالعہ شروع کیا، لیکن کئی بار ہمت نے جواب دے دیا، اور کتاب رکھ دی، خاص طور پر وہ مکاتیب جو اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں، اور جن میں اپنے روحانی تجربات اور واردات بیان کئے گئے ہیں، سب سے زیادہ ہمت شکن ثابت ہوئے، لیکن بھائی صاحب کی طرف سے برابر ہدایت رہی کہ میں کسی طرح مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء، حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراط مستقیم، اور شاہ اسمعیل شہیدؒ کی منصب امامت پڑھ لوں، آخر کم ہمت باندھ کر اس ہفت خواں کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گیا، غیرت بھی آئی اور جوش بھی آیا کہ ایک شفیق بھائی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا، اور ایک ایسی منبرک کتاب کے مطالعہ سے محروم ہوں جس کو بڑے بڑے علماء و مشائخ نے حرز جاں بنایا ہے، توفیق الہی نے بھی یادری کی جس قدر آگے بڑھتا گیا دل لگتا گیا، اور بقدر استعداد و توفیق کتاب بھی سمجھ میں آتی گئی، پھر تو کتاب خود دامن گیر ہو گئی، اور اس کے پڑھنے میں ایسی حلاوت و لذت محسوس ہونے لگی جو اچھی اچھی ادبی کتابوں میں محسوس نہیں ہوتی تھی، یہ دور بعض حیثیتوں سے میری زندگی کا نازک ترین دور تھا، بعض شدید آزمائشیں اور شدید قسم کی ذہنی کشمکش درپیش تھی، کتاب نے اس مرحلہ پر ایک کامل مرشد کا کام دیا، صاف محسوس ہوتا تھا کہ قلب سکینت سے محروم ملکہ محمور ہے، غالباً ایسی سکینت کا احساس اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، یہ سفر جو محض سعادت و اطاعت شروع کیا گیا تھا، اور جس میں تعمیل ارشاد اور غیرت کا جذبہ کام کر رہا تھا، بڑی فرحت و ایشاشت ختم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مکتوبات کو دوبارہ اس ارادہ سے پڑھنا شروع کیا کہ اس کے منتشر و مکرر مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کیا جائے اس کے لئے کتاب کے مضامین کا ایک انڈکس بنانے کے کام کی ابتدا کی، مثلاً توحید خالص اور رد شرک کا مضمون کہاں کہاں آیا ہے، مکتوبات کے نمبروں کے حوالے سے ان کے صفحات ایک جگہ نوٹ کر لئے، رسالت و نبوت پر کس کس جگہ کلام کیا گیا ہے، سنت و بدعت پر کن کن مکاتیب میں گفتگو ہے، یہ مضمون کتنے مقامات پر ہے کہ بدعت حسنة کا کہیں وجود نہیں، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود پر کن کن مکاتیب میں بحث کی گئی ہے، عقل خالص اور کشف خالص پر تحقیقی بحثیں کہاں کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ ہفتوں کی محنت سے یہ پورا انڈکس تیار ہو گیا، اور وہ مکتوبات کے اسی نسخہ میں رکھ دیا گیا کہ پھر اس کی مدد سے مضامین کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے گا لیکن شاید وہ نسخہ کسی نے پڑھنے کے لئے لیا اور وہ واپس نہیں آیا، نسخہ کے ضائع ہونے سے (جس کا بدل مل سکتا تھا) زیادہ افسوس اس محنت و عرق ریزی کے ضائع ہونے کا تھا، جو اس انڈکس کی تیاری میں کی گئی تھی "وكان امر الله قدراً مقدوراً"

اس کے کئی سال کے بعد غالباً ۱۹۲۵-۱۹۲۶ء میں یہ خیال آیا کہ مکتوبات کو مضامین و مطالب کے لحاظ سے مرتب کیا جائے اور اس کو اس نئی ترتیب تعارف و تشریح کے ساتھ پیش کیا جائے کہ وہ نئی نسل کے جدید ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قابل استفادہ اور شوق انگیز ہو، اور اس سے حضرت مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامے اور مجتہدانہ مقام پر بھی روشنی پڑے، چنانچہ اس التزام کے ساتھ یہ کام شروع کیا کہ پہلے ایک تہمدی مضمون ہو جس میں آنے والے اقتباسات کا مرکزی فکر ان علوم و تحقیقات کا جو ہر ولت باب آجائے جو ایک ہی عنوان کے تحت ہیں، لیکن سارے مکتوبات میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر ایک محتوی ترتیب کے ساتھ مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جائیں

ایک طرف فارسی متن ہو، اور دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ، پھر حاشیہ پر حل طلب الفاظ و اصطلاحات کی تشریح اور احادیث کی تخریج ہو، پھر مستند علماء امت و محققین اسلام کے تائیدی مضامین اور عباریں اس کام کا پیمانہ اتنا وسیع تھا، اور اس میں اتنے پہلوؤں کی رعایت تھی کہ اس کام کا مجھ جیسے کم عمر و نوخیز اور مصروف انسان سے جو تدریس، تصنیف، تبلیغ، تینوں کو چوں میں قدم رکھنا تھا، سراسر انجام پانا بہت مشکل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ توحید رسالت و نبوت کی منزل تک یہ کام پہنچا تھا کہ دوسرے مشاغل نے اس کی مہلت نہ دی، لیکن جتنا کام ہو گیا تھا، وہ بھی بہت بیش قیمت اور مفید تھا، اس مضمون کی چار قسطیں رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے اپنے رسالہ "الفرقان" میں ۶۶-۶۷ (۱۹۷۸-۷۹ء) میں شائع کیں۔

اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے کئی سال کے بعد جب "تایخ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ شروع ہوا تو بجائے مکتوبات کی نئی ترتیب اور نئی خدمت کے حضرت مجذبی مستقل سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور اس کی تیسری جلد جو آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے دو جلیل القدر روحانی پیشوا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل تھی، مرتب و شائع ہو گئی تو ضروری ہو گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی سیرت کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے کتاب کی چوتھی جلد کو زینت بخشی جائے کہ اس عہد انقلاب اور اس پر فتن دور میں بعض حیثیتوں سے اس کے سامنے آنے کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت مجدد کے اس اس طریقہ کار و حکمت عملی کو واضح و روشن کرنے کی اس زمانہ میں (جس میں آسانی کے ساتھ اور پہلے ہی مرحلہ پر حکومتوں اور طاقتوں کو اپنا دمقابل اور حریف بنا لیا جاتا ہے، اور کام کے راستہ میں بے ضرورت مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر لیا جاتا ہے) جتنی ضرورت

ہے، شاید کسی زمانہ میں نہ تھی، آخر وہ کیا طریقہ تھا کہ ایک فقیر نے لوہے کے ایک گوشہ میں میٹھ کر سلطنت و ملک کا رخ بدل دیا؟ اس حقیقت کی طرف توجہ سب سے پہلے اپنے برادر معظم کی گفتگو اور مجلسوں سے ہوئی پھر مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا وہ فاضلانہ و ولولہ انگیز مضمون پڑھ کر جو انھوں نے "الفرقان" کے مجدد نمبر کے لئے سپرد قلم کیا تھا، اس کا یقین و اذعان پیدا ہوا، خود میں نے اپنے متعدد عربی مضامین اور خطبات میں اس حقیقت کو متعدد بار واضح کیا اور اس حقیقت پر اطمینان و انشراح قلبی برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ لیکن جب مکمل و مستقل سیرت کا خیال آتا تو دو باتیں اس راہ میں حائل ہو جاتیں، پہلی یہ کہ مجدد صاحب کی کوئی سیرت فلسفہ وحدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود کی تفہیم و تشریح اور ان کے محاکمہ، علمی دلائل اور ناقذانہ بحث و نظر کے ساتھ آخر الذکر کی ترویج اور اس کے اثبات کے بغیر ممکن نہیں، لیکن جب اس کا خیال آتا تو ہمت ٹوٹ جاتی، اولاً اس لئے کہ اس پر اتنا عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، جس کی تلخیص و انتخاب بھی مشکل ہے، دوسرے ان دقیق فلسفیانہ مباحث، مقدمات اور ان نازک اصطلاحات کے سمجھے اور سمجھائے بغیر اس پر قلم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا، پھر آخر میں یہ مسئلہ عملی اور ذوقی ہے، اور ذاتی تجربات و احساسات پر مبنی ہے، اور مصنف اس کو چہ سے کیسے بنا بلکہ کتاب کے پڑھنے والوں کی بڑی تعداد بھی نہ صرف اس سے نا آشنا بلکہ متوجس ہے، اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس ہفت خواں کو کس طرح سر کیا جائے اور اگر کتاب اس بحث سے (جو بعض حضرات کے نزدیک مجذوبانہ لہ مثلاً راقم سطور کا وہ مضمون جو اس نے جمعیت الشبان المسلمین قاہرہ کے ایک استقبالی جلسہ میں علماء مصر اور اساتذہ جامع ازہر کے سامنے پڑھا تھا، اور الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند و قطر و آنتھا کے عنوان سے علیحدہ شائع ہو گیا ہے، یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی وہ تقریر جو منہج افضل فی الاصلاح للذمات و العلماء کے نام سے شائع ہوئی

کی تجدید کا اصل میدان اور ان کی تجدیدی عظمت کا راز ہے) خالی ہو تو وہ کس طرح ان کی مکمل سوانح اور تذکرہ کہی جاسکتی ہے؟ دوسرا خیال جو قلم کا عنان گیر اور مصنف کا دامن کش ہوتا تھا، وہ یہ کہ اس موضوع پر اتنا کام ہو چکا ہے اور اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ مصنف کے لئے ان میں اضافہ کرنا اور نئی تصنیف کا جواز پیدا کرنا مشکل ہے۔

جہاں تک پہلے خیال کا تعلق ہے بڑے غور و فکر کے بعد ذہن نے اس کا حل سوچ لیا، وہ یہ کہ "مالا یدرک کلمہ لا یتدرک کلمہ" کے اصول پر اس مسئلہ کو قارئین کے سامنے شیخ اکبر کے دیستان فکر کے بعض مستند فضلا اور معتبر شراح و ترجمان حضرات کی تشریحات اور خود مکتوبات کی مدد سے اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان کو اس نظریہ کا اجمالی طور پر علم و تصور ہو جائے، پھر جن کو شوق و ہمت ہو وہ اصل مآخذ کی طرف رجوع کریں یا اس موضوع کے اختصاصی عالموں اور اس دریا کے شنواروں سے مدد لیں، جو اس مسئلہ پر علمی طور پر جاوی اور علمی طور پر ذوق آشنا ہیں "ذلیل ماہم"۔

جہاں تک دوسری رکاوٹ کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے ایک شعر نے رہبری کی اور مصنف کے محدود تصنیفی تجربہ نے بھی اس کی تائید کی اور اس کے لئے شہادتیں مہیا کیں، ترجمان حقیقت نے فرمایا ہے۔

گماں مبرکہ بیایاں رسید کارمغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگت ناکلست

حضرت مجدد اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اب بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، اور بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

پھر زبان و اسلوب، سوالات و حالات، معیار و اقدار اور طریقہ تفہیم و تعبیر کی تبدیلی

سے بعض مرتبہ کچھ عرصہ پہلے لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ گویا دوسری زبان میں تھیں اب ان کے ترجمہ کی ضرورت ہے، پھر مقدمات و واقعات سے نتائج نکالنے اور اسباب و نتائج کے درمیان ربط پیدا کرنے اور اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق کرنے کا طریقہ بھی مصنف کا جدا ہوتا ہے، مصنف کے دل نے گواہی دی کہ اگر یہ کام خلوص و محنت سے انجام دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، بلکہ کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر پندرہویں صدی کے لئے (جو اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد شروع ہونے والی ہے) وہ ایک قابل قدر تحفہ، ایک حیات آفرین پیغام، اور اللہ کے ایک مخلص و مقبول بندے کے ایک ایسے کام کی روداد بن جائے جو نہایت خاموشی تو اضع اور عجز و مسکنت کے ساتھ انجام دیا گیا، لیکن اس کے اثرات ایک صدی سے متجاوز ہو کر ہزارہ دوم (الف ثانی) پر محیط ہو رہے ہیں، اور ہماری اس صدی کے لئے بھی جس کے زمین و آسمان بظاہر بدل گئے ہیں، اپنے اندر عبرت و موعظت کا وافر سامان رکھتا ہے۔

"ناچیز راقم سطور کا قلم اور قلب دونوں آستان خداوندی پر سر بسجود اور ترانہ حمد و شکر سے رطب اللسان ہیں کہ ۸ سال کے طویل وقفہ کے بعد مصنف کو "تاریخ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ پھر شروع کرنے اور اس کا چوتھا حصہ لکھنے کی سعادت و توفیق حاصل ہو رہی ہے، یہ وقفہ اتنا طویل ہوا کہ خود مصنف کو اس کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں موت کا پیام آجائے، اور یہ اہم سلسلہ جس کو مصنف کی تصنیفات میں اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیت سے نوازا، ناتمام نہ رہ جائے، اس چوتھے حصہ کا تعلق چونکہ اس ذات گرامی سے ہے جس کی تجدید میں نے ایک طرف وہ شہرت و قبولیت حاصل کی جو تاریخ دعوت و اصلاح میں کسی اعلیٰ مصلح نے

لئے "تاریخ دعوت و عزیمت" کی تیسری جلد ۱۳۸۳ھ کے اوائل ۱۹۶۲ء کے وسط میں شائع ہوئی۔

ہندی تہذیب اور وحدت ادیان کی طرف موڑا جا رہا تھا، اور اس کوشش و سازش میں اس عہد کے بعض ذہین ترین اور لائق ترین افراد شامل تھے، اور بانگ دہلی "نیادورنیا آئین" نیا ہزارہ نئی امامت کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا۔

اس صورت حال کو کس طرح بدلنے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا، اور اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، پھر ایک گوشہ عورتوں میں بٹھیہ کرکس طرح "آدم گری" و "مردم سازی" روحانی تزکیہ و تربیت کا وہ کام انجام دیا گیا جس کے نتیجے میں وہ مردان کار تیار ہوئے، جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مرکزی مقامات میں بٹھیہ کرکس اور پھر افغانستان و ترکستان اور پھر عراق و شام و ترکی و حجاز میں پھیل کر یاد خدا کی سرگرمی، اعلیٰ کلمۃ اللہ کی کوشش، مردہ سنتوں کے احیاء، حمایت شریعت و امامت بدعت کا عظیم الشان کام انجام دیا، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور آزاد مشرب صوفیوں کے اثرات کا ازالہ کیا، اور مختصر آخدا طلبی اور احترام شریعت کا صور پھونک دیا، اور کم سے کم تین صدیوں تک اس کام کو اس قوت و عزیمت اور اس انہماک و مصروفیت کے ساتھ جاری رکھا کہ پورے عالم اسلام میں ہر جگہ وہی نظر آتے ہیں، اور یہ تین صدیاں انہیں کی روحانی و علمی قیادت کی صدیاں کہلانے کی مستحق ہیں اور اس عالمگیر اثر کو دیکھ کر ایک حقیقت پسند انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ جہانے را درگروں کر دیکم مرد خود آگاہے

اس سلسلہ میں دو اور پہلو بھی قابلِ لحاظ تھے، ایک تو یہ کہ حضرت مجدد صاحب کے عہد کی تصویر کشی اور دور اکبری کا نقشہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی "منتخب التواریخ" اور ان تاریخی مآخذ پر انحصار نہ رکھا جائے جو خاص دینی جذبات یا ایک خاص نقطہ نظر کے حامل اور عہد اکبری کی تاریک سے تاریک تر تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں، اس سلسلہ میں

ان غیر جانبدار مصنفین یا دربار اکبری کے ان اہل قلم کی تحریر و بیانات سے مواد حاصل کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ اکبر کے مخالف نہ تھے، بلکہ اس کے ویل و نقیب اور اس کے خیالات و مقاصد کے ترجمان اور اس کے آئین سلطنت اور اس کے خداداد کمالات کے محترف و معترف تھے، اسی طرح ان تبدیلیوں کا بھی مؤرخانہ و مبصرانہ جائزہ لیا جائے جو ہانگیر کے دور سے شروع ہو کر عالمگیر کے عہد سلطنت پر جا کر مکمل ہوئیں، اور اس سلسلہ میں بھی خاندان مجددیہ کے مصنفین کے بیانات اور خوش اعتقاد مؤرخوں کی شہادتوں کے بجائے غیر جانبدار مؤرخین ہندوستان کی کتابوں سے مواد اخذ کیا جائے اور ان کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت مہیا کیا جائے۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس ربع صدی میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اردو اور انگریزی میں مجدد صاحب اور ان کے دور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں بہت سے مشہورات و مسلمات کو چیلنج کیا گیا ہے، نئے سوالات اٹھائے گئے ہیں، اور واقعات و معلومات یا اپنے اخذ کردہ نتائج کی مدد سے بالکل ایک نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (جو اس تابناک اور درخشاں تصویر سے بہت مختلف ہے، جو ابھی تک پیش کی جاتی رہی ہے) ان کو بھی سامنے رکھا جائے، اور خواہ ان کے ایک ایک دعویٰ کا نام لے لے کر تردید نہ کی جائے لیکن مجدد صاحب کی یہ نئی سیرت اور ان کے کارناموں اور ان کے دور کا یہ جائزہ خود بخود ان کتابوں کا جواب اور ان دعوؤں اور اعتراضات کی تردید ہو جائے۔

اپنی شدید مصروفیت، کثیر ملکی و بیرونی اسفار، صحت کی کمزوری اور معاونوں کی کمی کے ساتھ لے اس موقع پر ناپاسی ہوگی، اگر رفیق عزیز مولوی شمس تبریز خاں (رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام) کا شکر یہ نہ ادا کیا جائے جنہوں نے فارسی کی بعض قدیم کتابوں سے مواد مہیا کرنے اور بی بی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنے میں مصنف کی بیش قیمت مدد کی، نیز عزیز ناصر الاسلام ندوی بھی شکر یہ کہ سخی ہیں کہ کتاب کی ترویج اور آخذ سے استفادہ میں ان سے علمی مدد ملی۔

کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا یہ حصہ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت اور ان کی خدمات و کارناموں پر مشتمل ہے بعض نئے معلومات اور ایسے مواد کے ساتھ جن سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا تھا، اور بعض اہم اور غور طلب نتائج اور دعوت فکر و عمل کے ساتھ جلد منظر عام پر آجائے، شاید ہم اس سے اس زمانہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور آنے والی پندرہویں صدی کا استقبال کرنے میں (جس کا عالم اسلام کے مختلف حصوں میں استقبال کیا بھی جا چکا ہے) کچھ مدد حاصل کر سکیں۔ **وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب**۔

آخر میں اس کا اعتراف و شکریہ بھی ضروری ہے کہ مجددی خاندان کی شانوں اور مجددی سلسلہ کے مشائخ کبار کے سلسلہ میں مخدوم محترم مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی (فرزند گرامی حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ) سے وہ بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں جن کا حصول کسی اور ذریعہ سے بظاہر نہایت دشوار تھا، فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی مصنف کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے ذاتی کتابی ذخیرہ میں بعض ضروری قلمی کتابیں اور مفید مواد حاصل ہوا، اور انھوں نے بڑی فراخ دلی سے ان سے استفادہ کی اجازت دی۔ مصنف ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی علمی اعانت کا بھی شکر گزار ہے۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم الشریعہ راءے بریلی

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ
۱۳ اپریل ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

عالم اسلام دسویں صدی میں

دسویں صدی (ہجری) کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ولادت شوال ۹۷۱ھ اور وفات صفر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی، اس طرح ان کا عہد دسویں صدی کے آخری انتیس سال، اور گیارہویں صدی کے تقریباً تینتیس سال ہیں، ان کے عہد کے مؤرخ اور ان کی شخصیت کے سوانح نگار کو اصلاً اسی ترسٹھ سال کی مدت سے سروکار ہونا چاہئے جو ہجری تقویم کی ان دو صدیوں کے آخری اور ابتدائی ثلث سے تعلق رکھتی ہے۔

لیکن حقیقتاً کسی کی ولادت سے خواہ وہ کتنی عظیم شخصیت ہو یکایک کسی ایسے نئے عہد کا آغاز نہیں ہو جاتا جو اچانک کتم عدم سے عالم وجود میں آئے اور اس پر ان واقعات و حوادث، ان تاریخی عوامل، اس سیاسی، اخلاقی، علمی پس منظر، اور ان سلطنتوں اور طاقتوں کا اثر نہ ہو جو اس کی پیدائش سے پہلے سے کار فرما اور ماحول و معاشرہ پر اثر انداز ہو رہی تھیں، اس لئے ہم کو حضرت مجددی کی سیرت و سوانح کی ترتیب اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کے تذکرہ، ان کے عہد کا مزاج سمجھنے اور ان کے کام کی دشواریوں پر

آسانیوں کا صحیح اندازہ اور تقابل کرنے کے لئے اس عہد کے عالم اسلام کا سیاسی، دینی، علمی اور اخلاقی حیثیت سے تاریخی جائزہ لینے کی ضرورت ہوگی جس سے ان کو بدوشعو سے واسطہ پڑا، اور جس میں ان کو اپنا وہ انقلاب انگیز اور عہد آفریں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، جس کی بنا پر وہ بجا طور پر مجدد الف ثانی کہلائے۔

اس جائزہ میں ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گزار رہا ہو، گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں، اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات و انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیا کے اسلام اور خاص طور پر گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنا ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوا میں چلتی تھیں ان کے جھونکے بعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

سیاسی حالت

دسویں صدی کے اوائل میں عرصہ کے بعد (غالباً) سلطان صلاح الدین ایوبی

متوفی ۵۸۹ھ کے بعد) عالم اسلام کے مرکزی حصہ (مشرق وسطی) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا، اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک ایسے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے تھے جس کے بلند کرنے والے اپنے کو حامی اسلام، خادم اکرمین الشریفین اور مسلمانوں کا پاسبان کہتے تھے اور جنہوں نے (خواہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر) خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا، جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سے مصر میں عیسوی پاپائیت کی طرح رہ گئی تھی، یا ووز سلطان سلیم اول بانی خلافت عثمانیہ (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ) نے ۹۲۲ھ میں شام اور ۹۲۳ھ میں مصر فتح کیا، جو ڈھائی سو برس سے سلاطین ملوک کے زیر حکومت چلا آ رہا تھا، سلیم کے حملہ کے وقت اس کا حکمراں قانصوہ غوری تھا، اسی ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے خلافت اور اس بعد حرمین شریفین کی توہیت و خدمت کا اعلان کیا، جزیرہ العرب پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ کے مسلم و عرب ممالک (باستثناء مراکش) سلطان سلیم پھر اس کے جانشین سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ھ-۹۴۲ھ) (جس کو مغربی مصنفین "سلیمان ذی شان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں) کے زیر حکومت آگئے، سلیمان اعظم کا عہد حکومت (جس کی وقت سے تین سال پہلے حضرت مجدد کی ولادت ہوئی) سلطنت عثمانیہ کے اوج اقبال کا زمانہ ہے، ایک طرف یورپ میں آسٹریا اور ہنگری میں اس کے فتح و اقبال کا جھنڈا نصب تھا، دوسری طرف ایران میں اس کی فوجیں فاتحانہ طریقہ پر یلغار کر رہی تھیں، مصر و شام کے ساتھ عراق (عرب) بھی اس کی وسیع مملکت میں شامل ہو گیا تھا، اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت (ایمپائر) کا فرمانروا تھا، مراد ثالث (۹۸۲ھ-۱۰۰۲ھ) کے زمانہ میں جزیرہ قبرص، صوبہ تونس سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور بین دولت عثمانیہ میں شامل تھے، اسی کے زمانہ میں ۹۸۲ھ میں حرم کی تعمیر کی تکمیل ہوئی، یہ مجدد صاحب کے شعور کا

زمانہ تھا، ان کو ضرور ان اہم واقعات کا علم ہوگا، اس عہد کے مسلمان (خواہ وہ ہندوستان کے باشندے ہوں) عثمانی ترکوں کی (جو متصل قسم کے سنی حنفی تھے) ان فتوحات و وسعتِ سلطنت سے ضرور سرور ہوتے ہوں گے۔

اسی صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا اس سلطنت کا بانی شاہ اسماعیل صفوی تھا (۹۰۵ھ - ۹۳۰ھ) اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقہ پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کر لیا، یہ سلطنت عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی جس نے سلطنت عثمانیہ کے بالمقابل مذہب اثنا عشری جعفری کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، حکومت کے اقتدار اور وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا، اور اس میں اس نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی، اس طرح یہ حکومت اپنے حدود پر مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک انسانی دیوار کھڑی کر کے عثمانیوں (جن کے ہم مذہب (سنی حنفی) قسطنطنیہ سے لے کر لاہور و دہلی تک پھیلے ہوئے تھے) کی وسیع مملکت (ایمپائر) میں تحلیل ہونے سے محفوظ ہو گئی، اس خاندان کی حکومت بغداد سے ہرات تک تھی۔

اس خاندان کا سب سے با عظمت حکمراں شاہ عباس (۹۹۵ھ - ۱۰۳۷ھ) جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے ملقب ہے، اور جس کو اپنے تعمیری کارناموں کی بنا پر اس خاندان کا شاہجہاں کہا جاسکتا ہے، حضرت مجدد صاحب کا معاصر ہے، صفوی حکومت شاہ عباس اول کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہنچی، اس نے ترکوں سے لڑ کر نجف اور کربلا کو حاصل کر لیا، وہ اکبر اور جہانگیر کا معاصر تھا، شاہ عباس کے بعد اس خاندان کا زوال

مشرع ہو گیا۔

دنیا سے اسلام کا دوسرا اہم مشرقی خطہ ترکستان تھا، جو صدیوں تک اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا، اور جس کو قدیم ادبیات میں ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس نے فقہ حنفی کی تدوین میں (عراق کے بعد) سب سے بڑا حصہ لیا، اور اس کی متعدد زندہ جاوید کتابیں جو ہندوستان کے نصاب میں ابھی تک داخل ہیں، وہیں تصنیف ہوئیں، نیز سلسلہ نقشبندیہ (جس سے حضرت مجدد اور ان کے مشائخ کا تعلق ہے) وہیں پیدا ہوا، پھلا پھولا، اور وہیں سے دنیا میں پھیلا، یہ زرخیز و مردم خیز ملک دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) ہی سے ازبکوں کے شیبانی خاندان کے قبضہ و اقتدار میں آ گیا، اور ۹۱۶ھ کے ایک مختصر وقفہ کے علاوہ (جس میں بابر نے صفویوں کی مدد سے ماوراء النہر پر حملہ کیا تھا، اور اس وقت کے دارالسلطنت سمرقند پر قابض ہو گیا تھا) اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط (انقلاب روس) تک انھیں کے زیر نگیں رہا، دسویں صدی میں شیبانی خاندان کے دو حکمراں عبید اللہ بن محمد (۹۱۸ھ - ۹۲۶ھ) اور عبید اللہ بن اسکندر (۹۲۳ھ - ۱۰۰۶ھ) کا دارالسلطنت بخارا تھا، ان کی بدولت بخارا دوبارہ فکری و سیاسی زندگی کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان کا سب سے قریبی ہمسایہ ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہے، افغانستان ہے، یہ ملک دسویں صدی کی ابتدا میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں، اور درمیان درمیان میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا، کابل و قندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہو جاتے تھے، اور ہرات ایران کے حدود پر ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیر اثر رہا، ۹۲۸ھ میں بابر نے قندھار کو فتح کیا، پھر جب اس نے

۱۰ مثلاً، شرح وقایہ، ہدایہ۔

ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا، جہاں سے وہ کابل، بدخشاں و قندھار تک حکومت کرتا تھا، اس وقت افغانستان، ہندوستان و ایران کی دو بڑی سلطنتوں کے زیر اثر ایک نسبتاً منظم اور پر امن دور میں داخل ہوا، وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات و سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے (اگرچہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) کابل سلطنت مغلیہ کا جز بن رہا، اور قندھار کچھ مغل کبھی ایرانی قابض ہو جاتے، کوہستان کے شمال میں بابر کے چچا زاد بھائی سلیمان مرزانے (جسے بابر نے بدخشاں والی بنایا تھا) ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد قائم کر لی، ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیر نگین رہے، ۹۶۵ھ میں طہاسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کر لیا، اور ۱۰۳۸ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، ۱۰۳۸ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالہ کیا، اس وقت سے افغانستان کا ملک ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا، اور یہ سلسلہ بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا، یہاں تک کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے ہاتھوں آل بابر کی دو سو چالیس سال کی حکومت افغانستان سے اٹھ گئی۔

دسویں صدی شروع ہوئی تو ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری حکمران ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ میں بانی سلطنت مغلیہ ظہیر الدین محمد بابر گورگانی (۸۸۸ھ - ۹۳۹ھ) کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی، جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی، لودھی خاندان اپنی افغانی نسل و روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش، مذہب حنفی کا پابند تھا، جو نجد پسندی اور ناندہبی (سیکولر) سیاست سے نا آشنا تھا، اس خاندان کا سب سے دیندار

معارف نواز اور علماء کا قدردان و سرپرست بادشاہ سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) تھا اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال (۹۲۶ھ - ۹۵۲ھ) شیر شاہ سوری کے زیر حکومت گذرے، جس سے زیادہ تنظیم و دستور سازی کی صلاحیت اور وفا ہی کاموں کی توفیق رکھنے والا مسلمان بادشاہ اور صاحب علم اور دیندار حکمران اس سے پہلے کی ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نہیں گزرا، شیر شاہ کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام اور حکومت کو استقرار اور اہل ملک کو فارغ البالی حاصل نہیں ہوئی، شیر شاہ سوری کا جانشین سلیم شاہ اپنے عبقری (GENIUS) باپ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، بابر کا جانشین نصیر الدین یو (۹۳۷ھ - ۹۶۳ھ) ہندوستان میں اطمینان کے ساتھ سلطنت نہ کر سکا، اور شیر شاہ کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی سے پریشان اور سرگرداں رہا، اور جب تک ایران کے بادشاہ طہاسپ صفوی سے مدد لے کر نہیں آیا، اس کو استقرار نصیب نہیں ہوا، ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا، اور پوری نصف صدی تک بڑے کروفر سے حکومت کی۔

مجدد صاحب کے زمانہ ہی میں جب ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی، نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا، اور اسی کے عہد میں مجدد صاحب نے وفات پائی، اس مرکزی سلطنت کے علاوہ جس کا پایہ تخت دہلی تھا، گجرات، بیجا پور، گولکنڈہ، اور احمد نگر میں علاقائی حکومتیں قائم تھیں، جو خود مختار طریقہ پر سلطنت کر رہی تھیں، ان میں سے تین آخر الذکر شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔

مذہبی و روحانی حالت

اس وقت پوری دنیا کے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی، عوام عام طور پر (اپنی علمی و اخلاقی کمزوریوں کے باوجود) راسخ الاعتقاد مسلمان، دین پسند اور اسلام دوست تھے، ان میں خاص دینی حمیت اور اسلامی جوش پایا جاتا تھا، اگرچہ بہت سی بدعات اور خلاف اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، لیکن عام طور پر کفر و الحاد سے بیزار و متنفر تھے۔

ان کے اس عمومی دینی ذوق اور مزاج کی وجہ سے سلاطین اسلام کو بھی (جو بڑی سے بڑی مخالف طاقت کی پڑاہ نہیں کرتے تھے) اور جن کی فوجی طاقت نے یورپ کو بھی لرزہ برانداز کر رکھا تھا) شعائر اسلام کا احترام اور دین کی حمایت و نصرت کا اظہار و اعلان کرنا پڑتا تھا، اور عوام کے دلوں پر اس وقت تک ان کی عظمت و محبت کا نقش قائم نہیں ہونے پاتا تھا، جب تک کہ وہ اپنے اس دینی پہلو کو نمایاں نہ کریں، سلطان سلیم اول کی سلطنت میں اس وقت تک استحکام نہیں پیدا ہوا جب تک کہ اس نے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے دمشق کے قیام کے دوران مقامات مقدسہ سے اپنی نیاز مندی اور عقیدت کا برملا اظہار کیا، ذی الحجہ ۹۲۳ھ میں سلیم نے حاجیوں کا ایک قافلہ دمشق سے روانہ کیا جس کے ساتھ پہلی مرتبہ ترکی سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلاف کعبہ بھیجا گیا، اس وقت سے.....

سلاطین ترکی خادم الحرمین الشریفین کا خطاب استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے انہیں اسلامی دنیا میں بڑا وقار حاصل ہوا، سلیمان اعظم کی زندگی میں تواضع اور خاکساری

اور گہرے دینی جذبات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس نے قرآن مجید کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے جو سلیمانیا میں محفوظ ہیں، وہ اپنے دیوان کی غزلوں اور نظموں سے ایک راسخ الاعتقاد مسلمان ظاہر ہوتا ہے، اس نے مفتی ابوالسعود (م ۹۵۲ھ) (صاحب تفسیر ابوالسعود) کے فتوے کی سند پر کعبۃ الشریکے از سر نو تعمیر کی، اور مکہ مکرمہ کی پختہ کاریوں بنوائیں، سلطان مراد نے ۹۸۵ھ میں کعبۃ الشریکے عمارت کی تکمیل کی، جس پر وہ اس وقت تک قائم ہے، یہ سب دسویں صدی کے سلاطین آل عثمان کے کارنامے ہیں۔

ایران کی (شیعی) سلطنت میں بھی عوام کا ذہن مذہبی اور ذوق دینی خوش عقیدگی کا تھا، اور سلاطین صفویہ اس کو غذا پہونچا کر اور مذہب اور اہل بیت سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کر کے اس سے ملک میں سیاسی استحکام، اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کا کام لیتے تھے، ایران کے سب سے عظیم حکمران شاہ عباس اول نے صرف زیارت کی غرض سے اصفہان سے مشہد تک پیدل آٹھ سو میل کا سفر کیا، اور نجف میں حاضر ہو کر روضہ مرقومہ پر چھاڑ دی۔

شاہ عباس سے ایرانیوں کی عقیدت غلو اور وہم پرستی کی حد تک پہونچ گئی تھی اور لوگوں میں عجیب عجیب روایات مشہور تھیں۔

ترکستان و افغانستان کے لوگوں کی راسخ الاعتقاد دینی، دینی صلابت، سنییت اور مذہب حنفی کی پابندی میں تصلب ضرب المثل ہے، ان کے حکمران اور سربراہان مملکت، ارکان سلطنت اور خواص و امراء بھی (اپنی سطح اور معیار زندگی کے مطابق) بہت حد تک ان کے ہم رنگ اور ہم آہنگ تھے۔

ہندوستان میں مسلم سلطنتوں کی بنیاد ترکی و افغانی النسل خاندانوں اور حکمرانوں

کے ہاتھ سے پڑی، اس لئے مشروع سے یہاں بھی مذہب کا اثر گہرا لیکن سیدھے سادہ رنگ کا تھا، جو ترکی و افغانی ذہنیت و مذاق کا خاصہ ہے، یہاں مشروع سے طریقہ اہل سنت و الجماعہ، اور مذہب حنفی کی (چند سو اصلی مقالات اور جنوبی ہند کے علاقہ مالابار کو مستثنیٰ کر کے) پابندی رہی اور مشروع سے وہی مملکت کا دستور اور عدالتوں کا قانون رہا، یہاں فقہ حنفی کی بعض اہم کتابیں فتاویٰ تاتارخانی، اور فتاویٰ قاضی خان لکھی گئیں۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں متعدد بادشاہ اپنی حمایت سنت و شریعت، کفر و الحاد سے بیزاری، بدعات و منکرات کی مخالفت و ازالہ، اور دینی حمیت میں ممتاز نظر آتے ہیں، آٹھویں صدی میں محمد تغلق، و فیروز تغلق اور دسویں صدی میں سلطان سکندر لودھی کا نام لینا کافی ہے، طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، اور تاریخ داودی کے مصنفین کے بیان کے مطابق سلطان سکندر کے عہد میں مذہب کی پابندی ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا ایک نیا طریقہ پیدا ہو گیا ہے، وہ اپنے نفس سے نفس اسلام کو زیادہ عزیز رکھتا تھا، ان کے بقول سلطان کو اپنی ابتداء سے عمر سے تعصب مذہبی دامگیر تھا، بادشاہ کو تذکرہ علمی کا شوق تھا، اس کے عہد میں ہندوؤں کے فارسی پڑھنے کا آغاز ہوا، کائستوں نے بادشاہ کا مشورہ قبول کیا، سلطان نے سالار مسعود کی چھڑیاں جو سالانہ جاتی تھیں اپنی مملکت میں بالکل موقوف کر دیں، مزارات پر زیارت کے لئے عورتوں کے جانے کی سخت ممانعت کر دی، بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ تعزیموں کے نکلنے اور (چچیک کی دیوی) سینٹلا کی پوجا کو بھی سختی سے روکا، مشتاقی نے لکھا ہے کہ

لہ یہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس نے عالم اسلام میں شہرت حاصل کی، اور فتاویٰ ہندیہ

کے نام سے معروف و آفاق میں شہور ہے۔ یہ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی جلد دوم ص ۳۷۳

قبور بلا میت را نہر ساختہ بہت سی جعلی قبریں جو اس زمانہ میں وجود میں آگئی تھیں، وہاں نہریں جاری کر کے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

سلطان سلیم شاہ سوری مساجد میں خود نماز پڑھاتا تھا، مسکرات سے سختی سے مجتنب تھا۔

یہ دور تصوف اور سلاسل و طرق صوفیہ کے انتہائی عروج کا تھا، عالم اسلام کا کوئی ملک اور خطہ ایسا نہ تھا، جہاں کوئی سلسلہ پایا نہ جاتا ہو، گھر گھر اس کا چرچا تھا، اس سلسلہ میں ترکستان کے دو مشہور شہر، اور علمی و روحانی مرکز بخارا اور سمرقند، افغانستان میں ہرات اور بدخشاں، مصر میں اسکندریہ اور طنطا، یمن میں تعز اور صنعاء، حضرموت میں تزیم، شحر اور سیون علماء اور صوفیاء اور مشائخ کا بڑا مرکز تھے، حضرموت میں باعلوی عیدروس خاندان بڑا مقبول اور صاحب کمال خاندان تھا، اسی دور میں ان اطراف میں الشیخ ابو بکر بن عبداللہ بن ابو بکر بہت عالی مرتبہ شیخ اور قطب دوراں سمجھے جاتے تھے، تزیم سادات آل باعلوی کا مستقر تھا، اس زمانہ کے مشہور اولیاء میں شیخ سعد بن علی السوینی باندج السعید تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی (۹۷۸ھ - ۱۰۳۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب النور السافر فی مجال القرن العاشر کو انھیں کے تذکرہ پر ختم کیا ہے، جو ۴۶۶ سے ۴۸۰ تک پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان میں دسویں صدی میں اگرچہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی دونوں شاخیں (نظامیہ اور صابریہ) پھیلی ہوئی تھیں، اور ان میں متعدد باکمال اور صاحب حال شخصیتیں پائی جاتی تھیں، لیکن حقیقتاً یہ صدی سلسلہ عشقیہ شطاریہ کی صدی ہے جس نے

لہ واقعات مشتاقی لہ یہ کتاب ۱۲۰۲ھ میں احمد آباد میں لکھی گئی۔

(جدید تعبیر کے مطابق) ہندوستان کے صاحب ولایت سلسلہ چشتیہ سے اس ملک کا روحانی چارج لیا، اور سائے ہندوستان کو تسخیر کر لیا۔

طریقہ شطاریہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں، جو غالباً نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے اور مانڈو میں سکونت اختیار کی، ۸۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی اور مانڈو میں اندرون قلعہ مدفون ہوئے، وہ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے، صاحب جذب قوی تھے، خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے ان کا سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا، اس طریقہ کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ کا تعلق شیخ محمد غوث گوالیاری سے ہے، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان تین واسطے ہیں، دوسری شاخ کے بانی شیخ علی بن قوام جونپوری (شیخ علی عاشقان سرائے میری) ہیں، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان دو واسطے ہیں، اس سلسلہ نے غالباً پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا، اور ان کے سلوک کے بعض طریقے اور اذکار اور بعض آسن اور جس دم کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے مریدین کو ان کی تعلیم دی، نیز علم سمیما کو بھی شامل کیا، ان آسنوں کی تشریح اور اس کے اذکار کی تفصیل "رسالہ شطاریہ" مصنف بہاء الدین ابن ابراہیم الانصاری القادری میں موجود ہے، شیخ محمد شطاری کی تصنیف "کلید مخازن" میں مصنف کا ایک مستزاد ہے،

۱۷ اس صدی میں سلسلہ مداری بھی جس کے بانی شیخ بدیع الدین مدارکن پوری (م ۸۴۴ھ) تھے، ہندوستان میں پایا جاتا تھا، اس سلسلہ کا مدار و شعار وحدۃ الوجود کے افکار و مضامین کا برملا اظہار و اعلان تجرید ظاہری (اس حد تک کہ محض شرمگاہ کے چھپانے پر اکتفا کیا جائے) اور توکل محض ہے، مروریام کے ساتھ اس سلسلہ میں خطاط اور بے قیدی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مداری بازرگ کا مراد قرار پایا، دسویں صدی میں یہ سلسلہ خاص کے حلقے میں اپنی مقبولیت کھو چکا تھا، "نہتہ الخواطر" کے حصہ چہارم میں (جس میں ہر سلسلہ کے مشائخ کا استیعاب کیا گیا ہے) تلاش سے صرف دو اشخاص ملے جن کو سلسلہ مداری میں بھی بیعت تھی۔

۱۸ ملاحظہ ہو نسخہ قلمی موجود کتب خانہ ندوۃ العلماء فن تصوف، ۲۸، ۲۷، ۲۶-۲۹

جس سے وحدۃ الوجود، بت خانہ و مسجد اور شیخ و برہمن کی مساوات کا، اور ان سب چیزوں میں خدا کی تجلی، بلکہ ظہور کا صاف صاف اظہار ہوتا ہے کہ یہ سب اسی وحدت کے الوان و مظاہر ہیں، آخر کا شعر ہے ۵

عشقی شد و در مشرب شطار برآمد۔ خود غوث جہاں شد

"رسالہ عشقیہ" میں کافر کی کو "جلال عشق" اور مسلمانی کو "جمال عشق" کہا گیا ہے، اور یہ شعر ملتا ہے ۵

کفر و ایمان قرین یک دگراند
ہر کہ را کفر نیست ایماں نیست

ایک جگہ لکھا ہے :-

"العلم حجاب الکرگشت، مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب الکر است، این حجاب الکر

اگر ازمیان مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد، و عبادت خدائی و بندگی بر خیزد"

اس سلسلہ کے سب سے نامور و بااثر شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری تھے، (م ۸۹۷ھ)

جن کو رجوع عام اور قبول تام حاصل ہوا، اور جن کی شان و شوکت و وزراء و امراء کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، ان کی جاگیر کی آمدنی نو لاکھ سکہ تقریباً، ان کے قیل خانہ میں چالیس ہاتھی اور خدم و حشم کا ایک بڑا لشکر تھا، اگرہ کے بازار میں نکلتے تو ٹھٹھ لگ جاتے، ہر ایک کو جھک جھک کر سلام کرتے زمین پر سیدھا بیٹھنا مشکل ہو جاتا، ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ محمد غوث نے اکبر کو ترکیب سے اپنا مرید بنا لیا تھا، لیکن بادشاہ نے جلد اس حلقہ ارادت کو اپنی گردن سے دور کر دیا، اس امیرانہ بلکہ شاہانہ شان کے

۱۹ لے "کلید مخازن" ۱۹۶-۱۹۹ ۲۰ رسالہ عشقیہ "صک ۳۷ ایضاً ۳۷ ۲۱ بعض روایات میں ایک کو ذکر ہے

باوجود ملک میں ان کے فقر کی دھوم مچی ہوئی تھی، سلام کرنے کے وقت تاجدار کو جھک جاتے تھے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، علماء کو اس پر اعتراض تھا، ان کی تصنیفات میں "جو اہر خمسہ" معراجیہ، کنز الوحدۃ اور بحر الحیاء^{۲۱} ہے، ہندوستان پر ان کا بڑا اثر پڑا، اور طریقہ چشتیہ شطاریہ عام ہوا، مجدد صاحب ان کے انتقال کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

اس سلسلہ میں شیخ علی بن قوام جو پوری معروف بہ علی عاشقان سرائے میری (م ۹۵۵ھ) شیخ لشکر محمد برہانپوری (م ۹۹۳ھ) شیخ الشرحش گڈھ مکتی سری (م ۱۰۰۲ھ) بڑے جلیل القدر مشائخ تھے، جن سے ایک عالم نے رجوع کیا، علی عاشقان سرائے میری کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد کسی سے ایسی کرامات کا ظہور نہیں ہوا جیسے ان سے، شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ شیخ ضیاء اللہ اکبر آبادی (م ۱۰۵۰ھ) علامہ وجیہ الدین کے شاگرد تھے، پینتیس سال اکبر آباد میں (جو اکبر کا دار الحکومت تھا) رہے، بڑی مقبولیت حاصل کی، دربار اکبری میں کئی بار طلب کئے گئے، ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ میں نے ان کو سلام مسنون کیا، تو ان کو

لے انھوں نے اپنے لئے معراج کا دعویٰ کیا تھا، جس پر علماء نے گجرات میں بڑا ہنگامہ ہوا، لیکن ملک العلماء شیخ وجیہ الدین گجراتی نے (جو اس وقت کے اکثر علماء کے استاد تھے) اس کی علمی توجیہ کی جس سے ہنگامہ نہ ہوا۔

۱۰ یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے، شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رود کوثر میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

۱۱ اس میں ہندو گیوں اور ناسیوں کے اطوار و اشغال کی تفصیل کو فارسی میں نقل کیا ہے، اپنی ابتدائی تصنیف جو اہر خمسہ میں ان کی ایک آدھ جھلک کھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے، جو اس کو ہندو کا سے تھا، (۳۶-۳۷)

۱۲ مشائخ شطاریہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر، جلد ۴۔

۱۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، العاشقینہ تصنیف عارف علی، یاہ نزہۃ الخواطر، جلد پنجم۔

گراں گزرا، اور اس میں انھوں نے اپنی توہین محسوس کی، اور اس شعار اسلام اور سنت خیر الانام کی تضحیک کی، بدایونی نے ان کا اچھا نقشہ نہیں کھینچا ہے، اور ان کے استہزاء کے واقعات لکھے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ شاہ عبداللہ سندیلوی (۹۲۴ھ-۱۰۱۰ھ) اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندری خلیفہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف بالشر (جو حضرت مجدد صاحب کے محاصرہ اور قریب العمر ہیں) نامور مشائخ عشقینہ شطاریہ میں تھے۔

سلسلہ عشقینہ شطاریہ کے ان نامور مشائخ کے علاوہ ہندوستان میں دوسرے جلیل القدر مشائخ بھی موجود تھے، جن کا دوسرے سلسلوں سے تعلق تھا، ان میں سے ایک شیخ چائیں لدہ سہنوی (م ۹۹۸ھ) ہیں، وہ فصوص اور تقد النصوص کا درس دیتے تھے، اکبر ان کا معتقد تھا، ایک دن ان کو صلوٰۃ معکوس پڑھتے دیکھا تو چلا گیا، دوسرے شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی (۸۸۶ھ-۹۲۹ھ) قادری حشمتی تھے، وہ صاحب تدریس و تصنیف عالم ہونے کے باوجود اپنے عہد میں وحدۃ الوجود اور شیخ اکبر کے مسلک کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کے اس موضوع پر کئی رسائل ہیں، شیخ عبدالعزیز شکر بار (۸۵۵ھ-۹۰۵ھ) بھی وحدۃ الوجود کے قائل اور صاحب حال بزرگ تھے، وہ بھی فصوص الحکم اور اس کی شرح کا درس دیتے تھے، یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد مادری میں بھی ہیں۔ اسی صدی میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۲۴ھ) کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر پہنچا، اور ان سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو نئی تازگی اور طاقت حاصل

۱۴ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، منتخب التواریخ، ملا عبدالقادر، یاہ نزہۃ الخواطر، جلد ۵۔ ۱۵ ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر، جلد ۵۔

۱۶ سہیہ ضلع گردکانوہ (مشرقی پنجاب) میں ایک قصبہ ہے، جہاں کا گرم چشمہ مشہور ہے۔ ۱۷ نزہۃ الخواطر، جلد ۴۔

ہوئی، وہ وحدۃ الوجود کے اسرار بر ملا زبان سے کہتے اور اس کے داعی تھے، ہونپور میں شیخ قطب الدین مینا دل (۱۷۷۶ھ-۱۹۲۵ھ) طریقہ قلندریہ میں اور کتھیل (صلح انبالہ) میں شیخ کمال الدین (م ۱۹۷۱ھ) سلسلہ قادریہ کے سر حلقہ اور صدر نشین تھے، جن سے ان دونوں طریقوں نے نئی آب و تاب پائی، شیخ کمال کتھیلی کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "جب نظر کشفی سے دیکھا جاتا ہے تو اس سلسلہ عالیہ (قادریہ) میں پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر کے بعد ان سے بلند مرتبہ و با کمال شیخ نظر نہیں آتا" اور وہ میں شیخ نظام الدین ایٹھوی معروف بہ بندگی میاں (۱۹۰۷ھ-۱۹۷۹ھ) سلسلہ چشتیہ کے بڑے شیخ، حامی شریعت، اور تبع سنت بزرگ تھے، "احیاء العلوم اور عوارف" و رسالہ کبیر پر ان کا عمل تھا، ایک شخص کے ہاتھ میں "فصوص" دکھی تو اس کو چھین لیا، اور دوسری کتاب مطالعہ کو دی، ان کے سلسلہ میں اگرچہ سماع عام تھا، لیکن وہ اس سے محترز تھے۔

یہ تھی اس وقت دنیا کے اسلام کی مذہبی و روحانی صورت حال، اور یہ تھے ہندوستان کے مختلف المشرق اور متفاوت درجات شیوخ طریقہ اور اصحاب سلسلہ جو دسویں صدی ہجری میں مختلف مقامات پر اپنے روحانی اور تربیتی مرکز قائم کئے ہوئے تھے اور ہندوستان میں گہرا دینی رجحان رکھنے والے طالب خدا اور محب الفقراء عوام و خواص ان سے کسی نہ کسی درجہ میں وابستہ اور ان کے حلقہ گوشس تھے، اس کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا، تاکہ مجدد صاحب کے عہد کی فضا مذاق، رجحان، اور اس عہد میں دین کے احیاء و تجدید کے کام کے امکانات اور مشکلات دونوں کا اندازہ ہو۔

لے زبده المقامات ص ۱۱۱ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ النواظر جلد ۲

علمی حالت

دسویں صدی ہجری اگرچہ علمی اختراع وابتکار، مجتہدانہ فکر و نظر، علوم کی تدوین جدید اور ان میں وقیع اضافہ کی صدی نہیں تھی، یہ خصوصیات آٹھویں صدی کے وسط تک نمایاں نظر آتی ہیں، جس میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) شیخ الاسلام تقی الدین ابن دینق العید (م ۷۷۲ھ)، علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۱۴ھ) علامہ جمال الدین ابوالحجاج المزی (م ۷۲۲ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) علامہ ابو حیان نجوی (م ۷۴۵ھ) جیسے سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے، جنھوں نے حدیث، اصول و علم کلام، فن رجال، اور علوم عربیت میں بلند پایہ اور گرانقدر تصنیفات یادگار چھوڑیں، امام فن حدیث علامہ ابن حجر العسقلانی صاحب "فتح الباری" (م ۸۵۲ھ) کا دور بھی گذر چکا تھا، جن کی بے نظیر شرح بخاری کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لا ھجرت بعد الفتح"۔

دسویں صدی زیادہ تر جمع و ترتیب، اور تسہیل و تلخیص کی صدی تھی، پھر بھی اس کے اوائل میں علامہ شمس الدین سخاوی (م ۷۹۲ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) جیسے علوم دینیہ کے بجز خارا، اور اسلام کے مصنفین کبار گزرے ہیں، علامہ سخاوی کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ امام شمس الدین ذہبی کے بعد علم حدیث، فن رجال اور تاریخ میں ان کے پایہ کا شخص پیدا نہیں ہوا، ان کے بعد فن حدیث کا زوال شروع ہو گیا، اصول و مصطلحات الحدیث میں ان کی کتاب "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث" اور تذکرہ رجال میں "الصواعق للامم لأهل القرن التاسع" اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں، علامہ سیوطی تعریف و تعارف سے مستغنی ہیں کہ ان کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم مصنفین میں ہے۔

اور ان کی بعض کتابیں اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہیں، اور تفسیر جلالین کے نصف اول نے جو ان کی تصنیف ہے، اور صدیوں سے درس میں داخل چلی آ رہی ہے، ان کے نام کو اس وقت تک زندہ اور تابندہ رکھا ہے۔

اس صدی میں مصر و شام و عراق میں فن حدیث و علم رجال، ایران میں علوم حکمیہ، (منطق و فلسفہ) ترکستان و ہندوستان میں علم فقہ (حنفی) کا زور تھا، اور یہی معیار فضیلت اور درجہ کمال سمجھے جاتے تھے، مصر میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی، صاحب شرح صحیح البخاری (م ۹۲۳ھ) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری (م ۹۲۵ھ) ترکی میں علامہ ابوالسعود صاحب تفسیر (م ۹۵۲ھ) حجاز میں علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب "الصواعق المحرقة" و کتب کثیرہ (م ۹۴۴ھ) اور علامہ علی منقہ صاحب کنز العمال (م ۹۴۵ھ) رونق افروز تھے، اور ایک عالم کو اپنے درس سے مستفید کر رہے تھے، مشہور محقق و منصف حنفی عالم و مصنف ملا علی قاری اگرچہ ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے، لیکن مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر کے ایک عالم کو اپنے علم سے فیضیاب کر رہے تھے، ان کا انتقال اگرچہ گیارہویں صدی کے اوائل (۱۰۱۴ھ) میں ہوا، لیکن ان کی علمی و تصنیفی خدمات کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہی ہے، اسی صدی کے آخر میں ادیب و مؤرخ علامہ قطب الدین نہروالی کی (صاحب "الاعلام فی اخبار بیت الشہداء") نے انتقال کیا، جن کا خمیر ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا تھا، اور جن کے کمال کی قدر ترکی و حجاز کے سلاطین و امراء نے کی۔

ایران کی سرزمین علامہ جلال الدین دوانی (م ۹۱۸ھ) ملا عماد بن محمود طارمی (م ۹۲۱ھ) اور علامہ غیاث الدین منصور (م ۹۲۸ھ) کی ذات پر مفتخر و نازاں تھی، جنہوں نے لے نہروالا، اہلواڑہ کی تعریب ہے جو پٹن (گجرات) کا پرانا نام ہے، اور جس کو ۱۲۱۶ھ میں محمود غزنوی نے فتح کیا۔

علم و حکمت کے دریا بہا دیئے تھے، جن کی موجیں ہندوستان تک پہنچیں، اس عہد کے آخر کے بہت بڑے علماء میں شیخ محمد بن الشیخ ابی الحسن صدیقی شافعی اشعری مصری تھے، جن کو استاد الاعظم، اور قطب العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، مضامین عجیبہ اور نکات غریبہ بیان کرنے میں فر فرید تھے، اور ربط آیات اور تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، جامع ازہر میں درس دیتے تھے، شائقین علم پر و انوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے صاحب باطن، شیخ طریقت اور شاعر و ادیب تھے، ۹۹۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، اسی طرح مشہور ہندی محدث رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندھی حنفی (م ۹۹۴ھ) جنہوں نے حجاز میں بیٹھ کر حدیث کی دولت عام کی، اور اپنی مہارت فن اور استاد کی کا دلوں پر سکا بٹھا دیا، ملک العلماء علامہ وجیہ الدین ابن نصر اللہ گجراتی جنہوں نے نصف صدی علوم دینیہ و عقلیہ کا درس دیا، اور جن کے تلامذہ نے ایک صدی سے زائد درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اسی صدی کے نصف آخر کی زمینت تھے، اور اسی صدی کی انتہا پر ۹۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا، اس وقت میں روایت و اسناد حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، اور وہاں محدث یمن طاہر بن حسین بن عبدالرحمن الابدل مسند آئے درس تھے، اور اسی سال ۹۹۸ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

اس عہد میں ہندوستان میں فضلاء ایران کی آمد شروع ہو گئی تھی، جو علامہ جلال الدین دوانی، ملا عماد ابن محمود طارمی، اور سرغیاث الدین منصور کے فیض یافتہ تھے، ہمایوں کے زمانہ میں مولانا زین الدین محمود کمان گر بہرائی، تلمیذ مولانا جامی و مولانا عبدالغفور لاری، ہندوستان آئے اور بادشاہ نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی، اکبر کے زمانہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں نے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، النور السافر ۳۱۳-۳۱۹ ۵ حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو، علامہ محمد بن علی شوکانی کی کتاب البدایہ

(حکیم بہام) اور نور الدین قراری تینوں فاضل بھائی گیلان سے آئے، اور دربار میں رسوخ پیدا کیا، کچھ عرصہ کے بعد ملا محمد یزدی ولایت (ایران) سے آئے، اور امیر فتح اللہ شیرازی بھی بیجا پور ٹھہرتے ہوئے دربار اکبری کی رونق و زینت بنے، وہ میر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے، ۹۹۲ھ میں صدر ہوئے، ہندوستان میں علماء نے ایران کی تصنیفات وہی لائے، انہوں نے یہاں کے نصاب اور طریقہ درس پر ایسا گہرا اثر ڈالا جس نے بالآخر درس نظامی کی ترقی یافتہ شکل اختیار کی، اور جو ہندوستان کے علمی و درسی حلقوں پر ابھی تک غالب اور حاوی ہے۔

اس عہد میں بالخصوص جنوبی ہند میں نیشاپور، استرآباد، ہرجان، مازندران اور گیلان کے بہت سے فضلاء اور ادباء کے نام ملتے ہیں، جو درباروں میں رسوخ رکھتے تھے۔ افغانستان بھی اپنی سپہ گری اور سیف زنی کے ساتھ علم و درس کی دولت سے محروم نہ تھا، قاضی محمد اسلم ہروی جن کا انتقال ہندوستان میں ۱۰۰۰ھ میں ہوا، ہرات میں پیدا ہوئے اور افغانستان ہی میں مولانا محمد فاضل بدخشان سے تحصیل علم کی، مولانا محمد صادق حلوائی بھی اس وقت افغانستان کے بڑے علماء میں تھے، ہرات ایران کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے علوم حکمت کا مرکز تھا، اور اس کے فرزندوں میں قاضی محمد اسلم ہروی اور ان کے نامور و باکمال فرزند مولانا محمد زاہد نے (جو میرزاہد کے نام سے ہندوستان کے مدرسے حلقہ میں معروف و مشہور ہیں) علوم حکمیہ میں بڑا نام پیدا کیا، عرصہ تک مؤخر الذکر کے تین حواسی جو زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور ہیں، اساتذہ و علماء کے مرکز توجہ اور مجاہد فضیلت بنے رہے۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الثقافة الاسلامیة فی الہند، یا اس کا ترجمہ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں اور

مضمون ہندوستان کا نصاب درس، از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی۔ لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۲۔

علمائے ہند کے تلمذ و استفادہ کا یہ تعلق صرف ایرانی فضلاء اور ولایت کے اساتذہ فن ہی سے جاری نہیں تھا، فضلاء و محدثین مصر و حجاز اور یمن سے بھی قائم تھا، شیخ راجح بن داؤد گجراتی (م ۹۰۴ھ) نے علامہ سخاوی سے حدیث میں استفادہ کیا تھا، علامہ سخاوی نے ان کو شیخ العلماء البخاری الحنفی کی ابن عربی کے بارے میں رائے اور مسلک بتایا، تاکہ وہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو اس سے باخبر کریں، اور شیخ اکبر کے بارے میں ان کی جو خوش فہمی ہے، وہ زائل ہو، علامہ سخاوی نے "الصواعق اللامع" میں اپنے ان ہندی شاگرد کا تذکرہ لکھا ہے، اور ان کے علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے، اپنے زمانہ کے امام فن حدیث شیخ علی بن حسام الدین المتقی صاحب "کنز العمال" جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "سیوطی کا احسان ساری دنیا پر ہے، اور علی متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے" علامہ ابوالحسن الشافعی البکری مدرس حرم مکی، اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی مفتی و محدث لکھ کے تلمیذ رشید تھے۔

سطور بالا سے اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان سمندر اور فلک بوس پہاڑوں سے گھرے ہوئے ہونے کے باوجود (جس میں باہر کی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ بلوچستان کا درہ بولان اور شمالی مغربی سرحد کا درہ خیبر تھا) علمی اور ثقافتی طور پر باہر کی دنیا سے کلی طور پر کٹا ہوا نہیں تھا، اس کے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری تھا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا استفادہ افادہ سے اور "درآمد" کا عمل "برآمد" کے عمل سے بڑھا ہوا تھا، اور ایسا ہونا قدرتی امر بھی تھا، کہ ہندوستان میں دین اور علم دونوں ترکستان و ایران کے راستہ ہی سے پہنچتے تھے۔

لے "نزہۃ الخواطر" جلد ۲

ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال

لیکن دسویں صدی کا سیاسی، دینی و علمی جائزہ نامکمل رہے گا، اگر اس ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال کا ذکر نہ کیا جائے، جو اس دور میں ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا، تاکہ اس صی کی صحیح صورت حال سامنے آجائے، اور یہ غلط فہمی نہ ہو کہ زندگی کے دریا میں جو ہزاروں میل کی مسافت میں بہ رہا تھا، کامل سکون تھا، جس میں دین کی تعلیم و اشاعت اور اخلاق و روحانیت کی تربیت و ترقی کی کشتی پورے اطمینان کے ساتھ چلائی جاسکتی تھی، اور اس کو کسی تلاطم یا بھنور کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو "احیاء و تجدید دین" کے بجائے اس دور کے لئے "تعلیم و تربیت" اور "نشر و اشاعت" کا عنوان زیادہ موزوں تھا، ہندوستان کے اسلام کے دینی و ثقافتی مرکز (حجاز مقدس اور مصر و شام و عراق) سے دور ہونے، اسلام کے یہاں ترکستان و ایران کا چکر کاٹ کر پہنچنے، عربی زبان کے رائج نہ ہونے، اور خاص طور پر علم حدیث کی (جس سے دین کی صحیح روح، سنت و بدعت کا فرق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ضرورت کا احساس اور صحیح دینی احتساب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے) عدم اشاعت، حج اور طلب علم کے لئے باہر کے ملکوں کے سفر کی دشواریوں، اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کا غیر مسلم اکثریت سے گھرے رہنے نے (جو اپنے مذہب میں سخت راسخ الاعتقاد، غیر اسلامی رسم و رواج کی سختی سے پابند اور حد درجہ توہم پرست تھی) ہندوستان کے مسلمانوں کو انتشار پسند دعوتوں، گمراہ کن فرقوں اور طالع آزمائندہی پیشہ وروں کی آسان چراگاہ بنا دیا تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تشلیح کی وہ غالی اور جارحانہ شکل تھی، جو ایرانیوں کے اثر سے

جنوبی ہند کے بعض مقامات اور کشمیر میں پیدا ہوئی، دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والی سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے (جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر احمد نگر آئے تھے) تشلیح قبول کیا، اور اس میں بڑا مبالغہ کیا، یہاں تک کہ مساجد خانقاہوں، بازاروں اور سڑکوں پر خلفاء ثلاثہ پر علی الاعلان تبرا کرنے کا حکم دیا، اس خدمت کے انجام دینے والوں کے بڑے بڑے مشاہرے مقرر کئے، اہل سنت میں سے بہت سے لوگوں کو قتل اور گرفتار کیا، دوسری طرف میر شمس الدین عراقی کی کوشش سے کشمیر میں تشلیح پھیلا، انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی، کہتے ہیں کہ چونتیس ہزار ہندو شیعہ ہو گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جدید مذہب بھی ایجاد کیا جس کا نام نور بخشی تھا، اور فرقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کے مسائل نہ تو اہل سنت کے مسائل سے اتفاق رکھتے ہیں، نہ فرقہ امامیہ کے مسائل کے مطابق ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑی جس کا اعتقاد تھا کہ سید محمد نور بخش مہدی موعود تھے۔

۹۵۰ھ میں فوجی مدد اور سلطنت ایران کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ہمایوں عازم ایران ہوا، اس وقت ایران میں شاہ طہماسپ تخت نشین تھا، شاہ ایران نے ہمایوں سے مذہب تشلیح قبول کرنے کی فرمائش کی، ہمایوں نے کہا کہ ایک پرچہ پر تمام معتقدات لکھ دیئے جائیں، بادشاہ نے بطریق نقل اس کو پڑھ دیا، بادشاہ کے تبدیلی مذہب کی اگرچہ کوئی مستند شہادت نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ایران کے قیام، شہنشاہ ایران کی فیاضانہ میزبانی و مسافر نوازی اور فراخ دلانہ فوجی مدد سے ممنونیت و تشکر کے نتیجے میں اس کے دل

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری (مصنف فرقہ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا تھا)

۲۵ ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری۔ ۳ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۲۲۵

میں مذہب اثنا عشری کے لئے وہ نرم گوشہ ضرور پیدا ہو گیا ہوگا، جو اس کے راسخ الاعتقاد تیموری اسلاف کے دل میں (جو راسخ الاعتقاد سنی حنفی تھے) اور ان میں سے بعض کا بعض مشائخ نقشبندیہ سے ارادت کا تعلق بھی تھا) پایا نہیں جاتا تھا، ہمایوں کی مدد کے لئے ایران سے امراء قزلباش آئے تھے، ہمایوں خود نیک دل، شائستہ و مہذب انسان تھا، ہر وقت با وضو رہتا تھا، اللہ رسول کا نام بغیر طہارت کے نہیں لیتا تھا، کتب خانہ کے زینے سے جہاں اذان سن کر بیٹھ گیا تھا، پھسل کر گرا، اور ۱۵ رجب الاول ۹۶۳ھ کو وفات پائی۔

اس کے امراء خاص، اور ارکان سلطنت میں بیرم خان خاناں بڑی خوبیوں اور کمالات کا امیر و سردار تھا، رفیق القلب، جمعہ و جماعت کا پابند، علماء و مشائخ کا قدردان تھا، لیکن تفضیلی تھا، اس کا مشہور شعر ہے۔

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او

اگر غلام علی نیست، خاک بر سر او

میر شریف آملی علوم حکمت میں مہارت تامہ رکھتا تھا، وہ اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا، اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی، پہلے ۹۹۳ھ میں کابل، پھر ۹۹۹ھ میں بنگالہ کی صدارت کے عہدہ پر سرفراز کیا، اور اس کو اجمیر اور موہان میں جاگیر دی، "آثر الامراء" کے مصنف نوافی خاں کے بیان کے مطابق وہ لحدانہ خیالات رکھتا تھا، تصوف کو فلسفہ سے مخلوط کیا اور عینیت کا قائل تھا۔

ہندوستان میں دو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لئے خطرناک اور باعث تخریب تھیں، ان میں سے ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ تھا، جس کی بنیاد نبوت محمدی کے الفاصل پر اختتام، اور الف ثانی سے ایک نئی نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے،

یہ تحریک بلوچستان میں پھلی پھولی، لیکن وہ جس شخص کو پیغمبر مانتی ہے، اس کے بقول اس کا ظہور ۹۷۵ھ میں بمقام اٹک ہوا، اس فرقہ کی کتاب "ذکری کون ہیں؟" کا مصنف بانی فرقہ ذکریہ ملا محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"آپ شب دو شب بوقت بام (صبح) قطب شہر سے بطرف زمین بصورت انسانی و لباس فقیری

اٹک کے پہاڑی علاقہ میں ایک اونچی پہاڑی پر ۹۷۵ھ میں تم مبارک رکھ کر آشکار ہوئے۔"

ذکری ملا محمد موصوف کو خاتم النبیین اور افضل الرسل اور نور اولین و آخرین مانتے ہیں، موسیٰ نامہ قلمی میں ہے:-

"حق تعالیٰ گفت اے موسیٰ بعد از مہدی پیغمبر دیگر نبیا فریدم نور اولین و آخرین ہیں است کہ

پیدا خواہم کرد"

اس فرقہ کی کتابوں "معراج نامہ قلمی" "ثناء مہدی" (مطبوعہ) "سفر نامہ مہدی" "ذکر الہی" وغیرہ میں ایسی صریح عبارات آئی ہیں، جن سے ملا محمد موصوف کی تزیہ و تقدیس اور ان کے بارے میں ایسے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار ہوتا ہے، جن سے ان کی تمام انبیاء پر ترویج اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت اور جرات افترا و تخلیق، اور دجل و تبیس کے عجیب نمونے ظاہر ہوتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مستقل کلمہ بھی وضع کیا تھا، جو "لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ" تھا، نماز پڑھنے والوں کی تکفیر و تضحیک کرتے تھے، اسی طرح روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے وہ منکر ہیں، بجائے حج بیت اللہ کے حج کوہ مراد کو ضروری سمجھتے تھے، تاریخ خوانین بلوچ میں ہے کہ بلوچستان کے کچھ

لے "ذکری کون ہیں؟" ص ۱۳۱ ص ۱۳۲ ایضاً ص ۱۱ ص ۱۲ اعتقاد نامہ قلمی ص ۱۳۱ ملاحظہ ہو ذکری مصنفین کی تصنیفات

"ذکر توحید" (مطبوعہ) میں ذکری ہوں "تفسیر ذکر اللہ" (مطبوعہ) اور تصنیفات مذکورہ صدر نیز ملاحظہ ہو بلوچستان

ڈسٹرکٹ گزٹیر میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ ان کے اور اہل سنت کے عقائد میں بنیادی اختلاف ہے (مطبوعہ)

علاقوں میں ذکری جیسا خلافت اسلام مذہب جاری و ساری تھا، اور وہ لوگ مسلمانوں کو نمازی کہہ کر قابل گردن زدنی گردانتے تھے، میر نصیر خاں اعظم نے ایک طرف شرع محمدی کا نفاذ اور اجرا فرمایا اور دوسری طرف ذکریوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلہ جہاد جاری رکھتا آئے بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر سرخ کنی کی گئی ہے

ہندوستان میں دوسرا مشتبہ فرقہ فرقہ روشنائیہ تھا، افغانوں کی زوال پذیر طاقت کو سہارا دینے اور مغلوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لئے فرقہ روشنائیہ نے جو اہم کردار ادا کیا، اس نے اس عہد کے مصنفین کے بیانات کو محل غور اور محتاج تحقیق بنا دیا ہے کہ ان میں سیاسی اغراض کہاں تک کار فرما ہیں اور تاریخی حقیقت کتنی ہے؟ اس فرقہ کے معتقدوں اور حامیوں اور اس کے مخالفین کے بیانات میں اتنا تضاد ہے کہ ایک بانی فرقہ کو سپر روشن کے نام سے یاد کرتا ہے، اور دوسرا "پیر تاریک" کہتا ہے اس فرقہ کے بانی بایزید انصاری تھے، جو پیر روشن (یار روشن) بھی کہلاتے ہیں، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، جالندھر میں ۹۳۱ھ میں (بابر کی سلطنت سے ایک سال قبل) پیدا ہوئے، ان کا بچپن اور عنفوان شباب خاندانی کشمکش اور بزرگوں کی بے توجہی میں گزرا، اور اس کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی کسی سفر کے

لے تاریخ بلوچ اس مضمون میں رسالہ "الحق" (اکوڑہ خٹک) کے شمارہ کے ایک مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے جو مولانا عبدالحق صاحب مدرس دارالعلوم تربت بلوچستان کے قلم سے ہے، نیز ملاحظہ ہو ذکری مذہب کا یہی جائزہ الحق جنوری ۱۹۸۰ء لے اس عہد میں تصوف کا جو اثر اور اس کی غیر معمولی مقبولیت تھی اس کو دیکھتے ہوئے بعض دوراندیشوں و مصلحت مندوں کا یہ خیال متبع نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اس کو پٹھانوں کی شیرازہ بندی کا ذریعہ بنا کر اور انھیں ایک مذہبی تحریک کے پرچم تلے جمع کر کے مغلیہ حکومت کے خلاف آمادہ جنگ کیا جاسکتا ہے، اور اس سے افغانوں کے زائل شدہ اقتدار کو واپس لایا جاسکتا ہے۔

دوران (بعض روایات کے مطابق) ان کی ملاقات سلیمان اسماعیلی سے ہوئی، جو گیوں کی صحبت کا حاصل ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے، ان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق انھیں خواب نظر آنے لگے اور عالم غیب سے آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ ذکر خفی میں منہمک ہو گئے، اور کچھ عرصہ کے بعد اسم اعظم کے ورد میں ان کو استغراق ہوا، جب وہ اکتالیسویں برس کو پہنچے تو انھیں ہاتھ نے ندادی کہ اب انھیں طہارت شرعی کو ترک کر دینا چاہئے، اور مسلمانوں کی نماز کی جگہ انبیاء کی نماز پڑھنا چاہئے، اس کے بعد وہ سب کو مشرک و منافق سمجھنے لگے، اور چلہ کشی شروع کر دی، اس کے بعد انھیں علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کا حکم ملا، دعوائے مہدویت اور الہام ربانی کا بھی ان پر الزام ہے، ان کے مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی، انھوں نے بعض کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، تاکہ وہ تبلیغ کے کام کو اور زیادہ وسیع کریں۔

لیکن ان کی تصنیف "صراط التوحید" میں ان کی جو تعلیمات آئی ہیں وہ تصوف کی مائل بافراط تعلیمات اور غالی خود شناسی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، جو کسی شیخ کامل اور کتاب و سنت کے علم راسخ کے بغیر اکثر بطور خود ریاضت کرنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کے بعض اصول و عقائد بیان کئے گئے ہیں، وہ غالباً ان کے ضوابط جنگ ہیں، جو اس زمانہ سے متعلق ہیں، جب وہ مغلوں اور اپنے مخالف افغان قبائل سے برسر پیکار تھے۔

انھوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد و مرید بنا لیا، ہندوستان میں اپنا تبلیغی کام شروع کیا، ہندوؤں اور بلوچیوں میں بھی ان کا اثر پھیلنا شروع ہوا، سپر لے لیکن خود شیخ بایزید نے اپنی کتاب "مقصود المؤمنین" میں لکھا ہے کہ "شریعت درخت کی چھال کی مانند ہے، اور درخت کی بقا چھال کے بغیر ناممکن ہے" ۴۲۲ نسخہ قلمی کتب خانہ جامعہ پنجاب۔ لے شیخ بایزید نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ ہندی ہیں جیسا کہ اس مباحثہ کی سرگذشت میں موجود ہے، جو ان کے اور کابل کے قاضی خاں درمیان ہوا تھا، نسخہ قلمی جامعہ پنجاب۔

اور علماء کی انتہائی مخالفت کے باوجود ان کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی، شیخ بایزید نے اپنے داعی اور مبلغ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں، امراء و علماء کے پاس بھیجے، ان میں سے ایک شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی آیا، ان کی زندگی کے آخری ڈھائی سال مغلوں سے جنگ میں گزرے اور ۹۸۵ھ میں کالا پانی کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا، اور ہشت نگر میں دفن ہوئے، ان کی تصنیفات میں سے تین کتابیں (خیر البیان، مقصود المؤمنین، صراط التوحید) موجود ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بنا کردہ فرقہ کے اصول و عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں سے خیر البیان "اؤ مقصود المؤمنین" ان کے ماننے والوں کے نزدیک نیم مقدس کتابوں کا حکم رکھتی تھیں، ان کے سب سے بڑے مخالف انھوں نے درویش تھے، جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (م ۹۹۱ھ) کے مرید تھے، انھوں نے ان کی تردید میں کتاب "محزن الاسلام" لکھی، حال نامہ پیر دستگیر (فارسی) شیخ بایزید کی خود نوشت سوانح حیات ہے، اس کو علی محمد مخلص نے اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

اندرونی اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے خستہ حال ہو کر نیز علماء کی شدید مخالفت کے باعث اور اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تتر بتر ہو گئے، اس فرقہ کے افراد کم ہوتے ہوتے بالآخر تقریباً ناپید ہو گئے۔

داتا ترکانازان ہند کا مصنف مرزا نصر اللہ خاں فدائی دولت یار جنگ اس فرقہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:-

"روشنائی اس فرقہ کا نام ہے جس کی بایزید نامی ایک شخص نے جو اہل ہند میں سے تھا بنیاد ڈالی، اس نے افغانوں میں جا کر پیغمبری کا دعویٰ کیا، اور اپنے کو پیغمبر روشنائی کہلایا، اور ان کو اپنا پیرو

لے استفادہ از مقالہ پر ویسٹ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم مشمولہ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ جلد ۴۔

بنایا، انھوں نے آسمانی صحیفوں کو جواب دیا اور خدا کی عبادت ترک کی، اس کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا، اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں، پیغمبر علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تھا، وہ لوگوں کو بشارت سناتا تھا کہ وہ دن قریب ہے کہ پورا کرہ ارض ان کے زیر تصرف ہوگا۔

حالیہ نوشتہ بایزید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو الہام ہوتا تھا، اور جبریل ان پر نزول کرتے تھے، اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا، وہ خود اپنے کو نبی سمجھتے تھے، نماز پڑھتے تھے، لیکن قبلہ نہیں ضروری نہیں سمجھتے تھے، "فاینما تولوا فثمر وجہ اللہ" سے استدلال کرتے تھے، پانی سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اپنے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے تھے۔

مصنف نے اس سلسلہ میں ان کے بعض ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں، جو عارفانہ اور متصوفانہ ہیں، اور جن میں کوئی قدرح نہیں کی جاسکتی، لیکن اسی کے ساتھ ظلمات اسلام خیالات بھی ہیں۔

"ان کے یہاں خود شناسی و خدا شناسی سب سے اہم چیز تھی، اگر ہندو کو خود شناس دیکھتے تو مسلمان پر ترجیح دیتے، مسلمانوں سے جزیہ لیتے، خمس بیت المال میں داخل کرتے اور اہل حجت پر تقسیم کرتے، ان کے سب فرزند فسق و فجور سے مجتنب، اور ظلم و ستم سے بہت دور تھے، عربی، فارسی، ہندی اور پشتو میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، ان کی ایک کتاب "خیر البیان" ہے جو چار زبانوں میں ہے، اور وہ حق تعالیٰ کا براہ راست ان کو خطاب اور ان کے عقیدہ میں آسمانی کتاب ہے۔"

۱۔ اس عہد میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی، صوفیا و مشائخ کی اکثریت (کم سے کم ہندوستان میں) اس عقیدہ میں غلو رکھتی تھی۔ (مصنف) ۲۔ ۲۰۵-۲۰۵ ۳۔ منقول از حال نامہ بایزید در دبستان ندیب

ملا محسن خانی ۲۰۶-۲۰۹۔

معاصر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید نے افغانوں کی ایک بڑی طاقت مہیا کر لی تھی اور کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درہ خیبر پر بھی قبضہ کر لیا تھا، اور پاس پڑوس پر بھی حملہ کرنے لگے تھے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اکبر نے ایک فوج بھیجی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کر سکی بایزید کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین سلطنت مغلیہ کے لئے خطرہ بنے رہے، راجہ مان سنگھ، بیرل اور زین خاں بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئے، اور بیرل تو ایک مقابلہ میں مارا گیا، مان سنگھ ۹۹۵ھ کے حملہ میں بھی روشنائیوں کے مقابلہ میں ناکام رہا، فتنہ شاہجہاں کے عہد ۱۰۵۰ھ میں ختم ہوا۔

مہدویت

اس عہد کی سب سے زلزلہ انگیز تحریک، تحریک مہدویت تھی، جس کے بانی سید محمد (ابن یوسف) جو نپوری (ولادت ۸۴۴ھ) کی وفات اگرچہ دسویں صدی کی ابتدا (۹۱۰ھ) میں ہو گئی تھی لیکن اس کے اثرات دسویں صدی کے اخیر تک باقی رہے، غیر جانب دارانہ تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس تختی براعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک، موافقت و مخالفت میں معاصر اور بعد کے مؤرخین و مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں۔

(۱) سید محمد جو نپوری باطنی اور خلقی طور پر ان عالی استعداد اور قوی الباطن لوگوں

لے لخص از داستان ترکستان ہند۔

میں تھے، جو زمانہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں، وہ عنفوان شباب ہی میں بڑے جرمی و شجاع اپنے ماحول اور دور کے حالات سے غیر مطمئن، بے محابا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور منکر انحرافی پر زور و توجیح کرنے والے تھے، اور اسی وجہ سے اسی زمانہ میں ان کو اسد العلماء کا خطاب یا گیا تھا، سلوک کی تعلیم شیخ دانیال سے حاصل کی، اور شدید ریاضت مجاہد کیا، پہاڑوں اور ادیوں میں عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کی جس کا اکثر نتیجہ (بالخصوص جب شیخ کامل کی نگرانی اور رہنمائی حاصل نہ ہو) ایسے واردات و اشارات ہونے ہیں جن سے لغزش کا اندیشہ، بعض اوقات غلط یقین کا حصول ہوتا ہے، اور ایسا شخص جو مقام تحقیق و رسوخ کو نہ پہنچا ہو، الفاظ کو غلط عمل چرل اور اشارات غیبی کو غلط معنی میں سمجھ سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے اسی دوران کسی سفر میں ہمدی ہونے کا دعویٰ کیا اس کے بعد بھی متعدد بار مختلف مقامات پر اپنے ”مہدی موعود“ ہونے کا اعلان کیا، اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

(۲) وہ کثرت ریاضت، قوت باطنی اور جذبہ امر بالمعروف کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے صاحب تاثیر تھے، ان کی شخصیت و صحبت ان کی گفتگو اور بیان سامعین و حاضرین پر جادو کا اثر رکھتا تھا، اور سلاطین و امراء سے لے کر عوام و خواص تک سب پر بے خودی اور خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی، اور ان کے لئے بڑے سے بڑے منصبوں اور جاہ و حثمت کو خیر باد کہہ کے ترک دنیا اور ترک وطن کر کے ان کے ہم کاب ہو جانا، اور اپنے کو ان کے حوالہ کر دینا آسان ہو جاتا تھا، دار الحکومت مانڈو میں یہی غیبات الدین شاہ خلجی کے ساتھ پیش آیا، اور یہی جاپانیر گجرات میں محمود شاہ گجراتی پر اثر ہوا، یہی احمد نگر احمد آباد، بیدل لہ افسوس ہے کہ کتب تراجم و تذکرہ میں ان کے حالات نہیں ملتے، آثار الامرائیٹ نواب مصمم الدولہ شاہ نواز خاں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ دانیال راجی حاد شاہ مانپوری کے خلیفہ تھے (ج ۱ ص ۱۲۵) راجی حاد شاہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بلند مرتبہ و نامور شائخ میں ہوئے ہیں۔

اور گلبرگ میں دیکھنے میں آیا، ایک خلقت کی خلقت نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اور ہزاروں آدمی ان کے قافلہ میں شامل ہو گئے، سندھ کے علاقہ میں بھی ایک شہر آشوب کا منظر نظر آیا، اور لوگوں کو تھامنا مشکل ہو گیا، قندھار میں بھی ان کے بیان نے قیامت برپا کر دی، اور حاکم قندھار مرزا شاہ بیگ کا ان کی طرف میلان ہو گیا۔

(۳) ان کی زندگی ترک و تجرید، زہد و استغناء، قطع ماسوی اللہ کی زندگی تھی اور سفر و حضر میں ان کے ”دائرہ“ میں اسی زہد و ایثار اور ذکر و عبادت کی فضا نظر آتی تھی، کھانا اور ہر چیز برابر برابری کی خصوصیت کا لحاظ رکھتے بغیر تقسیم ہوتی تھی اور اس میں خود ان کی اور ان کے گھر کے افراد کی رعایت نہیں ہوتی تھی، اس فضا سے کوئی نودار دمتاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ (۴) اس دعوت نے متعدد ایسے بے لوث، سرفروش و خود فراموش داعی پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے ”کلمۃ حق عند سلطان جائز“ کا فریضہ بڑی شجاعت اور قوت کے ساتھ ادا کیا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سخت اذیتیں برداشت کیں اور اس راہ میں ہی خوشی جان دی، انسان ان کے حالات پڑھ کر متاثر ہوئے اور سید محمد جونپوری کی تربیت اور صحبت کی تاثیر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر شیخ علان حسن البیانوی (شیخ علانی) (م ۹۵۴ھ) کے حالات ملاحظہ ہوں، جنہوں نے سلطان سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری کے دربار میں دعوت و تذکیر کا فرض انجام دیا، اور آداب شاہی اور کورنش کے بجائے سلام مسنون پر اکتفا کیا، اور دوسری مرتبہ سفر کی خستگی اور طاعون کی بیماری کی حالت میں کوڑے کھائے، اور اس سے جانبر نہ ہونے پر ان کا جسم ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا، اور لشکر میں اس کو پھرایا گیا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ علان حسن البیانوی ”نہجۃ الخواطر“ جلد ۴، یا منتخب التواریخ از ملاحظہ نقاد بریلوی (باقی صفحہ ۵۵ پر)

(۵) ان کی دعوت کے پانچ ارکان تھے (۱) ترک دنیا (۲) ملت عن الخلق (۳) ہجرت عن الوطن (۴) صحبت صدیقین (۵) دوام ذکر (حفظ انفس کے طریقہ پر) وہ مشاہدہ الہی (خواہ وہ بچشم سر ہو یا بطریق قلب، بیداری میں ہو یا خواب میں) ضروری اور شرط ایمان قرار دیتے تھے۔

(۶) حالت شکر میں، یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر ان سے اپنی ذات کے متعلق متعدد بار اور صریح طریقہ پر ایسے اقوال اور دعویٰ صادر ہوئے، جن کی تاویل و توجیہ مشکل ہے اور جنہوں نے ان کے تابعین کو (ابتداء میں ان کی نیت کتنی ہی صحیح اور ان کا جذبہ دینی کتنا ہی قابل قدر ہو) آسانی کے ساتھ ایک مخالف جمہور اور مخالف اہل سنت فرقہ کی شکل دے دی، جس نے ان اقوال کا سہارا لیا، اور ان پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی، بعد کے آنے والوں اور غالی معتقدین نے (جیسا کہ قاعدہ ہے) ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کی تقدیس و تعظیم میں اتنا غلو سے کام لیا کہ ان کو انبیاء کا ہمسرا اور بعض سے افضل و برتر بنا دیا اور بعض انہما پسندوں اور غالیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہمراہی و مساوات کے عقیدہ تک پہنچا دیا (اگرچہ سید محمد ان کے نزدیک بھی آپ کے پیروار و دین محمدی کے تابع تھے) اور بعض نے یہاں تک غلو کیا کہ ”اگر کتاب و سنت ان کے کسی قول و فعل کے مخالف ہوں تو کتاب و سنت کا اعتبار نہیں“ اسی طرح سے اس بارے میں بھی بہت غلو کیا گیا کہ جو مسلمان انوار الہی کا مشاہدہ اپنی آنکھ یا دل سے سوتے یا جاگتے (باقی صفحہ ۵۵ کا) مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص ادبی انداز میں شیخ علانی کی شہادت کی دل دوز داستان مفصل و موثر طریقہ پر بیان کی ہے (ملاحظہ ہو ”تذکرہ“ ص ۵۳ تا ۶۱)

لے اور ایسے اقوال بہت سے غالی صوفیوں اور شدید ریاضت کرنے والے عابدوں سے منقول ہیں۔

نکھی نہ کرے وہ مومن نہیں ہے، عام مسلمانوں اور اس فرقے کے درمیان یہ خلیج مرور زمانہ سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ مہدوی ایک الگ فرقہ بن کر اہل سنت و اجماعت سے کٹ گئے، اور وہ مقاصد فوت ہو گئے جن کے لئے یہ تحریک شروع ہوئی تھی، اور جو غالباً اس تحریک کے بانی کے پیش نظر تھے۔

دسویں صدی کے وسط تک اس جماعت کے اثرات ہندوستان اور افغانستان پر قائم رہے، اور دکن میں اس کے پیروؤں کی کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، دسویں صدی کے آخر میں مہدویوں کی طاقت اور تعداد میں جو اضافہ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسماعیل نظام شاہ بن برہان نظام شاہ ثانی کے زمانہ حکومت (۹۹۶-۹۹۸ھ) میں جمال خاں مہدوی نے جو منصب داران صدہ میں سے تھا، احمد نگر میں مہات شاہی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، اسماعیل نظام شاہ کو بھی (جو خور دسال تھا) اپنے مذہب میں لے آیا، تھوڑے زمانہ میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے طائفہ مہدوی جمع ہو گیا، جمال خاں کے گرد و پیش دس ہزار کے قریب مہدوی جمع ہو گئے، اور اس نے احمد نگر کی سلطنت پر پورا تسلط حاصل کر لیا، جب برہان نظام شاہ جو باہر چلا گیا تھا، احمد نگر ۹۹۵ھ میں واپس ہوا تو اس نے مذہب مہدویہ کو جس کا رواج ہو گیا تھا، خارج کیا، اور سابق کی طرح مذہب اثنا عشری نے رواج پایا۔

دسویں صدی کے اخیر میں مہدویت کی تحریک میں نمایاں صنعت پیدا ہوا، اس دعوت اور سید محمد جو پوری کے دعاوی اور زیادہ تر ان کے غالی معتقدین کے تشدد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں ایک انتشار اور اضطراب پیدا ہو رہا تھا، اس سے

لے مختص از تاریخ ہندوستان جلد چہارم از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔

اس عہد کے علماء را سخیں جو کتاب و سنت پر گہری نظر اور علوم دینیہ میں رسوخ تام رکھتے تھے، پریشان اور فکر مند تھے، اور وہ اس کو ایک بڑی ضلالت اور فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنے لگے تھے، چنانچہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم حدیث و سنت علامہ محمد طاہر ٹپنی (۱۱۳۰ھ-۱۱۸۶ھ) مصنف "صحیح بحار الانوار" نے اس کی تردید اور انسداد کا بیڑا اٹھایا، اور یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا (جس کے اثر میں پورا گجرات آ گیا تھا) خاتمہ نہیں ہو جائے گا، وہ اس وقت تک پگڑی نہیں باندھیں گے، اکبر نے ۹۸۰ھ میں جب گجرات فتح کیا، اور علامہ محمد طاہر کی ملاقات ہوئی تو اپنے ہاتھ سے ان کے دستار باندھی، اور کہا کہ "دین کی وہ نصرت و حمایت اور اس نئے فرقہ کا استئصال (جس کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا) میرے ذمہ ہے" اس نے مرزا عزیز الدین کو (جو اس کا رضاعی بھائی تھا) گجرات کا حاکم مقرر کیا، اور اس نے اس کام میں ان کی مدد کی، اور اس کے زمانہ میں ان کا زور کم ہو گیا، لیکن جب مرزا عزیز اپنے اس منصب سے سبکدوش ہوا، اور اس کی جگہ پر عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات کی عملداری ملی تو مہدویوں کو پھر طاقت حاصل ہو گئی، اور وہ میدان میں آ گئے، پھر علامہ محمد طاہر نے پگڑی اتار دی اور دارالحکومت کا قصد کیا، لیکن ان کے پیچھے پیچھے مہدویوں کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی، اور اچھین پہنچتے پہنچتے ان کو شہید کر دیا۔

بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب

تاریخ و فلسفہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ذہنی بے چینی اور عمل کی جارحانہ تحریکیں اور انتشار خیال پیدا ہونے کے قوی اسباب و محرکات عام طور پر حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

۱۔ نزہۃ الخواطر جلد ۴

(۱) معاشرہ کے قول و عمل و عقیدہ و زندگی میں عدم مطابقت اور تضاد جو بچپن اور ذکی احمس طبیعتوں میں شدید بے اطمینانی پیدا کرتا ہے، اور وہ ایک خاص مرحلہ پر پہنچ کر باغیانہ دعوتوں اور تحریکوں میں پناہ لیتی ہیں اور اگر وہ خود کوئی تحریک نہیں پیدا کر سکتی ہیں، تو تشنگ و ارنیاب کا شکار ہو جاتی ہیں، عام طور پر یہ تحریکیں بہت جلد غلو اور انتہا پسندی اختیار کر لیتی ہیں، اور خود اس فاسد اور کمزور معاشرہ سے زیادہ دینی حیثیت سے گمراہ سیاسی حیثیت سے خطرناک اور معاشرہ کے لئے انتشار انگیز بن جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی میں مال و دولت کی فراوانی، عہدوں اور منصبوں کی طمع اور ان میں مسابقت کے جذبہ نے یہ تضاد پیدا کر دیا تھا، اور دنیا داروں اور دنیا پرستوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا، جو دینی اور اخلاقی تعلیمات و اصول کو بالائے طاق رکھ کر حصول جاہ و منصب، یا لذت و تمتع کے لئے ہر طرح کی بے عنوانی اور بے راہ روی اختیار کرنے لگا تھا، یہ طبقہ عام طور پر ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے، جب وسیع اور مستحکم سلطنتیں قائم ہو جاتی ہیں، اور امن و استقرار کا دور آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوری خاندان کی حکومت کے آخری دور اور مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد ہندوستانی معاشرہ میں یہی کیفیت نمایاں ہو گئی تھی، اور بہت سے خلاف اسلام اور خلاف شریعت اعمال و رسوم اور آئین جاری ہو گئے تھے، سلطنت اموی اور سلطنت عباسی میں بھی یہ طبقہ نمایاں طور پر ظاہر ہوا تھا، اور اسی کو پہلی صدی ہجری کے آخر کے سب سے بڑے مصلح و داعی حضرت جن بصری (م سن ۱۱۷ھ) "من افین"

لے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سلیم شاہ (یا اسلام شاہ) کے زمانہ حکومت میں ہر ولایت (یا سرکار) کے مستقر پر جمع کے دن تمام شاہی عہدیدار امر جمع ہوتے تھے، اور ایک بلند شامیانہ میں کرسی پر سلطان سلیم شاہ کی جوتی رکھ کر

اس کے روبرو سر جھکاتے تھے، اور مجموعہ قوانین شاہی پڑھا جاتا تھا، (تاریخ ہند سید ہاشمی فرید آبادی جلد سوم ص ۱۱۷)

کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(۲) سلاطین و حکام کا استبداد، ان کی مطلق العنانی، جبر و تعدی، احکام شریعت سے چشم پوشی، اور کھلی ہوئی نفس پرستی، جو دینی حوصلہ مندوں کو انقلابی تحریک اور بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے۔

(۳) رسمیت اور ظاہر پرستی جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، معاشرہ اخلاقی و ذہنی انحطاط اور علمی حلقے سخت ترین جمود کا شکار ہو جاتے ہیں، اور نظام تعلیم بے روح، حقیقت پسندی سے دور اور ذہین طبیعتوں کو تسکین و تسلی دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، تو لوگ ایسی تحریکوں میں اپنے ذہن کی تسکین کا سامان پاتے ہیں، (جو غلط یا صحیح طریقہ پر) اس محدود دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، کتاب و سنت کی تعلیم سے غفلت اور حدیث سے ناواقفیت بھی اس کا ایک اہم سبب اور قوی محرک ہے، جس سے ہر دور میں دین کا صحیح مزاج پیدا ہوتا ہے، اور جس سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے فہم و عمل میں اصل دین لے پر و فیس خلیق احمد نظامی نے اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے اور من کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:-

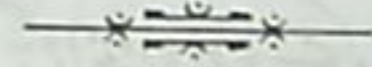
"مسلمانوں کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی، افسانہ شاہاں اور تاریخ داؤدی میں جن قصوں کو عجائب روزگار بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ اخلاقی پستی اور اعتقاد کی زبولی کے آئینہ دار ہیں، فقروں کی عیاشانہ زندگی، طالب علموں کی بے راہ روی، تعویذ گندوں میں بے جا اعتقاد، جنوں اور دیوؤں کے قصے، چراغ سلیمان کی داستانیں کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں اس طرح عام نہیں ہو سکتی تھیں، حقیقت میں مہدوی تحریک اسی ذہنی انحطاط اور مذہبی جمود کو دور کرنے کی ایک کوشش تھی"

(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۵۱)

اسوہ رسول اور طریقہ صحابہ و تابعین سے کتنا بُعد اور انحراف پیدا ہو گیا۔

(۴) کسی ایسی دینی شخصیت کا فقدان جو ذہنی و باطنی دونوں حیثیتوں سے عام سطح سے بلند طاقتور و دلآویز شخصیت اور مؤثر و طاقتور روحانیت کی مالک ہو، اور جو ذہن کی بے چینی، روح کی بیتابی کو دور اور معاشرہ کے تن مردہ میں ایک نئی روح پھونک سکے اور اسلام کی ابدیت، شریعت محمدی کی صداقت اور کمال و ترقی کے وسیع امکانات پر نیا یقین و اعتماد پیدا کر سکے۔

دسویں صدی کی تاریخ کے مطالعہ سے (تراجم و تذکرے کی کتابوں، اور حوادث و واقعات کی روئیدادوں کی مدد سے) معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ہندوستان میں اس بے چینی اور انتشار خیال کے یہ قدرتی اسباب پچھلی صدیوں کے مقابلہ میں بڑھ گئے تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ذہنی بے چینی اور انتشار انگیز تحریکیں اس صدی میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔



دسویں صدی کا فتنہ کبریٰ

”الف ثانی“ سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ

الف ثانی کا مغالطہ

دسویں صدی ہجری اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے اختتام پر اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل اور دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کا آغاز ہوتا ہے، عام حالاً میں یہ تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، دنیا کی طویل عمر اور حیات انسانی کی وسیع تقویم جس طرح ہر صدی پر ایک ورق الٹتا ہے، ایک ہزار سال پر بھی گیارہویں صدی کا نیا ورق الٹنے والا تھا، لیکن جب ذہنوں میں شدید قسم کا انتشار عقائد میں عظیم ترزل، دین کی صحیح تعلیم اور کتاب و سنت کے علم سے نہ صرف غفلت و جہالت بلکہ وحشت و نفرت ہو، اہل یونان کے علوم کو عقل انسانی کی آخری منزل قرار دیا جائے، اور انھیں کا نام ”حکمت“، ”علوم دانشمندی“ اور انسانی علوم و کمالات کے وسیع آفاق میں ”الافق المبین“ قرار دیا جائے، بات کا بنگلہ بنالینا، اور رائی کا پرہت کھڑا کر لینا، نظام تعلیم، نصاب درس اور علمی حلقوں کا کمال سمجھا جائے، علوم نبوت، صحف آسمانی، وحی و تنزیل اور نصوص قرآنی کی توضیح و تحقیق کی جائے، اور ان پر ایمان لانے کو

لے ماباقرہ ماد کی کتاب ”الافق المبین“ کی تلمیح۔

جہل، کورانہ تقلید اور عقل شمنی کامرادت قرار دیا جائے، پھر اس کے ساتھ اس وقت کی حکومتوں اور سیاسی نظاموں سے (جو غلط اور صحیح طریقہ پر مذہب کا سہارا لیتے تھے) اور اس کو اپنے اقتدار کا پشت پناہ سمجھتے تھے) بیزاری بھی بغاوت و اشتعال کی حد تک پہنچ گئی ہو، پھر سونے پر سہاگہ جب ایسے حوصلہ مند اور طالع آزا افراد پیدا ہو جائیں، جو ذہانت اور اس وقت کے علم و حکمت سے مسلح بھی ہوں، اور وہ نئے دور کا بانی و رہنما، اور احترام و اقتدار کا مالک ہونے کے سہانے خواب بھی دیکھنے لگیں، اور ان کے دل و دماغ میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگے، کہ ماہ و سال کی گردش سے وہ بھی وہی فائدہ اٹھائیں جو پچھلے پیشوایان مذہب نے (ان کے بقول) اٹھایا، اور ان کی تحریک و دعوت سے قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک نئی تقویم کا آغاز ہوا، جس کی ان کے خیال میں سب سے کامیاب اور مکمل شکل اس عہد کا آغاز تھا، جو اجنت محمدی اور ظہور اسلام سے عرب میں شروع ہوتا ہے اور ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے، ان کے نزدیک اس دین کی تاریخ اور دنیا کی تقویم میں الف اول کا ختم ہونا اور الف ثانی کا شروع ہونا ایک ہم حادثہ اور ایسا زریں موقعہ ہے، جو جلد جلد اور بار بار ہاتھ نہیں آتا، اور اگر اس کو گنوا دیا جائے گا تو پھر ایک ہزار سال کا انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے اس موقعہ کو کسی طرح سے جانے نہیں دینا چاہئے، ورنہ صدیوں کف افسوس منسا پڑے گا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں ہمیں عالم اسلام کے مختلف حصوں میں اور خاص طور پر اس کے سب سے بے چین، طباع، اور تخلیقی و اختراعی صلاحیت رکھنے والے خطہ ایران میں (جس کو بہت سی ممالکتوں کی بنا پر مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا) اس خیال کے عکس نظر آتے ہیں، ظہور اسلام کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے، اور دوسرا ہزار شروع ہونے کو جا رہا تھا، ہر صدی کے سرے پر مجتد کا ظاہر ہونا، حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اور

تاریخ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے، اس لئے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجتد سے زیادہ دین جدید کے موسس اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے، اور ان میں بہت سے نچلے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی، افسوس ہے کہ اس دور کی کوئی ذہنی و فکری تاریخ مرتب نہیں کی گئی، جس میں اس عہد کے قلب و دماغ، جذبات و خیالات، تمناؤں اور آرزوؤں کی پرچھائیاں نظر آئیں، پہلے اور پچھلے دوروں کی طرح سب تاریخیں "سرکار دربار" کے گرد گھومتی ہیں، اور ان میں زیادہ تر انقلابات سلطنت، فتح و ہزیمت، بادشاہوں کی داد و دہش، اہلکاران سلطنت کے عزل و نصب، اور امراء کے عیش و عشرت، کی داستانیں، اور رزم و بزم کے افسانے ملتے ہیں، اگر دسویں صدی کے عالم اسلام کی کوئی فکری تاریخ ہوتی تو ہمیں صاف نظر آتا کہ الف ثانی کے قریب کتنے دلوں میں تمنائے خام کے چراغ روشن کر دیئے تھے، اور انھوں نے ایک نئی مسند پیشوائی اور ایک نئی سیادت و قیادت کا خیمہ نصب کرنے کے لئے چوب اور طنائیں مہیا کرنی شروع کر دی تھیں۔

صفوی حکومت کے قیام کے بعد جس نے شیعیت کو حکومت کی طاقت اور اقبال سے سارے ایران کا مذہب بنا دیا تھا، اور اگرچہ اس سلطنت کے بانیوں کے مورث اعلیٰ شیخ صفی اللہ مسلکاً و ذوقاً صوفی تھے، لیکن شیعیت کو چونکہ تصوف سے سیر ہے، اس کے دور اقتدار میں اس ایران میں جس نے امام عزالی طوسی، شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری، مولانا جلال الدین رومی، اور مولانا عبد الرحمن جامی جیسے عارف و محقق پیدا کئے تھے، اور جس سے بغداد و دہلی و اجمیر کو پیران پیر سیدنا عبد القادر جیلانی، شیخ الشیوخ، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی، اور شہید شوق خواجہ قطب الدین بختیار کھکی اوشی میسر آئے تھے، تصوف کا چراغ بالکل گل ہو گیا، دوسری طرف کتاب سنت کا لہ آپ صلابت و واقع خراسان کے رہنے والے تھے حال واقع ملک فغانستان۔

وہ علم اور فن حدیث جس کا ایران بڑا مرکز رہ چکا تھا، اور جس نے تاریخ اسلام کو مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری، ابوعلی ترمذی، ابو داؤد سجستانی، ابن ماجہ قرظی، اور حافظ ابو عبد الرحمن نسائی جیسے امام حدیث اور مصنفین صحیح عطا کئے، وہ اب کتاب سنت اور علم حدیث سے بالکل بیگانہ اور تہی دامن تھا، اب اس کے علم کا تمام تر سرمایہ، اور اس کے امتیاز و تفوق کا میدان یونانی علوم و حکمت (فلسفہ و منطق) تھے، اس انقلاب نے جس نے نبی عربیؐ کے صحابہ کرام، اور ان کی سنت و احادیث سے اس مردم خیز اسلامی ملک کا رشتہ پہلے ہی کاٹ دیا تھا، ملک کے ذہن اور طباع طبقہ کار رابطہ نبوت محمدی، عقیدہ ختم نبوت اور دین اسلام کے خلود و بقاء کے عقیدہ سے اگر منقطع نہیں کیا تو کمزور ضرور کر دیا، اور اگر اہل بیت کرام سے (شیعیت کی بنیاد پر) عقیدت و نسبت نہ ہوتی تو اس ملک کا مجوسیت، ناقبل اسلام کی تہذیب، اور شاہنامہ فردوسی کے رستم و اسفندیار کے دور کی طرف واپس چلے جانے کا خطرہ تھا۔

ایسی حالت میں نویں اور دسویں صدی کے ایران میں انتشار انگیز تحریکوں، اور اسلام کے خلاف عقلی و فلسفی سازشوں کا پیدا ہونا خلاف قیاس اور خلاف توقع نہیں، جس کی سب سے ترقی یافتہ مثال نویں صدی کے اخیر اور دسویں صدی کے ابتدا کی نقطوی تحریک ہے، جو ایران کی اس بے چین روح کا بہترین مظہر ہے، جس نے کبھی مزدک کی شکل میں کبھی مانی کے روپ میں، اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا تھا، اور جو خالص ایک مجددانہ تحریک ہے، بقول اسکندر منشی کے:-

آنطائفہ بزمہ حکماء عالم را قدیم
شمرده اند و اصلاً اعتقاد بجنس اجساد و
قیامت ندارند و مکافات حسن و قبح
یہ فرقه حکماء کے مذہب کے مطابق
عالم کو قدیم مانتا ہے، اجسام انسانی
کے دوبارہ زندہ ہونے اور شر و نشر کا

اعمال را در عافیت و مذلت دنیا
قراردادہ، بہشت و دوزخ ہمازای
شمارند۔
مطلق عقیدہ نہیں رکھتا، اعمال کے
حسن و قبح کی جزا و سزا کو دنیا کی
راحت و لذت کی شکل میں قرار دے کر
اسی کو بہشت و دوزخ سمجھتا ہے۔

شاہ نواز خاں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

علم نقطہ الحاد و زندگی و اباحت و
توسیع مشرب است مثل حکماء بقدم
عالم گردند و انکار حشر و قیامت
نمایند و مکافات حسن و قبح اعمال
و جنت و نار در عافیت و مذلت
دنیا قرار دہند۔
علم نقطہ الحاد و زندگی و اباحت (سب
کچھ جائز ہے) اور وسیع المشرب
(سب صحیح ہے) کا نام ہے، حکماء
قدیم کی طرح وہ قدم عالم کے قائل
اور حشر و قیامت کے منکر ہیں، اعمال
کے حسن و قبح کا انعام و سزا، اور
جنت و دوزخ اسی دنیا کی خوشحالی
اور تنگ حالی کو سمجھتے ہیں۔

وہ نظریہ ارتقاء کے قائل ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، نباتات کے اگنے میں قدرت خداوندی کا کوئی دخل نہیں، وہ محض کواکب و عناصر کی ترکیب کا عمل ہے، قرآن پاک کو نبی کریم کی تصنیف

لے تاریخ عالم آرائے عباسی جلد ۲ ص ۲۲۵ ۲۲۵ آثار الامراء جلد ۲ ص ۶۱۹

۲۲۵ دستان مذہب ص ۳

۲۲۵ مبلغ الرجال ورق ۲۵ الف نسخہ قلمی موجود مولانا آزاد کلکشن مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

سمجھتے ہیں اور مسائل بشریہ کو اہل الرائے کا طبع زاد، اس فرقہ کے پیرو نماز، حج، اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں، ماہ رمضان کا نام انھوں نے "ماہ گر سنگی و تشنگی" رکھا ہے، طہارت و غسل کے مسائل کی بھی تضحیک کرتے ہیں، اور محرمات ابدیہ کی حرمت کے بھی قائل نہیں، وہ نقلیات کے منکر اور عقلیات کے داعی ہیں۔

اس فرقہ کا بانی محمود لسیچوانی کو بتایا جاتا ہے اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان و ایران کے ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا، اور ایران میں اس کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی، نقطویوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اول ظہور سے محمود لسیچوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدت ہوتی ہے، یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا، کیونکہ اس مدت میں پیغمبر صرت عربوں ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

لہ ایضاً لہ ایضاً

لہ ایضاً، مضمون میں پروفیسر محمد اسلم کی کتاب "دین الہی اور اس کا پس منظر" نیز ڈاکٹر نذیر احمد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی کتاب "تاریخی و ادبی مطالعے سے استفادہ کیا گیا ہے، مزید تفصیل اور مستند معلومات کے لئے ملاحظہ ہو "نقطویاں یا لسیچوانیا" از ڈاکٹر صادق کیا، لہ محمود لسیچوانی یا لسیچوانی گیلانی نے استر اباد میں ۱۲۸۵ھ میں اس نئے مذہب کا اعلان کیا، ۱۲۸۲ھ میں اس کی وفات ہوئی، اس فرقہ کی بنیاد ایران میں نویں صدی ہجری کی بالکل ابتدا میں ہوئی، رفتہ رفتہ اس نے بڑا زور پکڑا، یہاں تک کہ دسویں صدی اور گیارہویں صدی میں ایران اور ہندوستان میں اس فرقہ کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، اس فرقہ کو ملاحظہ تناسخیہ اور اہل زندقہ کے نام سے ایرانی مورخین اور مسلمان مصنفین نے یاد کیا ہے اور چونکہ محمود کے نزدیک ہر چیز کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے، اور وہ خاک کو نقطہ کہتا ہے، یا اس لئے کہ اس نے مطالب قرآن کو اپنے خیال کو بیان کرنے میں حروف اور نقطوں کی تعداد سے مدد لی ہے، اس فرقہ کو نقطوی یا اہل نقطہ کہتے ہیں، (ماخذ باختصار از مضمون "فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر" مشمولہ "تاریخی و ادبی مطالعے" از ڈاکٹر نذیر احمد)۔

محمود لسیچوانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہو گئی ہے، لہذا آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجیبوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے۔

نقطویوں کے عقائد کے سلسلہ میں جن کا کسی قدیم بیان ہوا، ان کا یہ نظریہ بنیادی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے (اور ہماری اس بحث اور مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامہ اس کے خاص تعلق ہے) کہ "مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے، اس لئے محمود کا لایا ہوا دین قبول کئے بغیر چارہ نہیں" "دین اسلام کی مبعث ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نئے دین کی ضرورت ہے" دسویں صدی میں اس عقیدہ کا ظہور و اعلان صاوت اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس عقیدہ الفی کے قائل ہیں اور الف ثانی سے اپنا کام زور شور سے شروع کرنے والے ہیں، شاہ عباس صفوی نے ایران میں نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بادشاہ اس معاملہ میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ سخت واقع ہوا تھا، بادشاہ کی نظر میں اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا گروہ نہ تھا، چنانچہ ۱۲۸۵ھ میں اس نے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کا قتل عام کیا، اس قتل و غارتگری کا نتیجہ ہوا کہ بہت سے نقطوی جان بچا کر ہندوستان بھاگ آئے، اس میں مولانا جباتی کاشمی بھی تھے، جو دو سال تک قید میں رہنے کے بعد شیراز آئے اور ۱۲۸۶ھ میں وطن میں کچھ دن قیام کر کے بالآخر ہندوستان چلے آئے، ۱۲۹۳ھ میں وہ احمد نگر میں موجود تھے، شریف آملی جو بڑا باکمال عالم تھا، اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنے زمانہ کی سخت گیریوں سے تنگ آ کر ہندوستان چلا آیا تھا، اکبر بادشاہ اس کے ساتھ

لہ محمود یا اس کے کسی پیرو کا شعر ہے

رسید نوبت زندان عاقبت محمود گذشت آنکہ کہ عرب طعنہ بر عجم میرد

۷۱ دستان مذاہب ص ۳۰ لہ ایضاً ص ۳۰

پیر جیسا سلوک کرتا تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود سپخوانی کی تحریروں سے ثبوت پیش کر کے اکبر کو دین نو کے اختراع کی ترغیب دی، اس نے محمود کی پیشگوئی بیان کی کہ ۹۹ھ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔

بدایونی اور خواجہ کلان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ شریف آملی نے ایران سے بھاگ کر بلخ میں مولانا محمد زاہد نسیرہ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی، اور صوفیوں کی طرح رہنے لگا، اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی، اس لئے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنایا، جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا، اور وہ دکن چلا گیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا، اس لئے لوگوں نے شریف آملی کو شیعہ عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا، جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپے آزار ہوئے، بدایونی کے الفاظ میں:-

حکام دکن می خواستند کہ لوح ہستی دکن کے حکام اس کا نقش حیات ہی
اور از نقش حیات پاک سازند، مٹا دینا چاہتے تھے، لیکن بعد ازاں
عاقبت بر سواری خرقہ قرار یافتہ بر سواری انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسے گدھے پر
تشریش نمودند۔ بٹھا کر اس کی تشریح کی جائے۔

اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا، بنگالہ میں اس کو دین الہی کا داعی مقرر کیا، اور وہ اکبر کے چار مخلص یاروں میں شامل تھا، دین الہی کے

لے خواجہ عبید اللہ فرزند خواجہ باقی باللہ مصنف مبلغ الرجال۔ لے منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۴۶

لے مبلغ الرجال ورق ۲۲

مریدوں اور معتقدوں کے سامنے اکبر کی وہ نیابت بھی کرتا تھا، آثار الامراء میں ہے "تصوت و حقائق بسیار و زیدہ و الحاد و زندقہ را بدان غلط دادہ، دعوائے ہمہ اوست" می کرد و ہمہ را الشری گفت، ابو الفضل علامی کے متعلق بعض معاصر تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ نقطوی تحریک سے متاثر تھا، شاہ عباس صفوی نے نصر آباد کا شان میں ممتاز ترین نقطوی داعی اور ذمہ دار میر سید احمد کاشی کو جب قتل کیا تو اس کے کاغذات کے ذخیرہ میں جن نقطویوں کے خطوط ملے، ان میں ابو الفضل کا بھی ایک خط تھا، معاصر تاریخ نویس اسکندر منشی تاریخ عالم آراء عباسی میں لکھتا ہے:-

"ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ ابو الفضل پسر شیخ مبارک بھی جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دربار اکبری میں بہت زیادہ تقرب حاصل کر چکا ہے، اسی مذہب کا پیرو ہے اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بنا کر جادہ شریعت سے منحرف کر دیا ہے، اس کا خط جو میر احمد کاشی کے نام لکھا گیا تھا، اور جو میر نکور کے کاغذات میں دستیاب ہوا ابو الفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے، خواجہ کلان اپنی کتاب "مبلغ الرجال" میں محمود سپخوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"شیخ ابو الفضل ناگوری بساط آں آئین خسارت قرین را در مملکت ہندوستان گسترده"

ان تاریخی شہادتوں کے بعد اندازہ ہوتا ہے، کہ نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان آ کر الف ثانی کے لئے نئے دور، نئے دین اور نئے آئین کے لئے کس طرح ایک تختی مسند تیار کر رکھی تھی، جس پر مسند آرا ہونے کے لئے ایک با اختیار و طاقتور موزوں شخصیت درکار تھی، اور اس کے لئے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا۔

لے منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۴۸-۲۴۵ ۷۲ آثار الامراء جلد ۳ ص ۲۸۵ ۷۳ استفاد از مضمون فرقہ نقطوی پر

ایک طائرانہ نظر مندرجہ کتاب تاریخی و ادبی مطالعے "ازد اکثر نذیر احمد ص ۲۶۱ ۷۴ مبلغ الرجال ورق ۳۱ نیز ملاحظہ ہو ورق ۲۲-۲۳

باب دوم

اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی

عہد اکبری اور ہندوستان کے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اکبر کی تخت نشینی اور ابتدائی عہد حکومت نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے شروع ہوا، بلکہ خوش عقیدگی اور مذہبی غلو اور تقشف کے ساتھ اس کا آغاز ہوا، اس کے ثبوت کے لئے "دربار اکبری" کے مشہور مصنف و عالم اور عہد اکبری کے مورخ ملا عبد القادر بدایونی (م ۱۰۳۸ھ) کی شہرہ آفاق کتاب "منتخب التواریخ" سے منتخب کر کے عہد اکبری کے اس دور کے چند متفرق واقعات اور بادشاہ کے حالات نقل کئے جاتے ہیں، جب وہ اپنے اسلاف کی طرح ایک سیدھا سادہ خوش اعتقاد مسلمان تھا، اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم نہ ہونے، ماحول کے اثر اور اپنے عہد کے رواج کے مطابق (جس میں مشائخ و مزارات کے بارے میں غلو، حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی اور بدعات عام تھیں) بزرگوں کے مزارات کے لئے طویل سفر (شد رحال) کرتا تھا، بد عقیدگی اور خلاف جمہور عقائد کے الزام پر سخت سزا دیتا تھا، اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر گزرا تا تھا، خود ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتا، علماء اور صلحاء کی صحبت میں وقت گزارتا،

اور مجلس سماع میں شرکت کرتا تھا۔

اکبر کی دینداری اور مذہبی غلو کی شہادت میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، اور اس سے اکبر کی تعریف نکلتی ہے، اور اس بارہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی تاریخ و تصنیف میں کسی مخالفانہ جذبہ کے کام کرنے یا عناد کا کوئی سوال نہیں، البتہ اکبر کی زندگی کے دوسرے دور (دین الہی کے نظریہ کی اشاعت و وحدت ادیان کے عقیدہ، اسلام سے بُعد و وحشت، مذاہب غیر کے بارہ میں حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ) کی شرح و تفصیل میں ہم ملا عبد القادر کے بیانات نقل کرنے میں (جن کی صحت و استناد اور ان کی تاریخی غیر جانبداری کے سلسلہ میں ان اخیر برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بڑا شک و اشتباہ پیدا کر دیا گیا ہے)

لہ اکبر کے دور ثانی کے بارے میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات اور شہادتوں کو ان کے دینی تعصب اور اکبر سے ذاتی عناد و مخالفت پر محمول کرنے اور ان کی کتاب منتخب التواریخ کو مجروح و ساقط الاعتبار کرنے کی پچھلے برسوں سے جو ہم شروع ہوئی ہے، اس کی کوئی مثبت علمی بنیاد اور تاریخی ثبوت نہیں، اس الزام کی بنیاد بھی محض جذبات اکبر کی عظمت اور اس کو ہر طرح کے الزامات سے بری کرنے کے جذبہ (جو خاص تعلیم و تربیت اور ماحول و زمانہ کا نتیجہ اور ایک مقصد کے ماتحت تاریخ نویسی کا اثر ہے) سوء ظن اور منفی رویہ پر ہے، جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر منتخب التواریخ کا مطالعہ کرے گا، وہ مصنف کے خلوص و صداقت اور جرات مندانہ حق گوئی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کتب تاریخ کا وسیع مطالعہ کرنے والے کو تاریخ و افسانہ میں امتیاز کرنے اور مصنف اور اس کی کتاب کے پایہ کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ خود صراحت کی طرح کھڑے کھوٹے کافرق سمجھنے لگتا ہے۔

ابیت منتخب التواریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح (بانی ص ۷۲ پر)

... احتیاط برتیں گے اور تنہا ان کے بیانات پر انحصار نہیں کریں گے، بلکہ ان کو اکبر کے مخلص وفادار ارکان سلطنت، مؤرخین دربار اور اس عہد کے غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات اور شہادتوں کی محض تائید میں پیش کریں گے۔

”منتخب التواریخ“ کے حسب ذیل بیانات ملاحظہ ہوں:-

”شہزادہ سلیم کی ولادت کے شکرانہ میں بادشاہ نے اجمیر کا پیادہ پاسفر کیا، واپسی میں دہلی میں پڑاؤ ڈالا، اور اولیاء دہلی کے مزارات کی زیارت کی“
 ”ابو دھن جا کر حضرت شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کی، مرزا مقیم اصفہانی کو میر تقیوب کشمیری کے ساتھ رخصت کے الزام میں سزا ملی“

”اوائل شعبان میں بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا سات کوں سے پیادہ پا مزار پر حاضر ہوا، نقارہ نذر گزارا، اہل اللہ علماء اور صلحاء کے ساتھ صحبت اور مجلس سماع گرم رہی“

”عبادت خانہ میں ”یا ہو“ اور ”یا ہادی“ کے ذکر میں انہماک رہتا تھا، (۹۸۰ھ میں ... عبادت خانہ کی تین عمارتوں کی تعمیر کا تفصیلی ذکر)“

”عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ علماء و امراء کی طلبی ہوتی، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا۔“

اسی زمانہ میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جائے“

(باقی صفحہ کا) اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں، یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس صفائی اور بے پروائی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں“ (الیٹ جلد ۵ صفحہ ۲۸)

۱۵ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۲۳ ۱۶ ایضاً ص ۱۲۴ ۱۷ ایضاً ص ۱۲۵ ۱۸ ایضاً ص ۱۲۶ ۱۹ ایضاً ص ۱۲۷ ۲۰ ایضاً ص ۱۲۸ ۲۱ ایضاً ص ۱۲۹

۹۸۶ھ کے واقعات میں فتح پور سیکری میں عبادت خانہ میں علماء و مشائخ کی صحبت شب جمعہ کی شب بیداری کا ذکر آتا ہے۔

”جب خان زماں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے بادشاہ دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرض دعا حاضر ہوا“

ماہم آنکھ کے تعمیر کردہ مدرسہ خیر المنازل کے پاس سے گزرتے ہوئے، فولاد نامی ایک شخص نے (شرف الدین حسین کے ایما سے) بادشاہ پر ایک تیر چلایا، بادشاہ کو معمولی سا زخم آیا، جو چند روز کی مرہم پٹی سے درست ہو گیا، اس ناگہانی حملہ سے بچ نکلنے کو بقول بدایونی ”از تہنہات غیبی و کرامات پیران حضرت دہلی دانستہ“ اولیاء دہلی کی کرامت سمجھا“
 ”ایک بار اجمیر جاتے ہوئے اس عہد کے مشہور بزرگ شیخ نظام نارنولی (جن کے زہد و اتقا کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی) خدمت میں حاضر ہوا“

”۹۸۰ھ میں اجمیر میں سید حسین خنگ سوار کے مزار پر اور اس کے چند سال بعد ہانسی میں حضرت قطب جمال کے مزار پر بڑی عقیدت و نیاز کے ساتھ حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی“

”شیخ سلیم چشتی کے ساتھ عقیدت خاص تھی، ان کا روضہ بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا اور اس عقیدت و محبت کی بناء پر ولی عہد سلطنت (جہانگیر) کا جو کہا جاتا ہے کہ ان کی دعا سے پیدا ہوا سلیم نام رکھا، بادشاہ نے سلیم کی ولادت سے قبل رانی جو دھابائی کو شیخ کے گھر بھیج دیا تھا، تاکہ ان کی توجہ اور دعا رانی کے شامل حال رہے“

”اسی طرح شہزادہ مراد کی ولادت بھی شیخ ہی کے گھر میں ہوئی تھی“

۱۵ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۵۲ ۱۶ ایضاً ص ۲۶۲ ۱۷ ایضاً ص ۲۷۲ ۱۸ ایضاً ص ۲۸۲ ۱۹ ایضاً ص ۲۹۲ ۲۰ ایضاً ص ۳۰۲ ۲۱ ایضاً ص ۳۱۲

”شہزادہ سلیم جب مکتب نشینی کے قابل ہوا تو اس کی رسم تسمیہ خوانی کے لئے اپنے عہد کے مشہور محدث مولانا میر کلاں ہروی کو زحمت دی اور انھوں نے بادشاہ اور عمائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادہ کی بسم اللہ کرائی۔“

”جب شہزادہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا تو اسے حکم دیا کہ شیخ عبدالنبی کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے اور اس نے مولانا جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی، اکبر کو شیخ عبدالنبی (نبیرہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی و صدر جہاں عہد اکبری) سے اتنی عقیدت تھی کہ اکثر وہ ان کے گھر جا کر ان کے درس میں شرکت کرتا، ایک دو مرتبہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کیں۔“

”اکبر نے ان کے لئے کارخانہ شاہی میں خصوصی دو تالیف تیار کروایا، اور ملا عبدالقادر کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا، اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لئے شاہی کارخانہ میں تیار ہوا ہے۔“

”اس عہد کے مشہور شطاری شیخ محمد عوث گوالیاری کے گزارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کر دی، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ بھی نیاز مندانہ طریقہ پر پیش آتا۔“

بزرگوں سے یہ عقیدت مندی اکبر کو موروثی طریقہ پر ملی تھی، اس کے تیموری آباء و اجداد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، بابر کا دادا سلطان ابوسعید پاپیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی خواجہ حسا سے بڑی عقیدت تھی، خود بابر بھی اپنی تزک میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے، اکبر کے خاندان کی خواتین و بیگمات کے رشتے نقشبندیہ خاندان کے بزرگوں سے ہوئے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ بیہندوستان

تشریف لائے تو اکبر نے ان کا بڑا اعزاز کیا، ان کے مصارف کے لئے ایک جاگیر عطا کی، اور انھیں امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا، واپسی پر انھیں مستقل طور پر آگرہ میں ٹھہرایا۔

”اکبر نے ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے، جو باری باری مقررہ دن میں نماز کی امامت کرتے تھے، بدھ کے روز کی امامت ملا عبدالقادر بدایونی سے متعلق تھی۔“

”بہر سال ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ سے حج کے لئے بھیجتا تھا، امیر حاج کے ہاتھ تشریف مکہ کے لئے تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد و جنس بھیجتا تھا، قافلہ کی روانگی کے دن حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال تھوٹے سے نر شوکر تکبیر کہتا ہوا، ننگے سر، برہنہ پاؤں تک انھیں رخصت کرنے جاتا، اس منظر سے ایک شور برپا ہوتا، اور لوگوں پر رقت طاری ہوتی۔“

جب ہندوستان میں شاہ ابوتراب حجاز سے قدم رسول لے کر تشریف لائے اور وہ آگرہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ امراء، علماء کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شہر سے چار کوس باہر نکل کر استقبال کے لئے گیا۔

آخر میں اس کی دینداری کی شہادتوں کو ہم عہد سلطنت مغلیہ کے مشہور مورخ میر عبدالرزاق خانی خاں معروف بہ مصمام الدولہ شاہنواز خاں (۱۰۱۱ھ - ۱۰۷۱ھ) کی مشہور کتاب ”مآثر الامراء“ کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

اکبر بادشاہ تبرغیب شیخ در اجراء احکام	اکبر بادشاہ شیخ کی تبرغیب سے احکام شریعی
شرعی و امر معروف و نہی منکر فراوان	کے اجراء امر معروف و نہی منکر کے سلسلے میں بڑی
جہد می فرمود و خود اذان می گفت	کوشش کرتا تھا، خود اذان کہتا اور امامت
وامامت می کرد حتی بقصد ثواب	کرتا، حتی کہ ثواب کی نیت سے مسجد

بمسجد جاروب می زدے
میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔

اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی

اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف کی اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، پڑھنے والے ان سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی سطحی اور عامیانه قسم کی مذہبیت تھی جس کی بنیاد دین کے صحیح فہم کتاب و سنت سے واقفیت اور براہ راست علم و مطالعہ پر نہیں تھی اور وہ بجائے علماء و راہنماؤں کی تعلیم اور صحیح دینی صحبت و تربیت کی رہنمائی کے محض مذاق زمانہ، مزاج سپاہیانہ اور وسط ایشیاء کے دین سے ناواقف امراء و اہل حکومت کی تقلید و نقالی اور خوش عقیدگی بلکہ ضعیف الاعتقاد پر مبنی تھی اس دینداری کا رکن اعظم مزارات پر حاضری دینا، کوسوں پیادہ پا چل کر وہاں آنا، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ (جو اکثر بے علم، اسلاف کے کمالات سے عاری اور صحیح روحانیت سے خالی ہوتے تھے) اپنی نیاز مندی اور فدویت کا اظہار و خاتقا ہوں کی جاروب کشتی، مجالس ذکر و سماع میں شرکت اور "درباری سرکاری" علماء و مشائخ کی

لے آثار الامراء ج ۲ ص ۵۶

لے بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر نے چھوٹی توڑک میں اکبر کے انتقال کا جو حال لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی غلط روی کا احساس ہو گیا تھا، اور اس نے کلید شہادت پڑھ کر اس حالت میں جان دی کہ سورہ یسین اور دعا پڑھی جا رہی تھی، ہم کو اس باب میں اس سے بحث نہیں کہ خدا کا معاملہ اس کے ساتھ کیا رہا، اور وہ دنیا سے کس حال میں رخصت ہوا، ہمیں اس کے ان اقدامات اور کاروائیوں سے بحث ہے جو اس نے نئے دین و آئین کے جاری کرنے میں کیں اور ان اثرات سے جو ان کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں پر مرتب ہوئے۔

توقیر و تعظیم تھی، اکبر کے حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ ناخواندہ محض تھا، تیموری خاندان کے مزاجوں میں عام طور پر غلو، انتہا پسندی، اور حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی داخل ہے، ہمایوں کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ وہ محنت کرنے، میدان جنگ کی سختیاں اٹھانے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے پر آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گوشت پوست کا نہیں لوہے کا بنا ہوا ہے اور انسان نہیں، جن ہے، لیکن جب آرام کرنے پر آتا تو سب بھول جاتا، اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ میدان جنگ کا ایک جانباز سپاہی ہے، جہانگیر میں بھی یہ تضاد اور بے اعتدالی نظر آئے گی۔

پھر یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جن ناہموار اور غیر معمولی حالات میں اس کا بچپن اور عنفوان شباب گزرا تھا، چچاؤں کی جس بے مروتی بے مہری، اور خون کے سفید ہو جانے کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، اور جو کڑے بلکہ زہر آلود گھونٹ اس نے باپ کی شکست اور سفر ایران کے زمانہ میں پیئے تھے، پھر بیرم خاں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اس سبب اس کی طبیعت میں انسانی فطرت کی طرف سے بدگمانی، بڑے سے بڑے اور اچھے سے اچھے آدمی کے خلوص و وفاداری کے بارہ میں شک اور مزاج میں ایک طرح کا تلون پیدا کر دیا تھا۔

لے اکبر جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو رواج زمانہ کے مطابق اس کی مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی اور ملازادہ عصام الدین ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے، لیکن ملا کو اندازہ ہوا کہ اکبر کو تعلیم کی طرف رغبت نہیں اسے معلم کی ناکامی اور بے توجہی پر محمول کیا گیا، اور ملازادہ کی جگہ مولانا بایزید کا نقرر ہوا، مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا، آخر بادشاہ نے مولانا عبد القادر بدایونی کو منتخب کیا، مگر بلند اقبال شہزادہ کی طبیعت تعلیم پر مائل نہ ہوئی، سیاسی حالات اور ان کے نتیجے میں سرگردانی و نقل مکانی نے اس کو اور ہوادی اور اکبر تعلیمی لحاظ سے بے سواد اور ناخواندہ رہ گیا۔

(مخلص از تواریخ عہد اکبری)

مذہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر

اس صورت حال کی اصلاح اس کی ان کمزوریوں پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کو اسلام سے وابستہ اور دین سے منسلک رکھنے بلکہ بہت سے سلاطین اسلام کی طرح (جن میں سے بعض اس کے خاندان میں بھی پیدا ہوئے) دین کا حامی و ناصر بنائے رکھنے کے لئے موزوں صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اکبر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہے (اور یہ ایسی کمزوری تھی جو بابر سے لے کر سلطنت مغلیہ میں بہادر شاہ تک کسی میں پائی نہیں گئی) مہات سلطنت اور توسیع مملکت پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا، جس کی اس کے اندر خداداد صلاحیت اور غیر معمولی لیاقت تھی وہ مذہبی امور میں دخل نہ دیتا، ایک سیدھے سادھے مسلمان اور سپاہی کی طرح مذہبی امور کو علماء اور ذی علم ارکان سلطنت کے حوالہ کرتا، جیسا کہ بابر اور ہمایوں نے (تعلیم یافتہ ہونے اور علمی ادبی ذوق رکھنے کے باوجود) کیا تھا، اور خاص طور پر نازک اعتقادی و کلامی مسائل، مذاہب کے تقابل اور ماوراء الطبیعیاتی (غیبی) حقائق کی تحقیق کے میدان میں قدم نہ رکھتا، جہاں ذرا سی غلطی یا بے احتیاطی سے آدمی کفر و کجادی کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے اور دین و ایمان کا سرمایہ کھو بیٹھتا ہے، اور جس کے مبادی و مقدمات سے بھی اکبر نا آشنائے محض تھا، اور جو سیاسی مصاح اور ایسے بادشاہ کے مفاد کے بھی خلاف تھا، جس نے چار سو برس کی مسلمان سلطنتوں سے ملک کا چارج لیا تھا، ان نازک اعتقادی اور کلامی مسائل میں دخل دینے اور اس میں سلطنت کے اثر و رسوخ کے استعمال کرنے کی غلطی مامون الرشید (۱۹۸ھ) جیسے عالم و ذہین خلیفہ کو بھی راس نہ آئی، اور وہ اس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ کر سکا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عربیت حصہ اول "فتنہ خلق قرآن" ص ۹۴ تا ۱۰۱

لیکن اکبر نے بے چین طبیعت اور متجسس دماغ پایا تھا، ادھر اقبال مندی اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کو اپنے بارہ میں کسی قدر خوش فہمی اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ سمجھنے لگا تھا کہ جس طرح وہ سیاسی گتھیوں کو سلجھاتا اور ملکی مسائل کو حل کرتا ہے اسی طرح وہ مذہب و عقائد کی پُر خارا وادلوں میں بھی کامیاب تر کتا زیاں کر سکتا ہے۔

دوسری طرف بعض شاطر ارکان دربار نے کچھ تو اپنا ذہنی تفوق ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ بادشاہ کی تفریح طبع اور رونق مجلس کے لئے بجائے مرغوں اور بیڑوں کی پالیوں اور سانڈوں اور ہاتھیوں کی لڑائی کے (جو مشرقی سلاطین و امراء کی قدیم تفریح تھی) مختلف مذاہب اور فرقوں کے علماء کے ذنگل قائم کئے، اور اس کو تحقیق مذہبی اور علمی مباحثہ کا نام دیا، یہ بالکل بدیہی حقیقت ہے (اور مذاہب و افکار کی تاریخ میں اس کا سیکڑوں بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ اگر ان مناظروں، علماء، اور مذاہب کے وکلاء کی "بیت بازیوں" کا سننے والا گہرا اور وسیع علم اور دقیقہ پس دماغ نہیں رکھتا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ توفیق الہی اس کا ساتھ نہیں دیتی تو اس کا تشنگ وارتیاب، سوفسطائیت اور لادریت کی وادی میں بھٹکنایا کجاد و زندگی کی عمیق خندق میں گر جانا بالکل قدرتی امر ہے۔

جہاں گنہگار کی اکبر کے بارہ میں شہادت سے زیادہ کوئی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی، تزک

میں لکھتا ہے۔

پدر من در اکثر اوقات بادانایان ہر	والد ماجد اکثر ہر دین و مذہب کے
دین و مذہب صحبت می داشتند	دانشوروں سے ملاقات کرتے تھے،
خصوصاً باپندان و دانایان ہندو	خصوصاً ہندوستانی فاضلوں اور
بانکہ اُمی بودند از کثرت مجاست	پندتوں سے، اور امی ہونے کے باوجود

بادانایان و ارباب فضل در گفتگو با چنان
ظاہری شد کہ هیچ کس بی باقی بودن ایشان
نمی برد و بد قائلان نظم و نثر چنان می
رسیدند کہ ما فوقے بران تصور نہ بود۔
کثرت مجاہست کے سبب علماء و
فضلا کے ساتھ گفتگو میں کسی کو ان کے
امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں
ہوتا تھا، نظم و نثر کی باریکیوں کو اس طرح
سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اسلام ہند و مذہب اور ہندوستان کے دوسرے مذاہب و فرق ہی کے نمائندوں،
وکیلوں ہی پر اس بارہ میں اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ نوبت دانایان فرنگ تک پہنچی، خود ابو الفضل
لکھتا ہے کہ دربار کی طرف سے توریت و انجیل و زبور کے ترجمے اور ان کے مطالب کو بادشاہ
تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا، اور اس کے لئے ایک درباری فاضل سید مظفر کو متعین کیا گیا، اور
بعض عیسائی اہل سلطنت کو لکھا گیا۔

در اوقات طیبہ بادانایان جمیع ادیان
صحبت داشتہ از کلمات نفیسہ و مفاد
عالیہ ہر کدام مستفید و مستفیض می شویم
چون بتابین السنۃ و تغایر لغات در میان
ست، لائق آن کہ بار سال این طور
کسی کہ آن مطالب عالیہ با حسن عبارت
خاطر نشان کند سرور سازند و سمیع بہا یوں
رسیدہ کہ کتب سماوی مثل توریت و
ہم فاغ اوقات میں تمام مذاہب
کے دانشوروں سے ملتے اور ان کے
کلمات پاکیزہ اور بلند خیالات سے
مستفید ہوتے ہیں، زبانوں کی جنسیت
حائل ہے، اس لئے کسی ایسے شخص کو
بھیج کر مسرور کریں جو ان مطالب
عالیہ کو اچھی عبارت کے ذریعہ
دانشیں کرے سمیع بہا یوں تک یہ بات

انجیل و زبور بزبان عربی و فارسی در آوڑہ
اند اگر آن کتب مترجم یا غیر آن کہ نفع آن عام
و فائدہ آن تام باشد در ان ولایت بودہ
باشد فرستند در نیولاجہت تا کید مراسم
و داد و تشدید بمائی اتحاد بیادت آب
فضائل کتاب صادق العقیدہ والا خلاصہ
سید مظفر اکبر مزید التفات عنایت بہ فراز
و مخصوص بودہ فرستایم نسخہ چند بالمشافہ
خواہد گفت اعتماد نمایند و ہموارہ ابواب
مکانات مراسلات را مفتوح دارند۔
پہنچی ہے کہ کتب سماوی، توریت، انجیل
و زبور کے ترجمے عربی فارسی میں ہوئے ہیں،
اگر وہ مترجم کتابیں اس ملک میں ہوں تو
افادہ عام کے لئے انھیں بھیج دیں، رسم
محبت کی تجدید اور بنیاد اتحاد کی پختگی کے
خیال سے ہم نے بیادت آب سید مظفر کو
(جو ہماری عنایات سے سرفراز ہیں) ان
ترجمہ کے چند نسخوں کے لئے بھیجا ہے، وہ آپ سے
بالمشاہدہ گفتگو کریں گے آپ ان پر اعتماد
کریں اور برابر بخط و کتابت کرتے رہیں۔

ترجمہ کے علاوہ خود عیسائی پادری دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے مذہب کو بادشاہ
کے سامنے پیش کیا اور عقیدہ تثلیث اور عیسائیت کو دلائل سے ثابت کیا، ملاصق لکھتے ہیں:-

دانایان متراض ملک فرنجیہ کہ ایشان
را پادھری و مجتہد ایشان را پاپا می
گویند انجیل آورد و بر ثالث ثلثہ
دلائل گزرا بندہ و حقیقت نصرانیت
اثبات کردہ۔
در بار میں ملک فرنگ کے متراض انٹرن کابھی
ایک گروہ تھا، ان لوگوں کو پادری کہتے ہیں اور
ان کے بڑے مجتہد کا نام پاپا (پوپ) ہے ان لوگوں
انجیل پیش کی اور ثالث ثلثہ کے متعلق دلائل
پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

اکبر کا یہ شوق اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ گو کہ پادریوں کی مجلس صد کو اس ایک خط میں یہاں تک لکھ دیا:

”مجھے امید ہے کہ میرا خط ملتے ہی عزت مآب پوری مجھ ہی کے ساتھ اپنے کچھ پادریوں کے
میرے دربار میں بھیج دیں گے تاکہ اپنے علماء سے مباحثہ کر کے میں ان کے علم و اخلاق کا اندازہ
کر سکوں اور اپنے علماء پر جنھیں ہم قاضی کہتے ہیں، ان کی فوقیت کا مشاہدہ کر سکوں
اور اس طرح وہ انھیں حق کی تعلیم دے سکیں۔“

مجالس مناظرہ کا پرانا تجربہ ہے کہ کسی مذہب کی صداقت اور اس کی ترویج کا فیصلہ کرنے کے
لئے ہمیشہ دلائل کی قوت اور علمی ثبوت کافی اور فیصلہ کن نہیں ہوتا، اس کا بہت کچھ دارمذہبوں اور
مذہب کے دیکھنے والوں اور نمائندوں کی چرب بانی اور قوت بیانی پر ہے، بعض مرتبہ ایک کمزور مذہب کے دلیل
زیادہ قادر الکلام، خوش بیان، نفسیات انسانی سے واقف اور موقع شناس ہوتے ہیں، وہ سننے والے
کو متاثر اور معتقد بنا لیتے ہیں، ایک صحیح مذہب کے ترجمان (کسی وجہ سے) ان خصوصیات سے عاری اور
ان کلامی اسلحہ سے خالی ہوتے ہیں، اور وہ اپنے اس نقص کی وجہ سے بازی ہار جاتے ہیں، اس میں
بہت شبہ ہے کہ اگر کے دربار میں اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کرنے والے جو علماء موجود تھے، اور
جو ان دانا بیان فرنگ کے مقابلہ میں کھڑے کئے جاتے تھے، ان کا نورانی انجیل اور مذہب عیسوی کا
مطالعہ اور اس کی کمزوریوں و اقصیت اور اسلام کو عقلی و علمی طور پر پیش کرنے کی صلاحیت اس
درجہ کی تھی کہ وہ ان کو ان مغربی فضلاء کا مقابل بنا سکے اور وہ اسلام کی ترجمانی کا حق ادا
کر سکیں، اس صورت حال سے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان غیر ملکی عیسائی فضلاء کی علمی
و عقلی برتری کا نقش قائم ہو گیا ہو اور علماء اسلام (جو اس میدان کے مرد تھے) اس کی نظر سے گر گئے ہوں۔
اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا، ملا عبد القادر لکھتے ہیں:-

اہل بدعت و اہل بدعت و اہل بدعت اور ہوا پرست اپنی غلط آراء

۱۰ ڈاکٹر ایشوری پرشاد مغل سلطنت ۱۹۷۵ء

DR. ISHWARI PRASAD, THE MUGHAL EMPIRE, (ALLAHABAD, 1974) p. 375.

فاسدہ و شہادت باطلہ از کمیں برآمدہ اور باطل شہادت کے سبب کمین گاہوں
باطل را بصورت حق و خطا را لباس سے نکل آئے اور باطل کو حق کی صورت
صواب جلوہ دادہ، پادشاہی را کہ میں اور خطا کو صواب کے لباس میں پیش
جوہری نفیس و طالب حق بود اما غای کرنے لگے، اور بادشاہ کو جو جوہر ذاتی
محض و متائف و متانس بکفرہ رکھتا تھا، اور طالب حق مگر امتی محض
وارا ذل، در شک انداختہ حیرت اور کافروں سے مانوس تھا، شک میں
بر حیرت افروز و مقصود از میاں بتلا کر دیا، اور اس کی حیرت میں اضافہ
رفت، و سردید شرع میں بین رفت کر دیا اور مقصد فوت ہو گیا اور شریعت
شکست و بعد از پنج شش سال خود کا بندھ ٹوٹ گیا، اور پانچ چھ سال
اثری از اسلام نہاند و قضیہ منعکس شدہ کے بعد اسلام کا کوئی اثر نہ رہ گیا اور
معاملہ بالکل الٹ گیا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

در ہر رکنے از ارکان دین و عقیدہ از ارکان دین ہر رکن اور اسلامی عقائد کے
عقیدہ اسلامیہ چہ در اصول و چہ در ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے
فروع مثل نبوت و کلام و رویت و ہو یا فروع سے مثلاً نبوت و مسئلہ کلام و دیدار الہی
تکلیف و تکوین، و شر و شر شہادت انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین شر و شر
گو ناگوں بہ سحر و استہزاء آوردہ۔ وغیرہ کے متعلق تسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ
طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

۱۰ منتخب التواریخ جلد دوم ۲۵۵ء

۱۰ ایضاً ص ۳۰۷

اس پر طرہ یہ ہوا کہ تفسیر و تاریخ جیسے نازک مضمون جن میں ناخدا تزیس اور غیر راسخ العلم لوگوں کو ذہنی انتشار پیدا کرنے کی بڑی گنجائش ہے، اس امی بادشاہ کے دربار اور ایک غیر سنجیدہ اور بے باک فضا میں پڑھے جانے لگے۔

ملا بعد القادر بدیونی لکھتے ہیں:-

و دریں ایام قاضی جلال و دیگران
راز علماء فرمودند تا تفسیر قرآن مجید
میگفتہ باشند و در میان علماء بر سر آں
غوغائی بود و دیب چند سخرہ راجہ
منجھولہ می گفت کہ اگر گاؤ نزدیک تعالیٰ
معظم نبودی در اول سورہ قرآنی چہرا
مذکور شدی و چون تاریخ خواندہ می شد
روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسد شدن
گرفت و گام فراخ تر نہادند و نماز
و روزہ و جمیع نبوات تقلیدیات
نام نہادند یعنی غیر معقول و مدارین
بر عقل گزارا شدند نقل و آمد و رفت
فرنگیاں نیز شد و بعضی اعتقادیات
عقلی ایشان را فر اگر رفتند

انہی دنوں میں قاضی جلال اور دوسرے
علماء کو حکم ہوا کہ تفسیر قرآن بیان کریں
اور خود علماء کے درمیان اس معاملہ
میں بڑی کشمکش تھی، دیب چند سخرہ
راجہ منجھولہ کہتا تھا کہ اگر حق تعالیٰ
کے نزدیک گائے محترم نہ ہوتی تو قرآن
کی پہلی سورہ میں کیوں مذکور ہوتی؟ اور
جب تاریخ پڑھی جانے لگی تو روز بروز صحابہ
لوگوں کا اعتقاد خراب ہونے لگا اور
اس آگے بڑھ کر نماز روزہ اور نام نبوی
تعلیمات کو تقلید یا کلام دینے لگے یعنی
انہیں غیر معقول کہنے لگے اور دین کا
مدار بجائے نقل کے عقل پر رکھنے لگے،
فرنگیوں کی آمد و رفت بھی ہونے لگی،

چنانچہ ان کے بھی بعض اعتقادات
قبول کر لئے۔

اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علماء دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری

اکبر کو اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رکھنے اور اس کے مزاج کو بے اعتدالی اور انحراف سے
بچانے میں علماء دربار و ارکان سلطنت بھی بڑا بنیادی اور مفید کردار ادا کر سکتے تھے، لیکن اس
لئے ایک طرف ایسے علماء کی ضرورت تھی جو حکمت دین اور تفقہ کا جوہر رکھتے ہوں ان کی
نظر جزئیات سے زیادہ کلیات پر ہو، وسائل سے زیادہ مقاصد پر اور "فصل" سے زیادہ "صل" کی
اہمیت و ضرورت پر ہو، اخلاق عالیہ سے متصف بے لوث اور بے غرض، جاہ طلبی اور حب دنیا
سے امکانی حد تک دور ہوں اور ان کا کسی درجہ میں "تزکیہ نفس" ہو چکا ہو، وہ اس عظیم نوحیہ
اسلامی سلطنت کی اہمیت و نزاکت کو خوب سمجھتے ہوں جو اس غیر مسلم اکثریت کے (جس میں
اب بھی اپنے سلطنت و اقتدار سے محرومی کا احساس باقی ہے، اور جس کے تعاون کے بغیر کوئی
سلطنت قائم نہیں رہ سکتی) گھری ہوئی ہے اور یہ کہ ان کو جس تیموری سلطنت کی خدمت
رہنمائی کا زریں اور تاریخی موقع ملا ہے، وہ اس وقت ترکی کی عثمانی سلطنت کے بعد مملکت کی
وسعت و وسائل کی کثرت، انسانی طاقت اور مذہبی جذبہ کی حکمرانی ہر لحاظ سے دنیا کی سب سے
بڑی مسلم سلطنت ہے اس لئے اس کی حفاظت اس کا اسلام سے رشتہ قائم رکھنے،
اس کے سربراہ کو ان نازک حالات میں اس "شینشہ و آہن" اور اس "پنیہ و آتش" کو جمع رکھنے
میں مدد دینا وقت کی سب سے بڑی عبادت اور دین و ملک کی سب سے بڑی خدمت ہے۔
دوسری طرف ایسے ارکان سلطنت اور شیران دربار کا ہیتا ہو جانا ضروری تھا،

جو اس دین پر (جس کو بابر نے رانا سانگا (۱۵۱۹ء) کے مقابلہ میں میدان جنگ میں منہیا شریعہ سے توبہ کر کے اور خدا سے بندگی کا عہد استوار کر کے سلطنت کی بنیاد بنا دیا تھا) خود بھی مستحکم عقیدہ رکھتے ہوں اور بادشاہ کے لئے بھی اسی کو پسند کرتے ہوں، وہ ہر قسم کے ذہنی انتشار سے محفوظ اور ان تخریبی اور لحدانہ تخریبوں سے دور ہوں، جو دسویں صدی میں ایران و ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جو سلطنت و معاشرہ کا رابطہ کمزور کرنے والی، اعتقادی و اخلاقی انارکی پھیلائے والی تھیں، ان میں سلطنت کے نظم و نسق اور دستور سازی کی صلاحیت کے ساتھ اخلاقی بلندی، دینی استقامت اور مذہبی پابندی بھی پائی جاتی ہو۔

اگر یہ دونوں عنصر اکبر اور اس کی سلطنت کو میسر آجاتے تو اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ سلطنت مشرق میں حمایت اسلام اور خدمت دین کا وہی کردار ادا کرتی جو مغرب میں آل عثمان کی سلطنت نے ادا کیا بقول اقبالؒ

نہ تھے نزرکان عثمانی سے کم نزرکان تیموری

لیکن یہ بڑی قسمتی تھی کہ اکبر کو (اس کی اقبال مندی اور خوش نصیبی کے ساتھ) ان دونوں جماعتوں میں سے جو عنصر ملا وہ اتنا ہی نہیں کہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا، بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خدمت کے بجائے بد خدمتی، اکبر کو دین سے قریب کرنے کے بجائے اس کو دین سے دور، متوحش و منفربانے اور ان مخالف اسلام دعوتوں اور تخریبوں سے دور رکھنے یا ان کے استئصال پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کو ان دعوتوں اور تخریبوں کا علمبردار بلکہ ان کا رمز و نشان بنانے کی خدمت انجام دینے والے تھے۔

علمائے دربار

ہم پہلے عنصر علمائے دربار کو پہلے لیتے ہیں، جن کا اکبر شروع سے غائب بردار رہا تھا، اور جن پر اس نے سب سے زیادہ اعتماد کیا، اور جن کو خود بھی دربار میں سب سے پہلے تقرب حاصل ہوا، اور جو اسلام کے ایک بڑے عالم و مبصر حضرت عبداللہ بن مبارک کی نظر میں تین عناصر فساد میں سے ایک اہم عنصر ہیں۔

وہل افسد الدین الاملوک و احبار سوء درہیانہا

دین کو سلاطین، علمائے سوء اور زاہدان دنیادار کے سوا کس نے بگاڑا ہے؟

ہم اس موقع پر بھی ملا عبد القادر بدایونی کی شہادتیں نقل کرتے ہیں، جو خود دارکان دربار میں سے تھے اور ان کے ان بیانات میں بھی جو انہوں نے ایک تاریخی شہادت کے طور پر خود اپنی جماعت اور رفقاء کے متعلق دیئے ہیں، ان کی کوئی ذاتی غرض اور عناد معلوم نہیں ہوتا، علمائے دربار کی تصویر کشی انہوں نے اس طرح کی ہے:-

”عبادت خاد میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ اور علماء و امراء کی طلبی ہوتی، آگے

پہنچے بیٹھنے میں مشائخ و علماء سے نفسانیت کا اظہار ہوا، ہر ایک دوسرے سے آگے اور

متنازعہ جگہ بیٹھنا چاہتا تھا، بادشاہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ حکم دیا کہ امراء جانب

مشرق بیٹھیں، سادات جانب مغرب، علماء جنوب میں اور مشائخ شمال میں، بادشاہ خود

ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک رات علماء بڑے زور زور سے بولنے اور بحث کرنے لگے،

بادشاہ کو اس سے تنگ نظر پیدا ہوا، اور اس نے اس کو بے تمیزی اور دنیا داری پر مجبور کیا۔
 ایک دیگر تیغ زباں کشیدہ در مقام
 باہم دگر تیغ زباں کھینچ کر دمقابل ہو گئے
 تنافی و تقابل بودند و اختلاف بجائے
 اختلاف یہاں تک بڑھ گیا کہ ایک
 اس رسید کہ تکفیر و تضلیل ہم دگر می نمودند
 دوسرے کی تکفیر و تضلیل پر اتر آئے
 رگ گردن علماء زمان برآمد آواز ہائے
 اس وقت کے علماء کی گردنوں کی
 بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد این معنی
 رگیں پھولی ہوئیں اور آوازیں بہت
 برخاطر اشرف گراں آمدہ۔
 بلند تھیں، اس بات سے خاطر اشرف
 پر گرانی ہوئی۔

اکبر نے اس پر آزر دہ اور مکتدہ ہو کر ملا عبد القادر سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بدتمیزی کا مظاہرہ کرے اسے وہاں سے اٹھا دیا جائے۔

اعلیٰ دینی عہدہ داروں میں ایک اہم رکن ملا عبد اللہ سلطان پوری تھے جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا، انھوں نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا تھا، زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی حیاء شرعی^۱ سے کام لینے تھے، اور اس کی فرضیت سے بچ جاتے تھے، انھوں نے عہد اکبری اور اپنے عروج کے زمانہ میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق ان کے آبائی قبرستان سے برآمد ہوئے، جنھیں مردوں کے

۱۔ ایضاً ص ۲۰۳ ۲۔ یہ سلطان پور مشرقی پنجاب میں جالندھر کے قریب ہے، ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۵۔

۳۔ یعنی حولان ہونے (ایک سال گزر جانے) سے پہلے وہ رقم جس پر زکوٰۃ فرض ہو رہی تھی، الہیہ یا کسی دوسرے عزیز کو دے دیتے، وہ لینے کے بعد واپس کر دیتا، اس طرح وہ اس سال زکوٰۃ سے بچ جاتے کہ حولان ہونے کی شرط ہے، آئندہ سال بھی یہی عمل کرتے۔

بہانہ سے انھوں نے دفن کر دیا تھا۔

مخدوم الملک کے بعد دوسرا درجہ صدر الصدور مولانا عبد النبی کا تھا، جو اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے عالم اور خاص طور پر فن حدیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے، لیکن منتخب التواریخ^۱ کی بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علمی پایہ کچھ بلند نہ تھا، اور عربی کے بعض الفاظ کی تصحیح و تحقیق بھی پورے طور پر نہ تھی، اکبر نے ان کو صدر الصدور کا عہدہ دیا، اور ان کو ایسا جاہ و جلال اور اختیار و اقتدار حاصل ہوا کہ ان کے سامنے اچھے اچھے ارکان سلطنت کا چراغ نہیں جلتا تھا، بادشاہ نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے ان کو جوتے پہنائے، بڑے بڑے علماء شرف یاریابی حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے، سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ اور سجادہ نشینوں کو جاگیریں عطا کرنا، معافیاں دینا، اور وظائف جاری کرنا ان کا کام تھا، اور اس میں انھوں نے ایسی دریا دلی سے کام لیا کہ پچھلی سلطنتوں میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق (جو ان کے معاصر دوست اور شریک دربار تھے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء کے اعلیٰ اخلاق، اپنے خاندان کی بہترین روایات و خصوصیات بلکہ عام تہذیب اور موقع شناسی سے بھی عاری تھے، ممکن ہے کہ اس اعلیٰ عہدہ نے ان میں یہ تبدیلی

۱۔ ایک روایت ہے کہ ان قبروں سے تین کروڑ روپے مالیت سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔

۲۔ شیخ عبد النبی شیخ احمد گنگوہی کے صاحبزادہ اور حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے، لیکن علمائے حجاز سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو اپنے خاندانی مسلک وحدۃ الوجود اور سماع سے اختلاف ہو گیا تھا، اور ان کے تعلقات اپنے والد سے اچھے نہیں رہے تھے، حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۵۔ ۳۔ علمائے حجاز بخصوص علامہ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کی جیسے اساتذہ وقت سے علم حدیث حاصل کرنے اور صاحب تصنیف ہونے کے ساتھ یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ وہ معمولی عربی الفاظ کو غلط (مثلاً بحر کو جس میں پہلے جیم منقوٹ ہے بحر جس میں پہلے حاء مہمل ہے) پڑھیں، واللہ اعلم بالصواب۔

پیدا کر دی ہو، ان کا اخلاقی اثر بھی بادشاہ ارکان دربار پر اچھا نہیں پڑتا تھا، ملا عبد القادر ان کو اپنے عہدہ و رسوخ کا غلط استعمال کرنے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا، لوگ شیخ کے وکیلوں ان کے فراشوں و دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوت دینے پر مجبور ہو گئے کہ اس کے بغیر کار بر آری نہیں ہوتی تھی!

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دینی احتساب کرنے میں وہ حکمت و موقح و محل کی رعایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے، اور بعض اوقات خود بادشاہ اس کی زد میں آجاتا تھا، آثار الامراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی ایک سالگرہ کے موقع پر امراء، علماء و مشائخ بادشاہ کو مبارکباد دے رہے تھے، بادشاہ کے بدن پر زعفرانی رنگ کا لباس تھا، شیخ نے اس لباس پر اعتراض کیا، اور دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی، لیکن یہ تاکید اس جوش سے کی کہ ان کے عصا کا سرا بادشاہ کے لباس شاہی کو جا لگا، بادشاہ نے اس کو برداشت کر لیا لیکن اس کو اپنی سخت ہتک محسوس ہوئی، اور جب وہ حرم میں گیا تو اپنی والدہ سے شیخ کی شکایت کی، والدہ نے جو ایک بزرگ خاندان کی بیٹی تھیں بادشاہ کو سمجھایا کہ اس وقت اس کا یہ تحمل تاریخ میں اس کے مناقب میں لکھا جائے گا کہ ایک عالم نے جو رعیت میں سے تھا، جہاں پناہ کو عصا مارا اور وہ محض شریعت کے احترام میں خاموش رہا!

اس کے علاوہ مصیبت یہ پیش آئی کہ مخدوم الملک اور شیخ عبد الباقی دونوں ایک دوسرے کے حریف و رقیب ہو گئے، مخدوم الملک شیخ عبد الباقی کو الزام دیتے تھے، اور شیخ عبد الباقی مخدوم الملک کی تجہیل و تکفیر کرتے تھے، اور ان کے حامی ایک دوسرے کے صف آرہا جانے

تھے، مخدوم الملک اور صدر شیخ عبد الباقی کے حالات سے (اگر وہ بالکل اسی طرح ہیں جو تاریخ میں آئے ہیں) اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علم و حکمت دینی اور تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کسی لحاظ سے اس نازک زمانہ (عہد اکبری) اور اس اہم اور پیچیدہ ماحول (دربار اکبری) میں دین کی صحیح نمائندگی اور نیابتِ رُسل کے کام کے لئے موزوں نہ تھے، اس کے لئے اگر سلیمان بن عبد الملک خلیفہ اموی کے مشیر و وزیر جہاں بن حیوۃ اور خلیفہ ہارون رشید کے دینی مشیر و قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف کے درجہ کا عالم متقی اور فرزانه و مدبر نہ ہوتا تو کم سے کم عبد العزیز آصف خاں اور قاضی شیخ الاسلام جیسے صاحب کمال، عالی دماغ اور زاہد متقی مشیر سلطنت ہوتے، اکبر کے دربار میں جیسا کہ آگے آئے گا، ایران و ہندوستان کے جو ذہین و تبحر علماء معقولی اور ادیب جمع ہو گئے تھے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان دونوں سے کہیں بہتر صلاحیتوں، دین و شریعت کے نمائندوں اور سلطنت کے مذہبی محافظوں اور مشیروں کی ضرورت تھی۔

اکبر نے جو (ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق) ان علماء کو جو اس کے عہد کی زینت تھے، غزالی و رازی سے بہتر سمجھتا تھا، جب ان کی یہ سخیف حرکتیں دیکھیں تو علماء سلف کو بھی انہیں پر قیاس کر کے سرے سے علماء ہی کا منکر ہو گیا۔

ارکان سلطنت و مشیران دربار

ارکان سلطنت کے بارے میں اکبر کی بدقسمتی علماء دربار سے کم نہ تھی، علم و ثقافت سے سادہ لوح ہونے کی بنا پر اس پر ہر زبان آواز دہین و طباع کا جادو چل جاتا تھا، خاص طور پر جب وہ ولایت (ایران) سے آیا ہو، جس کو ہندوستان افغانستان کے رہنے والے یونان کا

لہ ان دونوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو یاد ایام (تاریخ حجرات) از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی مرحوم

درجہ دیتے تھے، اسی زمانہ میں جب ابر کے قدم دین کے میدان میں لڑکھڑا رہے تھے، ایران سے تین بھائی حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں (حکیم ہمام) اور نورالدین قراری آئے اور دربار میں اونچی جگہ پائی، کچھ عرصہ کے بعد ملازمدی ولایت سے آئے اور صحابہ کرام کے حق میں بیباکانہ زبان طعن کھولی، حکیم ابوالفتح نے قدم آگے بڑھایا اور حقائق دینی (وحی، نبوت، معجزات) وغیرہ کا برملا انکار کیا، اسی عرصہ میں شریف آملی کی ایران سے آمد ہوئی، جو (جیسا کہ اوپر کہا گیا) محمود سپخوانی کے نقش قدم پر تھا، اور مجدانہ عقائد رکھتا تھا۔

ان ایرانی فضلاء و اہل کمال کے علاوہ اعتقادی تزلزل اور ذہنی انتشار کے اسی دور میں کاپی کارہنے والا ایک حاضر جواب علم مجلسی میں کمال رکھنے والا اور بذلہ سنج اور لطیف گو ہندو برہمن نامی دربار میں داخل ہوا اور بہت جلد بادشاہ کے مزاج میں ذخیل اور دربار میں کرسی نشین ہو گیا، اور صاحب خاص کا اعزاز پا کر راجہ بیرب کے نام سے مشرت و مفتخر ہوا، اس نے ہوا کا رخ دیکھ کر مذہبی معاملات میں اور نازک اسلامی عقائد و مسائل میں بیباکانہ اور استہزائی رویہ اختیار کیا، اور چونکہ یہی "سگڑ راج" الوقت تھا، اس لئے ہر طرف سے داد پائی، بادشاہ کے مزاج کو دین کے معاملہ میں غیر سنجیدہ بنانے میں اس کو بھی بڑا دخل ہے۔

ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل

اس پر طرفہ یہ ہوا کہ دربار میں ملا مبارک ناگوری کی آمد و رفت شروع ہوئی، اور اس کے

۱۱ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۱۱ ۱۲ راجہ بیرب کے اخلاق و کیر کیر کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو دربار اکبری

از محمد حسین آزاد ص ۳۳ تا ۳۸ ۱۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۶۱

۱۴ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ملا مبارک کے ادل مرتبہ دربار میں پہنچنے کو بارہویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے۔

دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کے مزاج میں ایسا درخورد اور دربار میں ایسا اعزاز حاصل ہوا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا، ملا مبارک اور ابوالفضل فیضی تینوں کے حالات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے نہایت ذکی، اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے، علوم عقلیہ و ادبیہ پر جاوی فارسی کے شاعر و انشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم، طرز تدریس و تحقیق اور رائج و مقبول علوم و فنون کے لحاظ سے لائق فاضل و دانشمند تھے، اگر اس تبحر و تفنن علمی ذہن کی دراکئی طبیعت کی موزونیت اور زبان و قلم کی ہم زبانی کے ساتھ، ان باپ بیٹوں میں دین میں استقامت رسوخ فی الدین، خداترسی و آخرت کوشی اور اخلاص و تہمت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے، اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہوتی، لیکن ان کے حالات اور خود ابوالفضل فیضی کے تصنیفات کے مطالعہ سے حسب ذیل حقائق کا علم ہوتا ہے:-

(۱) ملا مبارک (جو اس مثلث کا نقطہ آغاز تھے) کی طبیعت میں بے چینی اور دماغ میں فطرتاً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد ان کے اندر بجائے جمع و تطبیق اور تاویل و توجیہ کے سبے انکار و بیزاری کا رجحان پیدا ہو گیا، اور وہ اس پورے فقہی ذخیرے اسلاف کی محنت سے بے اعتقاد ہو گئے، ادھر شیراز کے مشہور فاضل معقول ابوالفضل گا ذرونی کے حلقہ میں شریک ہو کر ان پر تفلسف کا غلبہ ہوا، بجائے مشارح وائمہ فن سے سلوک و تزکیہ میں کسب فیض کرنے اور مکائد شیطان اور امراض نفس سے واقف ہونے کے تصوف و اشراق کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور ان سب کو چوں سے گزرنے کے بعد ان کے اندر ایک تلون و انتشار پیدا ہو گیا، اور ان میں ہر رنگ میں

رنگ جانے اور ۶ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خواجہ کلاں جن کی تربیت شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی، ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

در ہر عصر ہم مشرب و مذہب شعار ہر زمانے کا وہ مروید مذہب و مشرب
وقت خودی ساخت کہ لوگ امرائے عصر اپنا لیتے تھے جس سے امراء و ملوک
بدان مذہب رغبت داشتند۔ بھی رغبت رکھتے تھے۔

سر ویلیزلی ہیگ لکھتا ہے کہ "شیخ مبارک مختلف ادوار میں سنی، شیعہ، صوفی اور ہمدومی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا!"

(۲) طبیعت میں جو صلہ مندی اور جاہ طلبی تھی اس لئے علم و درس کے محدود دائرہ میں محبوس رہنا ان کی موج طبیعت کو گوارا نہ ہوا، ان کو سرکار دربار پر اپنے علم و ذہانت کا سکہ بٹھانے کا شوق ہوا، اور وہ اکبر کے سایہ میں (جو سایہ ہما کی طرح سمجھا جانے لگا تھا) آگئے اور خود تو نہیں لیکن اپنے دونوں بیٹوں کو خلیل بنا دیا۔

(۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماء زمانہ (اور خاص طور پر مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی جو دربار پر حاوی تھے) نے ان کو وہ مقام نہیں دیا تھا جس کے وہ اپنی ذہانت اور فضیلت کی بنا پر اہل تھے، اور ان کے بعض عقائد و خیالات اور تلون مزاجی کی بنا پر ان کی دینی حلقوں میں مخالفت کی گئی یا ان سے بے اعتنائی برتی گئی، اس کا زخم ان کے دل پر گہرا لگا، مولوی محمد حسین آزاد لے خواجہ کلاں نے حضرت خواجہ حسام الدین کے گھر میں تربیت پائی تھی، خواجہ حسام الدین کی اہلیہ ملا مبارک کی دوسری

بیٹی تھیں (تاریخ ہندوستان جلد ۵ ص ۹۲۷) ۱۵۰۰ ملخ الرجال ورق ۳۳ الف

۱۵۰۰ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۴ ص ۱۱۰

کے ادیبانہ الفاظ میں "شیخ مبارک نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے کہ دل پھلنی ہو رہا تھا شیخ (ابوالفضل) اور شیخ کے باپ ملا مبارک نے مخدوم اور صدر وغیرہ کے ہاتھوں برسوں تک زخم کھائے تھے، جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے" دوسری جگہ لکھتے ہیں "شیخ مبارک پر جو جو مصیبتیں مخدوم کے ہاتھوں گزری تھیں، بیٹوں کو بھولی نہ تھیں، انھوں نے ان کے تدارک کی فکر کر کے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے اور اکبر کے خیالات بھی بدلنے لگے" مولوی محمد حسین آزاد، آزاد خیال ہونے کے باوجود خود بھی لکھتے ہیں کہ "فیضی اور ابوالفضل کا معاملہ ان کے باپ کی طرح گورگور ہا" علماء کی اس مخالفت اور زمانہ کی اس نا انصافی نے اس پورے گھرانہ کے اندر "احساس کہنتری" پیدا کر دیا، جو مختلف شکلوں میں اور اکثر اوقات "احساس برتری" کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے، اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے علم و ذہانت کے سامنے کسی کا چراغ جل نہیں سکتا، اس کوشش میں اسلام اور پورا دینی نظام زد میں آ گیا، یہاں تک کہ جب سب چراغ ان دونوں بھائیوں کے علم و ذہانت کے چراغ کے سامنے گل یا ماند پڑ چکے تھے، اور اس مملکت میں انھیں کا طوطی بول رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی چمن اسلام ان کی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا تو (ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق) ابوالفضل کی زبان پر یہ شعر

تھے، جو بالکل حسب حال تھے ۵

آتش بد دست خویش در خرمین خویش چو خود زردہ ام چہ نام از دشمن خویش

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من و دست من و دشمن خویش

ملا مبارک کے دو لائق و باکمال فرزند تھے، ابوالفیض فیضی (ولادت ۹۵۲ھ) اور

ابوالفضل علّامی (ولادت ۹۵۵ھ)۔

۱۵۰۰ لے دربار اکبری ص ۵۰۱۹ ۱۵۰۰ ایضاً ص ۲۸۹

فیضی علوم ادبیہ میں کمال رکھتا تھا، اور اس کی فارسی شاعری اور اس کے استاد ہونے میں دورائیں نہیں، مولانا شبلی نے "شعر العجم" میں صحیح لکھا ہے کہ "فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چارونا چارانا پڑا خسرو اور فیضی۔"

"فیضی کو خواجہ حسین مروی سے تلمذ تھا، اور اس نے ہرفن میں کمال پیدا کیا، ۹۷۴ھ میں وہ دربار میں پہنچا اور شاہانہ نوازش سے بہرہ یاب ہوا، فیضی کا تقریباً روز بروز بڑھتا گیا لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہیں کی، طبیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انہیں مشغول میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۱۲ جلوس میں شہزادہ دانیال کی تعلیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اس کو ضروری مراتب سکھا دیئے، اس سن میں اکبر نے اجتہاد و امامت کے دعویٰ سے مسیحا میں جا کر خطبہ پڑھا۔ خطبہ فیضی نے لکھا تھا، اکبر نے شیخ عبدالنبی کا زور توڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیئے تھے، چنانچہ ۹۹۹ھ میں آگرہ، کالج اور کالپی کی صدارت فیضی کو دی گئی، ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں پر اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس ہم میں مامور کیا گیا، ۹۹۶ھ میں جو اکبر کی تخت نشینی کا ۳۳ واں سال تھا، فیضی کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۳۶ جلوس مطابق ۹۹۹ھ میں فیضی کو خاندیس کی سفارت پر متعین کیا گیا، اور اس نے بڑی کامیابی سے یہ خدمت انجام دی، صفر ۱۰۰۴ھ میں انتقال کیا۔"

ادبی تصنیفات سنسکرت کے تراجم اور منظومات اور دیوان کے علاوہ اس کی سب سے مشہور تصنیف "سواطع الالباب" ہے، جو قرآن مجید کی غیر منقووظ تفسیر ہے، دو سال کی مدت

۱۰ لخص از شعر العجم حصہ سوم (۲۸۵-۴۲) ۱۱ فیضی نے تفسیر جس میں اس کی پابندی کی ہے کہ کوئی لفظ والا (باقی ۹۷ پر)

میں ۲۲۰ھ میں مکمل ہوئی، اکبر نے اس کے صلہ میں فیضی کو دس ہزار روپے دیئے، فیضی کو اس تصنیف پر ناز تھا، اور اس سے عربی زبان و لغت پر اس کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، بدایونی اختلاف مذہبی کے باوجود اس کے کمال علمی اور تبحر کی شہادت دیتے ہیں، لکھتے ہیں:-

در فنون جزئیہ از شعر و معروض و فنون جزئیہ یعنی شعر و معروض و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء عدیل در روزگار ندانشت۔ میں کیتا سے روزگار تھا۔

کتابوں کا نہایت شائق تھا، ایک گراں مایہ کتب خانہ جمع کیا تھا، جس میں ۴ ہزار ۶ کتابیں تھیں، اور اکثر خود مصنف کی یا اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں۔

ملا عبد القادر بدایونی اور اس زمانہ کے وہ تمام لوگ جن کے دل میں اسلام کی حیثیت تھی،

(باقی ۹۷ کا) حروف نہ آنے پائے اور جس کی اس کے زمانہ اور اس کے زمانہ کے بعد دھوم مچ گئی، اپنی قابلیت کا ثبوت اور اس الزام کی تردید میں لکھی کہ اس کو علوم دینیہ سے اشتغال نہیں ہے، لیکن اس کام سے اس کی عربی زبان پر قدرت کا کتنا ہی اظہار اس میں کوئی علمی و عملی افادیت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض خطاط چاول پر قلم ہوا، لکھ کر اپنی باریک نویسی اور خطاطی کا ہنر ظاہر کرتے تھے، اس تکلف کی وجہ سے تحریر میں نمک اور کلام میں کوئی لطف اور رونق نہیں ہے۔

شائد اس سے زیادہ مفید اور قابل قدر علمی کارنامہ وہ قرار پائے گا جو اسی زمانہ کے ایک شامی عالم محمد بن عبداللہ عرف بن الغزالی دمشقی (م ۹۸۴ھ) نے انجام دیا، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھا، اسی ہزار اشعار میں کی، اس کا ایک منظوم خلاصہ بھی تیار کیا، اور اس کو سلیمان اعظم کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے علماء کو دکھایا کہ اس میں کوئی چیز سمجھو، عقیدہ کے خلاف یا تحریف کی تو نہیں ہے، علماء نے اس کی تصدیق و تعریف کی، سلطان نے اس پر صفت کو ڈالنا دیا، لکھا کہ اس کو "مؤید اللہ" نیز (البدیع الطالع بمجاسن من بعد القرن السابق للعلامة محمد بن علی الشوكاني البیہمی حقا نیل لاوطار) (م ۱۲۵ھ) جزئیاتی

ترجمہ محمد بن محمد الغزالی (۲۵۲) ۱۲ آثار الامراء جلد ۲ ص ۵۸۷

اور عہد اکبری کی اس صورت حال سے سخت معنوم و بیزار تھے، اس بات پر متفق ہیں کہ فیضی بھی اپنے والد کی طرح عقائد میں تزلزل اور ذہنی انتشار میں مبتلا تھا، اور اس کو اکبر کو لاندہب و لحد بنانے میں خاص دخل ہے، مولانا عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں فیضی کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں سے بالذکر اور انشاء پر دازی کے حصہ کو نکالنے کے بعد بھی اس کی آزاد خیالی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا، مولانا شبلی نے شعر العجم میں اس کی طرف سے پورا دفاع کیا ہے، پھر بھی لکھتے ہیں کہ ”بایں ہمہ وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویوں نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہے، وہ اسلام کی اصل تصویر نہیں، شیعہ سنیوں کے جھگڑوں کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا، ان خانہ جنگیوں کی ہنسی اڑاتا تھا“ پھر مولانا نے اس کی عرضداشت کے چند اقتباسات پیش کئے ہیں، جن میں تسخر اور استہزاء کا انداز ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ ”فیضی اور ابوالفضل نے علمی مجلسیں قائم کرائیں جن میں درباریوں کو علانیہ نظر آیا کہ ان متعصبوں کے پاس لعن و تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہیں“

معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کی زندگی ہی میں اس کے لحدانہ خیالات کی شہرت ہو گئی تھی، لوگوں نے اس کی وفات کی جو تاریخیں نکالی ہیں، اس سے اسی کا اظہار ہوتا ہے، اس کے انتقال کی روایت بھی بڑی عبرت انگیز ہے۔

ابوالفضل بھی اپنی ذہانت، طباعی اور تفنن علمی میں نوادر روزگار میں سے تھا، اور جس طرح اس کے بڑے بھائی فیضی کو شاعری میں دستگاہ کامل حاصل تھی، وہ تحریر و انشا پر دازی میں یدِ طولی رکھتا تھا، اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۳-۸۴ میں وہ لکھتا ہے کہ کمسنی ہی میں اپنی خود بینی اور لہ شعر العجم حصہ معنوم ص ۲۹-۵۰ ۵۱ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۶-۲۰۵ فیضی کے مذہب پر تبصرہ مولوی محمد حسین آزاد کے قلم سے دربار اکبری ص ۲۷ پر ملاحظہ ہو۔

خوشتن آرائی ظاہر بینی اور تقلید کے خلاف اس کو جنون پیدا ہو گیا تھا۔

۹۸۱ھ میں وہ اگرہ میں دربار میں باریاب ہوا، اور اس نے آیتہ الکرسی کی تفسیر بادشاہ کو پیش کی، پھر ۹۸۲ھ میں سورۃ الفتح کی تفسیر کا ہدیہ گزارا، اس وقت اس کا تقرب برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وزارت جلیلہ و وکالت مطلقہ کے منصب پر سرفراز ہوا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ آئین اکبری ہے، آئین اکبری کو تیموری دور کے ملکی، حربی، صنعتی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، خانگی، علمی اور مذہبی حالات و واقعات کا آئینہ سمجھا جاتا ہے، اس کی دوسری مایہ ناز تصنیف ”اکبر نامہ“ ہے، جو ہندوستان کے تیموری سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ انشاء ابوالفضل کے نام سے اس کے خطوط کا مجموعہ اور دوسری تصنیفات ہیں، ۱۰۱۰ھ میں جہانگیر کے اشارہ سے بیرنگھ دیوبند ٹیلانے اس کو قتل کر دیا، اکبر کو اس کا بڑا رنج ہوا اور اس نے آنسو بہائے۔

ڈاکٹر محمد باقر اپنے مضمون ”ابوالفضل“ مضمونہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھتے ہیں:-

”ابوالفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصا دخل پیدا کیا، چنانچہ جب اکبر نے ۹۸۲ھ میں فتح پور سیکری میں مذہبی علماء کے مباحثے منے کے لئے عبادت خانہ قائم کیا، تو ابوالفضل علماء کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرفداری کرتا، یہاں تک کہ اس نے اکبر کو یہ سمجھا یا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علماء سے کہیں افضل اور برتر ہیں اور ۱۵۹۹ء میں دربار شاہی سے ایک محضر جاری کیا، اس کی رو سے مذہبی علماء کے اختلافات

لہ بزم تیموریہ ص ۱۶۳ ۱۶۴ اکبر نامہ کے متعلق مشہور فرانسسیسی فاضل کاراڈی واکس لکھتا ہے کہ وہ ایک ایسی علمی دستاویز ہے، جس پر مشرقی تمدن کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے، جن انسانوں کی ذہانتوں نے اس ضخیم کتاب کے ذریعہ اپنا تعارف کرایا ہے، وہ حکومت اور انتظام کے فن میں اپنے زمانہ سے بہت آگے معلوم ہوتے ہیں۔“

پڑانے کے لئے آخری حکم اکبر کو بنا دیا گیا، عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی میں اکبر کو ایک
نیاز مند بنا دیا گیا اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الہی کی بنیاد رکھی اسے
ابوالفضل نے بھی قبول کیا!

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ابوالفضل کے ذہن و دماغ کی
گہرائیوں میں جھانکنے میں مدد ملتی ہے، اور اسلام کے بارہ میں اس کے نفسیاتی قلبی کیفیت کا
اندازہ ہوتا ہے۔

عبادت خانہ میں قرآن اور انجیل کے محاسن پر بحث نے ایک موقع پر کافی گرمی پیدا کر دی تھی،
کیونکہ دونوں کتابوں کے ماننے والے اس پر مصر تھے کہ انھیں کا صحیفہ آسمانی ہے، اکبر نے شیخ
قطب الدین نامی ایک مجذوب کو بلوایا، انھوں نے عیسائی پادریوں کو چیلنج کیا کہ آگ جلائی جائے،
اور اس میں سے نکل کر اپنے صحیفہ کی حقانیت ثابت کی جائے، بدایونی کے مطابق آگ جلائی گئی، اور
شیخ قطب الدین نے عیسائی پادری کا کوٹ پکڑ کر گھسیٹا اور کہا ”آؤ، خدا کے نام پر اس میں داخل
ہو“ لیکن کسی پادری کی ہمت نہ ہوئی کہ اٹھ کر اس میں جلتا۔
ابوالفضل نے اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:-

”پادری رادلف (RUDOLF) نے جو علم و دانش میں یکتائے روزگار تھا، دانشمندانہ
دلائل دیئے لیکن یہ جھوٹ بولنے والے متعصب بے ڈھنگے پن سے اس کا جواب دینے لگے، لیکن
ان کے دلائل میں کوئی جان نہیں تھی، اس لئے رادلف کے مخالفین شرمندہ اور خجل ہو کر مباحثہ
کا جواب دینے کے بجائے انجیل کو برا بھلا کہنے لگے، اس وقت رادلف نے انھیں آگ میں
چل کر اپنی حقانیت کا ثبوت پیش کرنے کا چیلنج دیا، لیکن یہ بزدل اور سیاہ قلب ڈر گئے،

لے اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸۸۹-۸۹۰ ۲۹۹ منتخب التواریخ، جلد دوم ص ۲۹۹

اور چیلنج کے جواب میں اپنے تعصب اور کج بحثی کا مظاہرہ کرنے لگے، ان کی اس بزدلی سے
اکبر کے انصاف پسند دل کو صدمہ پہنچا!

دربار اکبری میں حاضر ہونے والے اٹلی کے پادری روڈلف اکیویا (RUDOLF AQUAVIVA)
کے ساتھ ایک اسپینی انٹونی مانسریرٹ (ANTONY MONSERRATE) اور ایک ایرانی فرانسس
ہنریکیس (FRANCIS HENRIQUEZ) جس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، بھی موجود
تھے، مانسریرٹ نے دربار اکبری سے متعلق اپنے تاثرات لستن زبان میں ایک کتاب
(MONGOLICAE LEGATIONIS COMMENTARIUS) کی شکل میں مرتب کئے تھے،
ابھی وہ روڈلف کی بزدلی کی مدافعت کرتا ہے، لیکن اس کا اقرار کرتا ہے کہ مسلمان عالم کی جانب سے
ہی یہ چیلنج کیا گیا تھا، اور روڈلف نے یہ کہہ کر سچھا چھڑا لیا تھا کہ اس کا مطلب تو خدا کا
امتحان لینا ہے، جو عیسائی مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے۔

اس قصہ کو جس طرح ابوالفضل نے توڑ مڑ کر بیان کیا ہے، اور جس طرح وہ روڈلف کی
حمایت کرتا ہے، اور جو زبان اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتا ہے، اس کی اسلام سے نفرت
ظاہر کرنے کے لئے بہت کافی ہے، اس کے جیسے ذہن اور طباع شخص کے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ
بادشاہ کے دل میں شک و شبہ اور بے دینی کی چنگاری اس طرح روشن کر دے جو بھڑک کر اسے
اسلام سے ہی منحرف کر دے۔

”تاثر الامراء“ میں ہے کہ جنت مکانی یعنی جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ ”شیخ ابوالفضل نے

لے اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۵۵ ۲۵۵ FATHER ANTONY MONSERRATE.

MONGOLICAE LEGATIONIS COMMENTARIUS, TRANSL. J. S. HOLLAND AND

S. N. BANERJI, OXFORD UNIVERSITY PRESS. 1922, pp. 39-42.

اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، قاضی عبدالرحیم نے شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی عدالت میں مرافعہ کیا، شیخ عبدالنبی نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کیا، تحقیق سے واقعہ کی تصدیق ہوئی، اور صدر الصدور نے سزائے موت کا حکم جاری کیا، لیکن وہ برہمن رانی جو دھبائی کا پروہت تھا، رانی اکبر پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو سزائے بچائے، بادشاہ عدالتی کارروائی میں مداخلت اور صدر الصدور کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، صدر الصدور نے سزا کا نفاذ کیا لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا، اور بقول بدایونی :-

”دختران راجہائے عظیم ہند نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے ملاؤں کو ایسا سڑھلایا کہ وہ منشاء سلطانی کی بھی پروا نہیں کتے، دربار میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا تو نہیں ہے اس لئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے“

محضر اجتہاد و امامت

اس واقعہ نے شیخ مبارک کو یہ موقع بھی فراہم کر دیا کہ وہ اکبر کو علمائے اسلام کی پیروی سے بچھا چھڑانے کا طریقہ بتلا سکے، جب اکبر نے اس معاملہ میں اس کی سائے طلب کی تو اس نے جوابے باجھاپنا امام اور مجتہد وقت ہیں انھیں اپنے فرمان کے اجراء میں خواہ وہ ذہبی ہوں یا دنیاوی کسی عالم دین کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔“

یہی موقع تھا جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا جو اکبر اور اس کی مملکت کے رخ کے پھرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا، اور جو ذہنی و تہذیبی ارتداد کے پورے قصر کا صدر دروازہ کہا جاسکتا ہے، اس محضر میں صاف صاف کہا گیا ہے :-

۱۔ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۷۵ اس محضر کا پورا متن منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۷۲-۲۷۳ طبقات اکبری ص ۳۲۳-۳۲۴ میں ملاحظہ ہو ”نہضت الخو اطرح“ ۵ میل کا پورا عربی ترجمہ ہے۔

خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے، اور حضرت سلطان کہتے الانام امیر المؤمنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سے زیادہ عدل والے عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے ذہنی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں نبی آدم کی آسانوں کے مد نظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معین کر دیں، اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا فیصلہ قطعی اور اجتماعی قرار پائے گا، اور رعایا اور بریائے لئے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی۔“

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۷ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا، بادشاہ کے ایام پر تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے اور اس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد واجب الطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا اور یہی اس سفر کا نقطہ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے عناد و اختلاف پر جا کر مکمل ہوا۔

محضر پر ایک نظر

سلاطین وقت اور اصحاب اقتدار کی غیر مشروط تائید و حمایت ان کی لغزشوں اور بے عنوانیوں کی توجیہ و تاویل اور ان کے احکام جائزہ (اور بعض اوقات اسلام کو صریح طور پر نقصان پہنچانے اور اس کو بدنام کرنے والے) غلط اقدامات اور منصوبوں کے لئے علمی دلائل اور فقہی و کلامی سندیں فراہم کرنے کی نظیروں سے مسلم سلطنتوں کی طویل تاریخ خالی نہیں علماء وقت سے بارہا لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور انھوں نے (کسی اختیاری مصلحت یا کسی اضطراری ضرورت کی بناء پر) اپنے منصب و مقام کے خلاف کام کیا ہے، لیکن ایسے شاہان وقت کی پشت پناہی بلکہ دین و شریعت کے خلاف منصوبہ بندی کے سلسلے میں اس محضر کی

جس کو شیخ مبارک نے اکبر کے لئے تیار کیا تھا، مشکل سے نظیر ملے گی، اس میں ایک ایسے جوان سالہ بادشاہ کو مجتہد سے اونچا درجہ دیا گیا ہے اور اس کو مجتہدین کے اختلافی مسائل میں ترجیح اور انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے اور اس کو اعدل و اعقل و اعلم بالشرمانا گیا ہے جو ناخواندہ محض ہے جس کی طبیعت میں پہلے سے بے قیدی اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی ہے جس کا علمائے اسلام اور شارحین دین و شریعت پر سے اعتقاد و اعتماد اٹھ چکا ہے اور اپنے گھر اور دربار کے ہندوانہ ماحول سے بتدرت متاثر اور تیزی کے ساتھ ہندوانہ خیالات و رسوم و عادات کے اختیار کرنے کی طرف مائل ہے جو مطلق العنان سلطنت اور کامل اختیارات کا مالک ہے اس کا فائدہ صرف اہل ہوی و ہوس کو یا ان درباری علماء کو پہنچتا تھا جو بادشاہ کے نام سے اور اس کے احکام و فرامین کے پردہ میں آزادی و بے قیدی کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، شریعت اسلامی کو بازیچہ اطفال بنانا چاہتے تھے، یا اپنے پرانے دشمنوں یا حریفوں سے انتقام لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، شیخ مبارک جیسے ذہین و فطین انسان سے اس اقدام کے عواقب و نتائج مخفی نہیں رہ سکتے تھے، اس لئے اس کی توجیہ بڑی مشکل ہے کہ اس محضر کے پیچھے کیا منصوبہ کام کر رہا تھا؟ ایک بالغ نظر مؤرخ جس کی اس طرح کے اقدامات کے نتائج و عواقب پر نظر ہے آج ملا مبارک کی روح کو مخاطب کر کے کہہ سکتا ہے۔

فان كنت لا قدری، فمصيبۃ مصیبة
وان كنت تدری، فالمصیبة اعظم

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال

اس محضر کے صدور اور ملا مبارک کی علمی پشت پناہی اور اس کے باکمال فرزندوں فضی اؤ

لہ اس محضر کے صدور کے وقت اکبر کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ ۱۵۷۰ء کو اس طرز عمل کا قدرتی نتیجہ معلوم نہیں تھا،

تو یہ ایک فسوناک بات ہے اور اگر معلوم تھا، اور تم نے دانستہ یہ کام کیا تو معاملہ اور زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز ہے۔

ابوالفضل کے دربار میں آنے جانے کے بعد مخدوم الملک ملا عبدالشہ سلطانی پوری اور صدر الصدور مولانا عبدالنبی گنگوہی کا زوال شروع ہو گیا، مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو جو دربار کا یہ رنگ، بلکہ کرخانہ نشین ہو گئے تھے، ایک دن زبردستی لایا گیا اور جوتوں کی صفت میں بٹھایا گیا، مخدوم الملک کے عجاز جانے کا حکم ہوا، ۹۸۷ھ میں وہ حجاز گئے، وہاں کے اکابر علماء نے ان کا بڑا استقبال کیا، اؤ استاذ العلماء شیخ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کی بڑی تعظیم سے پیش آئے، مکہ معظمہ میں تقریباً تین سال قیام کر کے وہ ہندوستان واپس ہوئے، لیکن گجرات پہنچے تھے کہ ان کو زہر دے دیا گیا، اور وہیں ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں انہوں نے انتقال کیا، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ زہر خورانی کا یہ عمل اشارہ سلطانی سے ہوا، خوانی نے آثار الامراء میں اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ عبدالنبی نے بھی حجاز کا قصد کیا، کچھ مدت وہاں قیام بھی کیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنا جہ و جلال اور ہمدردی کی یاد بھولی نہ تھی، وہ ہندوستان آئے اور بادشاہ سے عفو و درگزر کی درخواست کی، ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کو حکم دیا کہ ان سے حساب نہی کرے، راجہ نے ان کو مجبوس کر لیا، اور ان سے سخت دار و گیر کی، اسی دار و گیر میں ان کا انتقال ہو گیا، لیکن آثار الامراء میں ہے کہ بادشاہ نے ان کا معاملہ ابوالفضل کے سپرد کیا، اسی نے ان کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔

الف ثانی کی تیاری اور دین الہی کا اجراء

بادشاہ کو مجتہد مطلق اور مطاع برحق بنا دینے کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ ظہور اسلام پر

ایک ہزار سال گزر رہے ہیں اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو رہا ہے، اس نئے ہزار سال سے

۱۵۷۰ء نزہۃ النواظر جلد ۲ ۱۵۷۰ء ایضاً

دنیا کی ایک نئی عمر شروع ہوگی، اس کے لئے ایک نیا دین، ایک نیا آئین، اور ایک نیا شارع اور نیا حاکم چاہئے، اور اس کے لئے اکبر جیسے صاحب تاج و تکیں اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں، ملا عبد القادر لکھتے ہیں:-

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ
بادشاہ کے ذہن میں چونکہ یہ بات
ہزار سال از زمانہ بعثت پیغمبر اسلام
راسخ ہو گئی تھی کہ پیغمبر اسلام کی بعثت
علیہ السلام کہ مدت بقاؤں دین بود
کی مدت کے ہزار سال پورے ہو چکے
تمام شد و هیچ مانع برائے انہار و داعی
جو اس دین کی عمر طبعی ہے اور اب کوئی
خقیقہ کہ در دل داشتند نہ ماند
مانع ان پوشیدہ دلی تقاضوں کے
انہار میں نہیں رہا۔

اس فیصلہ کے بعد وہ تمام تبدیلیاں شروع کر دی گئیں جن سے یہ خیال مملکت میں عام اور پختہ ہو جائے، چنانچہ سکھ پر (جو ہر ایک کے ہاتھ میں جاتا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی اشتہار نہیں) الف کی تاریخ ثبت کر دی گئی، تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے اور اس کو دو دوروں میں تقسیم کرنے کے لئے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا، اس میں سنین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا، لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ:-

”اس صاحب زمان کا وقت آ گیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا اور وہ بادشاہ کی ذات قدسی صفات ہے۔“

اسی سے دین الہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا، جس میں توحید کے بجائے (عبادت آفتاب کی

شکل میں) شرک صریح کو اکبر پرستی، ایمان بالبعثت کے بجائے عقیدہ تناسخ تھا، اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا، اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا، جس میں کہا جاتا تھا کہ:-

”میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باب داداؤں سے سنا اور دیکھا تھا علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں، اور اکبر شاہی دین الہی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں، یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔“

اس دین میں سود، جوئے، اور شراب اور کم خنزیر کی حلت تھی، اور ذبیحہ گاؤ کی نعمت قانون نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کر دی گئی تھی، اور اس کے لئے قانون بنا دیا گیا تھا، تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی، جس میں فطرت انسانی کے قانون قدیم کے مطابق اس دین اور طریقہ زندگی کا پلڑا اچھکا ہوا تھا، جس کی طرف طبع میلان اور تسکین نفس کا سامان تھا، اور خارجی و ملی و سیاسی مصالح اس کی ترویج کے حق میں تھے۔

۱۱۳ منتخب التواریخ ص ۲۴۹ ۱۱۳ اس رواداری اور صلح کل تحریک یا نئے دین و آئین میں اسلام اور ہندو مذہب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ قائم نہیں رہ سکا، قدرتنا اس مذہب اور فرقہ کا پلڑا اچھکا گیا جس کا دربار میں رسوخ اولہ طبعیت میں رجحان تھا، مختصر تاریخ ہند کے مصنفین، ڈبلیو، ایچ، مورلینڈ اور لے، سی، چٹرجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے گاؤ کشتی بھی بند کر دی تھی، اور اس کے اس حکم کی (باقی صفحہ پر)

اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطہ عروج

اکبر کا یہ دینی و مزاجی انحراف و اختلال کس نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اس کے لئے ہم سب سے پہلے اکبر کے عقل کل اور نفس ناطقہ ابوالفضل علامی کے اقتباسات پیش کریں گے، یہ اس ہمہ گیر تبدیلی اور انحراف کی متفرق کڑیاں ہیں، جو ابوالفضل کے بیانات میں پائی جاتی ہیں، ان کو جمع کر کے اس زنجیر آتشیں کا کچھ تصور کیا جاسکتا ہے، جو اس وقت اسلام کے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازین محل

آتش پرستی

گیہان فرور روشن دل نور دوستی را
ایزد پرستی شمارد، و تسائش الہی اندیشہ
روشنی کو بید عزیز رکھتے ہیں اور اس کی
تعظیم و تکریم کو خدا پرستی اور تسائش الہی
نادر تیرہ خاطر داور فراموشی و آذر پرستی
خیال کنند۔
جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے
خیال فرماتے ہیں، نادان کو باطن
اس کو خدا فراموشی و آتش پرستی کہتے ہیں۔

(بانی مکتبہ کا) خلافت ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں، اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے، اس کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی۔

A SHORT HISTORY OF INDIA. کاررد ترجمہ از مولانا محمد یوسف کوکن ص ۲۵۱

لہ آئین اکبری جلد ۲۵ (طبع لکھنؤ ۱۸۸۲ء)

وچوں روشنی بخش جہاں نور خویش
برگیر خدمت گزاران سعادت
گر لے درد و از دہ لگن ہائے زریں
وسیمیں کا فوری شمعہا فروختہ در پیشگا
حضور آورند و یکے از سر ایندگان
شینوہ زبان شمع درد دست ایزدی سپا
بر گزارد و بگوناگون نمط سراید و سپیں
دعائے دولت روز افزوں بر خواند۔
آفتاب کے غروب ہونے کے بعد خدمت
گزار بارہ کا فوری شمعیں روشن کرتے
ہیں، اور ہر چراغ چاندی او
سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور
میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک شیش
زبان، خوش گلو خام شمع کو ہاتھ میں لئے
مختلف دلکش سروں میں خدا کی حمد کے
اشعار گاتا ہے اور آخر میں خود جہاں پنا
کے از یاد عمر و دولت کی دعا کرتا ہے۔

آفتاب پرستی

دو آشیانہ منزل ایزد پرستش دریں
نزدہت کدہ شود، دنیایش خورشید والا
ازین جالیش آغاز باشند۔
می فرمودند خورشید والا را بفرما و ایان
عنایت ست خاص و ازین دنیایشگر
بدونمانند و الہی پرستش بر شمرند و
کوتاہ بین در بدگمانی در افتد۔
دو آشیانہ منزل نام کی عمارت میں
ایزد پرستی ہوتی تھی اور یہیں سے آفتاب
کی تعظیم کی ابتدا ہوتی تھی۔
فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے
حال پر ایک خاص عنایت ہے اسی
وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت
خیال کی جاتی ہے، لیکن کوتاہ بین شخص

۲۵ ج ۱ ص ۳۲

۲۹ ج ۱ ص ۲۹

می فرمودند عامہ بخیاں نفع چکو نہ نواتہ
داران (مالداران) سید دروں را
بزرگ دارند و از نابینائی در احترام
این چشمہ نور کو تہی رود و بر نیایشگر زبان
پیغارہ (طعن) برکشایند اگر خرد را
آفتہ ز سیدہ سورہ و الشمس چرا
از یاد رفت۔

بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے عوام کس لئے
یہ دل دو لقمندوں کی اپنے نفع کی
عرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی نابینائی
کی وجہ سے اس چشمہ نور کے احترام میں
کو تاہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر
طعن زنی کرتے ہیں، اگر خود ان کی عقل
پر آفت نہ آگئی ہے تو سورہ و الشمس
کیوں فراموش کر دی گئی ہے۔

گنگا جل

در سفر و حضر آب گنگ بر آشد و چند
از راتان سعادت گرائے بر ساحل
آن باشند با حقیاط بر گیرند و کوزہ ہا
سر بہر آید۔

بادشاہ سفر و حضر ہر وقت گنگا کا پانی
نوش فرماتے ہیں، معتمد ملازمین کا ایک
گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو
سر بہر کوزوں میں پانی بھر کر لاتا ہے۔

جب جہاں پناہ آگرہ اور فتحپور میں قیام
فرماتے ہیں تو قصبہ سوروں سے پانی
لایا جاتا تھا، اس زمانہ میں جب کہ
شاہنشاہی آرامگاہ، ازہر دوازی آزند

و در خوردش بختن آب جمن و چناب و
آب باران بخرج رود و بختے از و گنگا
نیز بر آمیزند۔

کے عمدہ پانی سے آبدار خانہ سیراب ہے
باورچی خانہ میں جمن اور چناب کا پانی
یا آب باران صرف ہوتا ہے، لیکن ان میں
تھوڑا پانی گنگا کا ملا یا جاتا ہے۔

تصویر کشتی

برقدسی زبان رفت آنکہ بر نخے نکو ہش
این پیشہ نمایند دل بر نتابد و بخاطر
چناں رسد کہ در خدا شناسی افزوں تر
از بسیارے بود چہ ہر گاہ جانور نگار دو
عضو عضو بر کشد و از نیکہ روحانی پیوند
نیارد، داد بہ نیرنگی جہاں آفریں گراید
و شناسائی اندوزد۔

ایک روز قبلاً عالم نے خلوت کدے
میں جہاں صرف مریدان سعادت مند کا
مجمع تھا، فرمایا کہ ایک گروہ فن تصویر کشتی
کا دشمن ہے، اور اس پیشے کے معائب
بیان کرتا ہے، لیکن اس کے اقوال و
دلائل کو دل قبول نہیں کرتا، بلکہ قرین قیاس
و عقل یہ ہے کہ مصور اکثر طبقات انسانی
سے زیادہ خدا شناس ہو سکتا ہے اس لئے
کہ شخص جانور کی تصویر اتارنے میں اس کے
ہر عضو کی شبیہ کھینچتا ہے، اور تصویر کو
تمام کر کے جب دیکھتا ہے کہ باوجود
اس ظاہری سحر نگاری کے وہ اس میں

روح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کو
خالق مطلق کی قدرت کا ملکہ کا اندازہ
ہوتا ہے اور صانع باکمال کے آگے
سرسبز ہوجاتا ہے۔

اوقات عبادت

صبح جو مبارک دن کا آغاز اور نورپاشی
کی ابتدا ہے، دوپہر جبکہ آفتاب عالمتاب
کی روشنی تمام عالم کو محیط ہوتی ہے اور
لوگوں میں گوناگوں نشاط پیدا ہوجاتا
ہے اور شام جبکہ سرستپہ روشنی (آفتاب)
لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

سحرگاہ کہ دیباچہ بہ روزی و عنفوان
نورپاشی است و نیمہ روز کہ فروغ آفتاب
عالمتاب جہاں را درگیر دو سرمایہ نشاط
گوناگوں فروغ آید و شامگاہ مابہ وہ
روشنیہا از چشم خاکیاں پنہاں شود۔

سجدہ تعظیمی

بندگان ارادت گراے سجود نیایش
افزایند و آنرا سجدہ ایزدی بشمارند۔
بیعت و ارشاد
جو بایے آگہی دستار برکت سرفقدی
جو بایے آگہی ہاتھ میں دستار لے کر

پاے برنہد و بزبان حال چناں سراید
کہ بیاوری بخت بیدار و رہنوی
نثارہ خود آرائی و خوشنقش گزینی کہ بنگاہ
گوناگوں گزند بود از سر افگندہ روئے
دل بہ نیایش گرمی آوردم۔
سر کو پاے اقدس پر رکھتا اور زبان حال
سے اس طرح کہتا ہے کہ بخت بیدار
کی یاوری اور ستارہ خود آرائی و خوشنقش
گزینی کی رہنمائی میں (جو گوناگوں
نقصانات کا سبب تھا) میں دل کی
توجہ بادشاہ کی اطاعت کی طرف
مبذول کرتا ہوں۔

آداب ملاقات

ہنگام دیدار ہم کیے اللہ اکبر آید و
دیگرے جل جلالہ سراید۔
ملاقات کے وقت ایک آدمی اللہ اکبر
کہتا اور دوسرا جل جلالہ کہتا ہے۔

تاریخ ہجری سے متفرق

ازدیر باز سریر آراءے اقبال براں
بود کہ در آباد بوم ہندوستان تازہ سال
و مہ برصے کار آید و دشواری باسانی
گر آید و نیز از تاریخ ہجری کماز ناکامی
آگہی بخت سرگرائی داشتند لیکن
عرصہ دراز سے قبلہ عالم کا ارادہ تھا کہ ملک
ہندوستان میں جدید سال و ماہ جاری
فرما کر قیاس رفع کریں و سہولتیں ہم پہنچی
جہاں پناہ سنہ ہجری کو بوجہ اس کے کہ
وہ ناکامی کی خبر دیتا ہے پس نہیں فرماتے

از انبوه کوتاہ بینان کارنشاس کہ
روائی تالیخ راناگزیر دیں پندارند
شاہنشاہ مدارا پڑوہ پیوند لہا
گرامی شمرده اندیشہ بیرون نمی
فرستادہ

لیکن نا عاقبت اندیش و کم فہم افراد
کی کثرت کی وجہ سے جو تالیخ و سنہ
کے اجراء کو بھی ایک دینی مسئلہ
سمجھتے ہیں، حضرت کی خاطر پرور
طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ اس گروہ
کی دل شکنی فرمائیں اور یہی وجہ تھی کہ
قبلہ عالم ابتداء میں اپنے خیال کو
عملی جامہ نہ پہناسکے۔

غیر اسلامی تہوار اور عیدین

و در لوازم جشن نوروزی و عید با
اہتمام نمایند، عید بزرگ نوروز است
کہ ابتداءے آن در وقت تجویل تیر
نور بخش عالم در برج حمل است
و آغاز ماہ فروردین است عید دیگر
نوزدہم ماہ مذکور کہ روز مشرف است
و عید دیگر سوم ماہ اردی بہشت،
و عید دیگر ششم ماہ خرداد و عید دیگر
جشن نوروز اور عید کے لوازم میں
اہتمام کرتے ہیں، سب سے بڑی
عید نوروز ہے، کیونکہ اس کی ابتداء
اُس وقت ہوتی ہے، جب تیر
نور بخش عالم (آفتاب) برج حمل
میں داخل ہوتا ہے، اور ماہ فروردین
کا آغاز ہوتا ہے ایک عید اسی ہیبے کی
۱۹ تالیخ کو ہوتی ہے جو مشرف کا دن ہے

سیزدہم ماہ تیر است، عید دیگر ہفتم
ماہ مرداد است، عید دیگر چہار دہم
ماہ شہر لور است، عید دیگر شانزدہم
ماہ مہر است، عید دیگر دہم ماہ آبان است
عید دیگر نہم ماہ آذر است، و دردی
ماہ سہ عید است، ہشتم و پانزدہم و
بست و سوم، عید دیگر دوم ماہ بہمن
است، عید دیگر پنجم ماہ اسفند است
و عید ہائے متعارف را بدستور مکررہ
باشد، و شب نوروز و شب شرف
بطریق شب برأت چراغاں کند و در
اول شبے کہ صبح آن عید باشد
نقارہ نوازند و روز ہائے عید بر سر
ہر شہر نقارہ نوازند۔

ایک عید ماہ اردی بہشت کی تیسری تالیخ
کو ایک عید ماہ خرداد کی چھٹی تالیخ کو
ایک عید ماہ تیر کی تیرہ تالیخ کو، ایک
ماہ مرداد کی سترہ تالیخ کو، ایک عید
ماہ شہر لور کی چودہ تالیخ کو، ایک عید
ماہ مہر کی سولہ تالیخ کو، ایک عید ماہ
آبان کی دس تالیخ کو اور ایک عید
ماہ آذر کی نو تالیخ کو ہوتی ہے، ماہ سے
میں تین عیدین ہیں، آٹھویں تالیخ کو
پندرہویں تالیخ کو اور تیسریں تالیخ کو
ایک عید ماہ بہمن کی دوسری تالیخ کو
اور ایک عید ماہ اسفند کی پانچویں تالیخ کو
ہوتی ہے، دستور کے مطابق مشہور عیدین مناتے
ہیں۔ نوروز اور شرف کی راتوں کو شب برأت
کی طرح چراغاں کرتے ہیں، اُس رات کو
جس کی صبح عید ہوتی ہے نقارہ بجاتے ہیں اور
عید کے دنوں میں ہر شہر میں نقارے بجاتے ہیں
ان ایام میں جشن منعقد ہوتا ہے، اور ہر جشن میں انواع و اقسام کی زیربے زینت و

آرائش کی جاتی ہے، حاضرین فرط مسرت سے بے اختیار ہمو کر نعرہ ہائے نشاط بلند کرتے ہیں۔
ہر پہر کے آغاز پر نقارہ نوازی ہوتی ہے اور ارباب نشاط اپنی نغمہ سرائی اور اپنے ساز سے ہنگامہ عیش برپا کرتے ہیں۔

فرمان در منع زکوٰۃ

متصدیان حال و استقبال، و کار فرمایان
کل و جزء ممالک محروسہ بدانند کہ دین
ہنگام سعادت انتظام کہ از ابتدائے
جلوس براورنگ جہاں بانی کہ سنہ
سابع ست از قرن ثانی (دی سال
سی و ہفتم، چہ مراد از قرن درینجاشی
سال است) و آغاز اتمام بہار
دولت و اقبال و زمان انکشاف
صبح جلال و جمال است، فرمان
عدالت منشور افاقت بنیان
بارقہ بروں و اشعہ ظہور یافت کہ
چوں ناموس اکبر و قانون عظیم سلطنت
کہ ابد پیوند الہی جل جلال قدرہ
بمقتضائے حکمت بالغہ ازلی کہ
ملازمان حال و استقبال اور ممالک
محروسہ کے کارپردازوں کو معلوم ہونا
چاہئے کہ اس دور سعادت میں جس کی
ابتداء سن جلوس سے ہے اور جو قرن
ثانی کا ساتواں سال ہے (یعنی ۱۷۳۰ء
کیونکہ قرن سے یہاں تیس سال مراد
ہیں) اور جو بہار دولت و اقبال او
صبح جلال و جمال کے ظہور کا عہد ہے
یہ فرمان صادر ہوا کہ سلطنت کی
حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ حکومت و
سیاست جو مقیم و مہاجر اور ملازم و
تاجر طبقہ کے مفاد کی حفاظت کا نام
ہے اور جو خراج کا ایک ذریعہ ہے
جس پر نظام عساکر کا مدار ہے،

سلسلہ جنبان دار و گیر عالم ایجاد
و تعبیه پرواز کن فیکون دائرہ کون و فسق
ست چناں اقتضا کردہ کہ ریاست
ممالک و ریاست مدن کہ عبارت
ست از ارتباط احوال مقیم و مہاجر
و امتساق مصالح کا سب و تاجر
بدستگیری پادشاہان عادل و دیدہ بانی
شہر یاران در یادل جلوہ نما و صورت
پذیر باشند و یکے از وجوہ خراج کہ مدار علیہ
نظام عساکر نصرت و جنود اقبال کہ حارسان
اعمار و اموال و محافظان عقائد و احوال
خلائق اند باج اشیا ست کہ در بازار
بیع و ثراء و چار سوئے چوں و چو در آمدہ
کہ اگر سنجیدہ میزان اعتدال ارباب
صیانت و دیانت کہ نقادان بقوود و
اجناس کوئی الہی و مقومان اعراض نفسی
و آفاقی اند گرد، ہر آئینہ جمیع مصالح
بمفاسد انجامد تمامی محامد بنام کشند
للمتد احمد کہ از مبادی احوال نصفت
جو جان و مال اور عقائد کی حفاظت
اور بازاروں کی نگرانی کرتے ہیں،
اگر ان اصحاب امانت و دیانت
کی میزان غلط ہو جائے جو نقد و جنس
کے پرکھنے والے ہیں، تو تمام
مصالح مفاسد سے اور اچھائیوں
برائیوں سے بدل جائیں، الحمد للہ
کہ شروع ہی سے مابدولت کی
توجہ رفاه عام اور رعایا کی پرورش
کی طرف رہی ہے، جو بادشاہ
کی اولاد معنوی اور امانت
خداوندی ہیں، المنۃ للہ کہ
ہندوستان اور دیگر ممالک
محروسہ عدل و خوشحالی کا گہوارہ
اور مسافران عالم کی فرودگاہ
ہیں۔
حال ہی میں مراحم خسروانہ
سے یہ حکم صادر ہوا کہ اصناف
غلہ و نباتات، غذائیں اور

اشمال ہیگی توجہ خاطر عدالت مناظر و تدبیر
باطن جلالت موطن مادر فہمیت عموم
بریت و مراسم تربیت خصوصی رحمت کہ
فی الحقیقت فرزندان معنوی و ودائع
خداوندی اند معروف بودہ المنتہ لشر کہ
باضاعت لواحد عدالت سواد اعظم ہندوستان
ست و دیگر ممالک محروسہ ہل اصناف
ناز و نعیم و امن مسافران ہفت قلم ست
در نیولا بموجب توسعہ مرحام ذاتی و تکملہ
مکرم فکری حکم نافذ و امر جازم شرف
اصدار و عزت اپرا دیافت کہ از اصناف
جو با و غلات و نباتات از اغذیہ و
ادویہ و روغن و نمک و مشک اقسام عطریات
کرپاس و پنبہ و اسباب شپینہ و ادوات
چرمینہ و آلات مسیہ و ظروف چوب ہمیہ
ونے و کاہ و دیگر اشیاء و اسباب امتنع و
اجناس کہ مدار معاش جمہور نام و ملاک
معشیت خواص و عوام است سوائے
اسپ و قیل و شتر و گوسفند و بز و اسلحہ

قماش کہ در تمامی ممالک محروسہ بخا دیاج
وزکوٰۃ و صدیک و آنچه از قلیل و کثیر
می گرفتہ اند معاف و مرفوع القلم
بودہ باشند۔

ہند و موحد ہیں

روشن شد کہ انچہ زبان زد روزگار است
کہ ہندو ایزد بے ہمال را انباز گیرد فرغ
راستی ندارد، اگرچہ در برخے مطالب
و نختے دلائل جاءے آویزش لیکن خدا پرستی
و وحدت گزینی اس طائفہ دلفشین آند۔
ہم پر روشن ہوا کہ یہ جو بات زبان زد
عام ہے کہ ہندو خدائے واحد کا شریک
ٹھہرتے ہیں صحیح نہیں، اگرچہ بہت سی
باتیں اور دلیلیں قابل اعتراض ہیں،
لیکن اس قوم کی وحدت گزینی اور
خدا پرستی کا یقین ہے۔

گوشت خوری

می فرمودند اگر دشوار زندگی بخاطر
نیادے مردم را از گوشت خوردن
باز داشتے، و آنکہ خود بیک بارگی نمی
گزاریم ازال ست کہ بیایے کا ناکام
فرماتے ہیں کہ اگر دشوار زندگی میرے
ذہن نشین نہ ہو جاتی تو میں انسانوں کے
گوشت خوری سے مانع ہوتا اور میں
اس لحاظ سے اس پر یکبارگی عمل کرنا

خواہد گذاشت و بہ تنگنائے غم کا لیوہ
(دیوانہ) خواہند شد۔۔۔۔۔

می فرمودند قصاب ماہی گیر و مانند آن جز
جان شکاری پیشہ نداشتند بنگاہ این سال ز
دیگر مردم جدا باشد و از آمیزندہ تا و ان
گیرند۔

فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور
مثل ان کے دیگر اشخاص جن کا پیشہ
جان شکنی ہے، ان کی قیام گاہ کو
عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے، او
ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے

خنزیر

می فرمودند اگر سرمایہ حرمت خوک
بے غیرتی باشد بایستہ شیر و مانند آن
حلال بودے۔

فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث
اس کی بے غیرتی ہے تو لازم ہے کہ شیر
یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں

شراب نوشی

در حین این ماہ بادہ ہوش فرامی پیوند
میر صدر جہاں مفتی، میر عدل، میر عبدلحی
نیز ساغرے در کشید گیتی خدیو را این
بیت بر زبان رفتہ

اس ماہ کے جشن میں بادہ ہوش افزا نوش
فرماتے تھے میر صدر جہاں مفتی، میر عدل او
میر عبدلحی نے بھی بادہ پیمائی کی اور بادشاہ
کی زبان پر یہ شعر آیا

لہ آئین اکبری ج ۳ ص ۱۵۹ ایضاً ج ۳ ص ۱۵۷

در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوشش
قاضی قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوشش

رسم ہندوانہ

مادر خان اعظم مرزا کو کہ بخت رنجوری
در گذشت و جہاں سالار را غم در
گرفت در سوگواری موئے سر و بروت
ستر ندہر چند کوشش رفت کہ جز
فرزندان آں ہمین بانو دیگر نستر
بندگان اخلاص سرشت پیروی
کرند۔

والدہ خان اعظم مرزا کو کہ سخت بیماری
کے سبب چل بسیں اور جہاں پناہ کو
ایسا غم ہوا کہ سوگواری میں سراور
موت چھین منڈوا دیں، ہر چند کوشش
ہوئی کہ سو اس مرحومہ کے بڑے فرزندوں
کے کوئی بال نہ منڈائے مگر بندگان
مخلص نے بادشاہ کی پیروی کی۔

سنین الہی کا اجراء

۹۹۲ھ میں شاہنشاہی تنویر عقل و دانش نے علم و کمال کی وہ نورانی شمع جلالی جس نے
اپنی بابرکت روشنی سے تمام عالم کو تاباں و درخشاں کر دیا، خوش نصیب و حق پسند گروہ نے بالین
ناکامی سے سر اٹھایا، اور بیہودہ گوسستہ اے افراد نے گوشہ گنما می میں منہ چھپایا، قبلہ عالم کے
نیک ارادہ نے عملی جامہ پہنا اور یادگار حکماء میر فتح اللہ شیرازی نے اس کام کو انجام دینے پر
ہمت باندھی، علامہ شیرازی نے جدید زیچ گورگانی کو پیش نظر رکھ کر جہاں پناہ کے سال جلو

لہ آئین اکبری ج ۳ ص ۱۵۷ (اردو) ۱۵۷ اکبر نامہ، ج ۳ ص ۱۵۷

کو سنہ الہی کی ابتدا قرار دی!

ان بنیادی حقائق کے بعد جن سے اکبر کے دینی فکر کا پورا ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، اب کوئی حرج نہیں کہ ہم ملا عبد القادر بدایونی کی دی ہوئی بعض تفصیلات و جزئیات سے اس ڈھانچے کو اور مکمل و مشکل کر دیں اور دین اسلام سے انحراف نے اسلام اور صاحب شریعت اسلامیہ سے جو بُعد و وحشت بلکہ تنفر و عناد پیدا کر دیا تھا، اس کا صحیح نقشہ بھی لوگوں کے سامنے آسکے۔

دین اسلامی کی تحقیر

ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث
و واضح آن فقراء عربان بودند کہ جملہ
مفسدان و قطاع الطریق، و آن
دو بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی
بطریق نقل آورده متمسک می ساختند۔
ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و
بد عقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا اور اس کے
بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے
وہ چند مفلس بد و قرار پائے جن میں
سب کے سب مفسد اور راہزن تھے اور
شاہنامہ فردوسی کے دو مشہور شعروں
سے سبکدوشی گئی جو اس نے بطور نقل
کہے تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار
کہ ملک عجم را کنند آرزو
عرب را بجائے رسیدست کار
تفویب باد بر چرخ گرداں تفویب

لے آئین اکبری ج ۱ ص ۵۶۷ (اردو ترجمہ فداعلی طالب جید آباد ۱۹۳۵ء) ۲ منتخب التواریخ ص ۳۰۷

اسراء و معراج کا استہزاء

اسی معنی را عقل چہ گو نہ قبول کند کہ
شخصے در یک محظہ با گرانی جسم از خواب
بآسمان رود و نو دہزار سخن گو گوئے
با خدائے تعالیٰ کند و بسترش ہنوز
گرم باشد و مردم بآن دعویٰ بگرایند
ہم چنین شوق و قمر و امثال آن۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی
ہے کہ ایک شخص جس جسم رکھنے کے
باوجود یکا یک نیند سے آسمان پر چلا جاتا
ہے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کی نو ہزار باتیں
کرتا ہے لیکن اس کا بستر اس وقت تک
گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ
کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شوق القمر
وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا ہے۔
ممكن نیست کہ تا پائے دیگر برجا ماند
استادہ تو انیم اس چہ حکایتہاست؟
ناممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں
زمین سے ٹکانہ ہو میں کھڑا نہیں ہو سکتا
آخر یہ ہیں کیا قصے؟

مقام نبوت کی اہانت

زدن قافلہ قریش در اوائل ہجرت
و چہار دہ زن خواستن و تحیرم شہد کرد
یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ
کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا

لے منتخب التواریخ ص ۳۱۷ جلد سوم

برائے خوشنودی زنانہ۔
اور بیویوں کی رضامندی کے لئے شہر کو
حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرنا تھا)

اسمائے نبوی سے وحشت و گرائی

نام احمد و محمد و مصطفیٰ و امثال آں
یہ جہت کافران بیرونی و زنان اندرونی
گراں می آمد تا بہر و رایام اسامی چند
را از مفر باں کہ بایں نام سہمی بودند
تغیر داده مثلاً یار محمد محمد خاں رحمت
می خواندند و می نوشتند۔
احمد و محمد و مصطفیٰ و غیرہ کبیر و بی کافروں
کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی
وجہ سے بادشاہ پر گراں گزرنے لگے
آخر کچھ دن کے بعد اپنے خاص لوگوں
کے نام — بدل بھی ڈالے مثلاً
یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے
نام سے پکارتا بھی تھا، اور لکھنے کے
وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا تھا۔

نماز کی عدم اجازت

در دیوان خانہ بیچ کے یارائے آں
نداشت کہ علانیہ ادائے صلاۃ کنند۔
ایک جگہ لکھتے ہیں:-
دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ
علانیہ نماز ادا کر سکے۔

نماز و روزہ و حج پیش از اس ساقط
نماز و روزہ اور حج تو اس سے پہلے

شده بود۔
ہی ساقط ہو چکے تھے۔

ارکان اسلام کی توہین و استہزاء

پسر ملا مبارک شاگرد ابوالفضل رسائل
در باب قدح و تمسخر این عبادات
بہ دلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث
تزیینت گشت۔
ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل
کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے
متعلق اعتراض اور تمسخر کے پیرا میں
چند رسالے تصنیف کئے (شاہی جہاں)
میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت
حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ
یہی رسالے بن گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ

غرض یہ کہ اس وقت ہندوستان جس میں دین فطرت کے شجرہ طیبہ کے نصب اور
بار آور کرنے کے لئے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں
اور اہل قلوب اور اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں، ایک ہمہ جہتی، ذہنی، ذہنی
اور تہذیبی ارتداد کے راستے پر پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت
اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی
حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی

کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودھویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا لیکن۔ ع۔
مردے از غیب بروں آید و کالے بکند

ہم اس باب کو سیرت نگار نبوی اور مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی کی اس مبلغ عبارت پر ختم کرتے ہیں جو انھوں نے ہندوستان کے غربت کہہ میں مسافر اسلام کی داستان سفر سنانے ہوئے لکھی ہے۔

اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے، اور مسافر کے آغاز سفر پر سزاواں برس گزر رہا تھا،

یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر بھونکا کہ دین عربی کی ہزار

سال عمر پوری ہو گئی اب وقت ہے کہ ایک شاہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا

دین فسوخ ہو کر دین الہی کا ظہور ہو، جو سیوں نے آتش کہے گئے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے

برہمنوں نے بت آراستہ کئے، اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے

روشن کرنے پر اصرار کیا، اس پچھیل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو

”دستان مذاہب کا مطالعہ کرے، کتنے زنا داروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے

گلوں میں زنا نظر آئیں گے! بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سرسجدہ میں پڑے اور شاہنشاہ کے

دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدائیں مے گی۔

تعالیٰ شانہ - اللہ اکبر!

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرسند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی: ”راستہ صاف کرو کہ راستہ

کا چلنے والا آتا ہے“ ایک فاروقی مجدد، فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرسندی تھے۔

۱۔ مقدمہ سیرت سید احمد شہید ص ۳۱-۳۲

باب سوم

حضرت مجدد الف ثانی

حالات زندگی، از ولادت تا خلافت

خاندان

حضرت مجدد صاحب نسباً فاروقی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب ۳۱ واسطوں سے

۱۔ حضرت مجدد کو حضرت فاروق اعظم سے اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی نتیجہ

سمجھتے تھے، جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک عارف شیخ عبدالبکیر عمیری کی ایک تحقیق کو سن کر ان کے

قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں، ”مخدوم! اس فقیر راتا اب استماع امثال اس سخنا نیست، بے اختیار گنہگار قیوم

در حرکت می آید، مکتوب (دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری) ایک دوسرے مکتوب میں یسین کر قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جو

میں خلفائے راشدین کا ذکر عداً ترک کر دیا تحریر فرمایا، چون استماع اس خبر وحشت انگیز در شورش آورد و دگر فاروقیم را

حرکت داد، بچند کلمات اقدام نمود“ (مکتوب نمبر ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم)

۲۔ سلسلہ نسب کے بارے میں ہم نے اسی خاندان والا شان کے ذی علم و صاحب تحقیق فرزند مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی

کی اس محققانہ بحث پر اعتماد کیا ہے، جو انھوں نے مجدد صاحب کے سلسلہ نسب کے بارے میں اپنی تصنیف ”مقامات خیر“

میں ”حضرات آباء و اجداد کرام“ کے عنوان سے (ص ۲۶-۲۳) کی ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ اٹھائیسویں (باقی ص ۱۲ پر)

امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اسلسلہ نسب اس طرح ہے۔

حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالمکی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصفہانی بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر الفاروقؓ۔

آپ کے پندرہویں جد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابل، اس سلسلہ کے نامور جد امجد اور مورث اعلیٰ ہیں، ہندوستان کے اکثر باکمال اور شہرہ آفاق فاروقی النسب فضلاء اور مصلحین مشائخ و اصحاب سلسلہ مثلاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر وغیرہ آپ ہی کے سلسلہ نسب میں ہیں، افسوس ہے کہ افغانستان کے علماء و مشائخ کے حالات میں کسی بسوٹ تذکرہ اور کتب طبقات کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، ان کے جو کچھ حالات ملتے ہیں، ان کا ماخذ وہی کتابیں ہیں جو مجد و صاحب اور ان کے خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہیں، موصوف

(باقی صفحہ ۱۳۱ کا) واسطہ عمر کے بعد جس کو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سمجھا گیا ہے چار واسطے عام طور سے کتب انساب میں ساقط ہو گئے، اور وہ حفص، عام حضرت عبداللہ اور حضرت عمر الفاروقی ہیں، غالباً تائبیوں واسطہ عبداللہ کے بعد عمر کا نام دیکھ کر مصنفین کو مغالطہ ہوا کہ یہی مشہور عبداللہ بن عمر صحابی بن صحابی ہیں، لیکن چونکہ ان عبداللہ بن عمر کے کسی فرزند کا نام ناصر نہ تھا، اس لئے یہ اشکال پیدا ہوا، اور تحقیق کی ضرورت سمجھی گئی، اس خاندان کے ایک بڑے باخبر و محقق بزرگ شاہ محمد حسن مجددی (سائیں داد سندھ) اور محمود احمد صاحب عباسی کی بھی یہی تحقیق ہے اور احمد حسین خان نے جو اہر معصومی میں بھی یہی لکھا ہے۔ لہذا زبدۃ المقامات، حضرات القدس وغیرہ۔

شیخ نور الدین کے صاحبزادہ اور شیخ نصیر الدین کے پوتے تھے، اسی لئے ان کے خاندان کو بھی کابل کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، وہ اوصاف محمودہ سے منصف تھے، اسلام کی اشاعت و ترویج اور شعائر کفر و شرک کی اہانت و تذلیل میں خاص امتیاز اور خصوصی ذوق رکھتے تھے۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے اور افغانوں اور مغلوں کے تنازعات ختم کرنے میں انھوں نے سعی محمود فرمائی، دنیاوی وجاہت و سیادت کے ساتھ دولت باطنی سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے، ایک کثیر تعداد نے آپ سے اکتساب فیض کیا، وفات سے پیشتر زمام حکومت صاحبزادہ والاقدیر شیخ یوسف کے حوالہ کر کے ایک درہ میں جو آپ کی نسبت سے درہ فرخ شاہ کہلاتا ہے اور کابل سے ساٹھ میل مسافت پر جانب شمال واقع ہے، عزت و انزوا کی زندگی اختیار کی، اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

شیخ یوسف نے تحصیل علوم ظاہری کے بعد اپنے والد بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے تربیت باطنی حاصل کی، اور ان کے ترک سلطنت کے بعد ان کی جانشینی کی، عدل و صلاح اور دینداری میں نیک نام اور مقبول خاص و عام تھے، آپ کے ضمیر میں بھی عشق الہی کی وہی چنگاری تھی، جو آپ کے آباء کرام کو وقتاً فوقتاً مولانا روم کے اس شعر پر کار بند ہونے پر آمادہ کرتی رہی تھی۔

ملک دنیا تن پرستان را حلال

ما غلام ملک عشق لا یزال

آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت و اقتدار سے دست کش ہو کر خلوت گاہ حق کو اختیار کیا، اور ان کے صاحبزادہ شیخ احمد نے سلطنت کا کاروبار سنبھالا، وہ بھی اپنے

والد ماجد کی طرح صاحب علم و تقویٰ اور لباس شاہی میں درویش صفت بزرگ تھے، آپ پر جذب الہی نے ایسا غلبہ کیا کہ سلطنت کو بالکل ہی خیر باد کہا اور اولاد کو بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی، تھوڑا سا اثاثہ اہل و عیال کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، آپ نے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا، اور خلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

ان کے بعد خاندان کے اکابر بھی صاحب فقر و ارشاد تھے، اور اپنے اپنے زمانہ کے مقبول و عالی مرتبہ مشائخ سے تربیت سلوک اور فیض باطنی حاصل کرتے رہے، خواہ وہ کسی سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

امام رفیع الدین جو مجدد صاحب کے جد سادس اور شیخ شہاب الدین علی فرخ شاہ کی نویں پشت میں ہیں، صاحب "زبدۃ المقامات" کے بیان کے مطابق علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، تربیت باطنی اور تعلیم سلوک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری (م ۸۵۷ھ) سے حاصل کی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کی ابتدا کے بزرگ تھے، اس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں، جو کابل سے ہندوستان تشریف لائے، اور سرہند کی اقامت اختیار کی جس کا قدیم نام سہرند تھا، یہ جگہ غیر آباد اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی، اور اس کے درمیان جہاں شاہی خزانہ جایا کرتا تھا، کوئی اور سستی نہ تھی، اس بنا پر اس کے نواح و اطراف کے رہنے والے باشندوں خصوصاً قریہ سرالیں کے ساکنوں نے جو وہاں سے ۶، ۷ کوس پر واقع ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہو کر (جن سے سلطان فیروز شاہ ارادت و عقیدت رکھتا تھا) التماس کیا کہ دارالحکومت تشریف لے جا کر وہاں شہر آباد کرنے کی تحریک فرمائیں، سلطان نے آپ کی اس خواہش فرمائش

کی تعمیل کی، اور خواجہ فتح اللہ کو جو امام رفیع الدین کے بڑے بھائی اور مقربان سلطانی میں تھے، اس پر تعینات فرمایا، اور خواجہ صاحب دو ہزار سواروں کے ساتھ تشریف لائے، اور قلعہ کی تعمیر فرمائی، حضرت مخدوم جہانیاں نے امام رفیع الدین کو جو آپ کے خلیفہ اور امام نماز تھے، اور قصبہ (نام) میں مقیم تھے، ارشاد فرمایا کہ وہ اس قلعہ کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس شہر میں سکونت اختیار کریں کہ وہ وہاں کے صاحب ولایت ہیں، اس وقت سے آپ کا خاندان وہاں سکونت پذیر ہے، قلعہ کی بنیاد اور سرہند کی آبادی کا آغاز ۸۷۷ھ بتایا جاتا ہے۔

اس طرح حضرت مجدد کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے سرہند آباد چلا آ رہا تھا،

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "زبدۃ المقامات" ص ۸۹-۹۰

۲۔ جہاں تک قدیم تاریخ کا تعلق ہے، یہ شہر کبھی ضلع ستلج کا صدر مقام تھا، شہر چینی سیلج ہیون سانگ (HIUN SONG) نے بھی (جس نے ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اس کا ذکر کیا ہے، اور اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ اس کے ارد گرد سونا دستیاب ہوتا ہے، ہندی میں "سہ" شہر کو کہتے ہیں اور "اند" کے معنی ہیں جنگل، ایک زمانہ میں ہندوؤں اور غزنویوں کے لئے یہ سرحد کا کام دیتا تھا، اور اس سے آگے ہند شروع ہوتا تھا، غالباً اس لئے اس کا نام سرہند مشہور ہو گیا، جو سہرند کا قرین المخرج ہے (۱۵۱۱ھ) میں سلطان محمد غوری نے سرہند فتح کیا، فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی تک سلاطین دہلی نے سرہند کو چنداں اہمیت نہیں دی، اس کے بجائے سامان زیادہ مورد توجہ رہا، فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے سرہند کی طرف از سر نو توجہ شروع ہوئی اس کے بعد سے اہم امرائے سلطنت سرہند و فیروز پور کے ناظم بنتے رہے، فوجی نقطہ نگاہ سے بھی اس کی اہمیت میں متدبہ اضافہ ہوا، بابر کئی بار سرہند آیا گیا، ہمایوں بھی سرہند آیا اور یہیں سے وہ دہلی آ کر دوبارہ تخت و تاج کا مالک بنا، عہدِ بنیاد میں شہر کی خوشحالی اور رونق کا یہ عالم تھا کہ یہاں ۳۶۰ مساجد، سرائے، کنوئیں اور مقبرے پائے جاتے تھے۔ (مختص از دائرۃ معارف اسلامیہ مضمون سرہند تشریف)

۳۔ حضرت مجدد نے اپنے وطن سرہند کے متعلق مکتوبات میں بڑے بلند کلمات فرمائے ہیں، اور اس میں خاص نورانیت

و سکینت کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو مکتوب ۲۲ مکتوبات و فتروم

تذکرہ و تراجم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مشرفاء و علماء کے خاندان آباد ہو گئے تھے اور اس خاک سے کئی باکمال پیدا ہوئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عروج اور اسلامی علوم و فنون سے رشتہ دسویں صدی ہجری کے ابتدا میں قائم ہوا، آٹھویں اور نویں صدی میں حضرت مجدد کے خاندان کے چند برگزیدہ افراد کے علاوہ کسی بڑے سرہندی عالم کا نام کتب تذکرہ و تراجم میں نہیں آتا، لیکن دسویں صدی کے شروع ہونے کے بعد سرہند میں علمی و دینی بیداری اور درس و تدریس کی گرم بازاری نظر آتی ہے اور متعدد اہل کمال اور سربراہان و علماء کے نام نظر آتے ہیں، جو مستند درس و ارشاد پر متمکن اور مصروف افادہ و افاضہ تھے، ان میں سب سے پہلے مشہور صاحب درس و افادہ مولانا الودا بن صالح سرہندی (م ۹۲۴ھ) کا نام ملتا ہے، ان کے بعد مولانا شیر علی قادری (م ۹۸۵ھ) اور مولانا علی شیر (م ۹۸۵ھ) مفتی احمد سرہندی (م ۹۸۶ھ) حاج ابراہیم سرہندی تلمیذ علامہ شہاب الدین ابن حجر ہمتی (م ۹۹۲ھ) مولانا عبدالرشید نیازی مہدوی (م ۱۰۰۰ھ) اور چند ان فضلاء کے نام نظر آتے ہیں جن کا سن وفات معلوم نہیں، مثلاً مشہور استاد زمانہ مخدوم الملک ملا عبدالرشید سلطانپوری کے استاد مولانا عبدالقادر مولانا عبدالصمد حسینی مرید شیخ علی عاشق جونیوری، مولانا امان اللہ، مولانا قطب الدین اور مولانا مجدد الدین، آخر الذکر کے متعلق مولانا یعقوب کشمیری استاد حضرت مجدد کی شہادت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے تبحر عالم تھے، بابر سے سرہند میں ان کی ملاقات ہوئی اور بابر نے ان کا بڑا اعزاز کیا مولانا میر علی اور مولانا بدر الدین سرہندی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لے تاریخ و تراجم کی کتابوں میں صرف تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحییٰ بن احمد کا نام ملتا ہے، جو نویں صدی کے مصنفین میں ہیں انہوں نے تاریخ مبارک شاہی ۸۳۵ھ کے حدود میں لکھی وہ اپنے آپ کو ایسہ ہندی لکھا کرتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ) سے ممکن ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں، گلزار ابرار و نزهت الخواطر میں دونوں کا نام معکوس ترتیب سے آیا ہے۔

سہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آخر عمر میں مہدوی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

۱۳۸ھ میں نام نزهت الخواطر جلد چہارم سے انقاط کئے گئے ہیں، کتاب میں ان کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے "زبدۃ المقالات" میں حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد کا کسی قدر تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، چونکہ حضرت خواجہ حضرت مجدد کی خدمت میں مسلسل تین سال حاضر رہے، اور ان کی معلومات کا زیادہ تر ماخذ وہ اقوال اور ارشادات ہیں جو انہوں نے حضرت مجدد کی زبان سے وقتاً فوقتاً سنے، ان میں اگر کوئی اضافہ ہے تو صاحبزادگان والا شان سے حاصل کئے ہوئے معلومات کا ہے، اس لئے ان کے بیان کو ہر طرح مستند اور بالواسطہ حضرت مجدد کے ارشادات کا مجموعہ سمجھنا چاہئے، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالاحد پر عنقوان شباب اور اثنائے تحصیل علم میں طلب مولانا حصول علم الیقین کا ایسا غلبہ ہوا کہ تکمیل علوم کا انتظار کئے بغیر اس عہد کے شہرہ آفاق چشتی (صابری) شیخ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور ان سے ذکر و اذکار کی تلقین اور سلوک کی تعلیم حاصل کی، جب حضرت شیخ کے آستانہ پر پڑ رہے۔ ع۔

یا جاں رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید

کے شوق و عزم کا اظہار کیا، تو پیر روشن ضمیر نے اس کو منظور نہ فرمایا اور علوم دین و شریعت کی تحصیل و تکمیل کی تاکید کی، اور فرمایا کہ "علم کے بغیر جو درویشی ہوتی ہے، اس میں کچھ آب و نمک نہیں ہوتا، مخدوم نے حضرت شیخ کی کبر سنی کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے شبہ ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب اس آستانہ پر حاضر ہوں گا تو یہ دولت جاوید پاؤں کا یا نہ پاؤں کا؟ شیخ نے فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤں تو میرے فرزند رکن الدین سے وہ دولت حاصل کر لینا، مخدوم نے

لے اشارہ تھا، حضرت شیخ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کی طرف۔

تعمیل ارشاد کی اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔

تقدیری بات کہ آپ کو جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا، اور فراغت سے پہلے شیخ نے رخت سفر باندھ لیا، مخدوم نے علوم مروجہ کی تکمیل کرنے کے بعد کچھ دن مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا، پھر حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، منازل سلوک طے کئے اور حشرتی و قادری سلسلہ میں خرقہ خلافت اور تلقین و تربیت کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔

ان دو بزرگوں شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین پر وحدۃ الوجود، غیبت و بنیادی سکر و شورش اور استغراق کا غلبہ تھا، اور وہ صاحب وجد و سماع تھے، خاص طور پر شیخ عبدالقدوس وحدۃ الوجود کے اظہار و اعلان پر اپنے کو مامور سمجھتے تھے، اور اس کے پر جوش داعی و مبلغ تھے، بائیں ہاتھ اتباع سنت اور عمل بالعزیمیت میں قدم راسخ رکھتے تھے، غیبتی و بے نفسی کا غلبہ تھا، نہایت رقیق القلب کثیر العبادت بزرگ تھے، موت کو ہمیشہ یاد کرتے تھے، اور خاتمہ کی فکر غالب رہتی تھی۔ اپنے پیرسبیت شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین کے علاوہ مخدوم شیخ عبدالاحد کا قادری سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کمال کنتھلی سے بھی ربط خاص تھا، حضرت شاہ کمال اپنے زمانہ کے بڑے باکمال اور صاحب حال بزرگ تھے۔

شیخ عبدالاحد کا یہ قول گزر چکا ہے کہ "نظر کشفی سے کام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ شیخ رکن الدین نے آپ کو جو خلافت نامہ دیا وہ "زبدۃ المقامات" میں من و عن درج ہے ۹۲-۹۶ اس کا بڑا حصہ عربی میں ہے۔ ۲۔ کمالات اور اذواق و مواجید کے لئے ملاحظہ ہو، الطائف قدوسی تالیف شیخ رکن الدین فرزند حضرت شیخ و "زبدۃ المقامات" از خواجہ محمد ہاشم کشمی، ۱۰۱-۹۴، و نیز ہتہ الخواطر ج ۲۔

۳۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نیز ہتہ الخواطر ج ۲۔

سلسلہ علیہ قادریہ میں بانی سلسلہ پیران پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد اس مرتبہ کا آدمی کم تر نظر آتا ہے، ان کے پوتے شاہ سکندر بھی بڑے عالی مرتبت شیخ تھے، اور حضرت مخدوم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت مخدوم جب اکتساب علوم سے فارغ ہوئے تو مردانِ خدا کی تلامش میں مختلف شہروں کا سفر کیا، سفر کرتے وقت عزم کیا کہ جہاں بدعت کے آثار نظر آئیں گے، وہاں ارادت تو درکنار صحبت سے بھی پرہیز کریں گے، اس سفر میں شیخ الداد کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، رہتاس میں شیخ الداد اور مولانا محمد بن فخر صاحب "توضیح الحواشی" سے بھی ملاقات کی اور ان کے درس میں شریک ہوئے، بنگالہ بھی تشریف لے گئے، اور جو نپور بھی چند دن حضرت سید علی قوام (علی عاشقان) کی خدمت میں رہے، اس سفر سے واپس سرہند تشریف لائے، پھر سفر آخرت تک یہیں مقیم رہے، اور کہیں کا سفر نہیں کیا، معقولات اور منقولات کی کتب متداولہ بڑی پابندی سے اور بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے، حضرت مجدد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، لیکن فقہ و اصول فقہ میں ان کی نظیر نہیں تھی، جب اصول بزدوی کا درس دیتے تھے، تو امام ابو حنیفہ کی فقہ میں علوشان اور ان کی جلالت و امامت عیاں و نمایاں ہو جاتی تھی، کتب تصوف کا بھی درس دیتے تھے، خاص طور پر "تعرّف شعوارن المعارف" اور "فصوص الحکم" کے مطالب اور دقیق مضامین کو حل کرنے میں ید طولی رکھتے تھے، تحقیقاً و ذوقاً بھی شیخ اکبر کے مشرب پر تھے، لیکن خداداد عالی ظرفی اور ضبط و احترام شریعت کی وجہ سے کبھی زبان سے سکر و شطیحات کی کوئی بات نہ نکلتی، بے نفسی اور تفرید کا بڑا غلبہ تھا، تلامذہ کی کثرت کے باوجود کبھی کسی سے خدمت نہ لیتے گھر کی ضرورت کی چیزیں خود بازار سے لاتے، اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا، حتی الامکان کوئی سنت فرو گذاشت نہ ہوتی، امور عادیہ،

لباس و پوشاک میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے، عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت سے اجتناب اگرچہ بیعت و خلافت سلسلہ چشتیہ اور قادریہ میں تھی اور ان طرق میں نسبت عالی رکھتے تھے، لیکن آپ کے اخلاص اور عالی ہمتی کی دلیل یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کا بڑا اشتیاق ظاہر کرتے تھے، اور اس کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے مثلاً اس کی دعا کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ عالیہ ہمارے ملک میں پہنچے، یا خدا ہمیں اس کے مرکز میں پہنچائے کہ اس سے استفادہ کیا جاسکے، صاحب تصنیف بھی تھے، کنوز الحقائق اور اسرار التشنہد آپ کی تصنیفات میں سے ہیں۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا والد ماجد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل بیت کرام کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے، جب والد صاحب کو سکران شروع ہوئے تو میں نے آپ کو یاد دلایا، فرمایا الحمد للہ والمنۃ کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں۔

الہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

انشاء سفر میں جب سکندریہ کے مقام پر پہنچے اور وہاں کچھ دن قیام کیا تو وہاں آپ کی شرافت و نجابت اور صلاح و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت دیکھ کر ایک شریف خاندان نے

۱۱۰-۱۲۰ حضرت مجدد

۱۲۲-۱۲۳

۱۲۳ صاحب زبدة المقامات نے اس کو اٹاواہ کے قریب بتایا ہے اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجود ہو یہ اتر پردیش میں واقع تھا۔

خود رشتہ کی پیش کش کی اور اس خاندان کی ایک نیک سیرت صاحبہ خاتون سے آپ کا عقد کر دیا، حضرت مخدوم کی سب اولاد انہی سے ہوئی۔

حضرت مخدوم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد ہی کی طرح سات فرزند عطا فرمائے تھے، جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، شاہ محمد، شیخ محمد مسعود، شیخ غلام محمد، شیخ مودود و دو بھائیوں کے نام اور کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی، ان میں واسطۃ العقد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تھے، بقیہ فرزند بھی صاحب علم اور صاحب استعداد تھے، اور انہوں نے بھی علوم رسمیہ اور سلوک کی تعلیم اپنے والد یا مشائخ عصر سے حاصل کی تھی۔

حضرت مخدوم نے اسی سال کی عمر میں، اربعہ عتہ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی، قبر مبارک شہر سرہند سے مغربی جانب تقریباً ایک میل پر واقع ہے۔

حضرت مخدوم کی سیرت کا جو ہر خاص حق پسندی، انصاف، شریعت و سنت کی تعظیم و احترام اور ان پر عمل کرنے کی کوشش و اہتمام، حمیت دینی اور ترقیات باطنی میں عالی ہمتی اور بلند جوصلگی کہا جاسکتا ہے، اور یہی جوہر ان کے سخت جگر کے ضمیر میں (جس کے لئے دین کی تجدید اور ہندوستان میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کی سعادت مقدر ہو چکی تھی) ودیعت ہوا تھا، جس کو فضل ربانی نے چمکا کر اور دوسرے وہی کمالات عطا فرما کر آفتاب عالم تاب بنا دیا۔

۱۱۰-۱۲۰ حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد اول)

۱۲۳ زبدة المقامات بعض حضرات نے تاریخ وفات، اربعہ اور بعض نے، ۲۲ جادی الآخرہ لکھی ہے، ہشتہ پر سب کا

اتفاق ہے۔ ۱۲۳ زبدة المقامات

ولادت و حالات

ولادت و تعلیم

شب جمعہ ۱۲ شوال ۱۲۹۱ھ کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ "خاشع" سے سن ولادت نکلتا ہے، صغر سنی ہی سے آپ میں رشد و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی

می تافت ستارہ بلندی

صلیائے وقت باخصوص حضرت شاہ کمال کتھلی کی (جن سے والد بزرگوار کو نسبت باطنی تھی) آپ کی طرف خاص توجہ اور شفقت تھی، اور وہ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے تھے، آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی کہ شیخ کمال نے رحلت کی آپ کو ان کا حلیہ مبارک یاد تھا، اور جس گھر میں والد صاحب کے ساتھ جا کر زیارت کی تھی، اس کا نقشہ بھی ذہن میں موجود تھا۔

تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے ہوئی، اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کر لی، پھر والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق مضامین کے جلد اخذ کر لینے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم کی والد بزرگوار سے اور چند کی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ص ۱۲۴-۱۲۸

اپنے عہد کے بعض علمائے کبار سے تحصیل کی، کچھ عرصہ کے بعد سیالکوٹ جو اس زمانہ کا بڑا علمی و تعلیمی مرکز تھا، تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیری سے جن کو منطق و فلسفہ، علم کلام و اصول فقہ میں کمال حاصل تھا، اور جن کی ذکاوت و حافظہ، کثرت مطالعہ اور قوت تدریس کا شہرہ تھا، اور جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء اور مدرسین پیدا ہوئے اس وقت کے نصاب تعلیم کی بعض انتہائی اور اعلیٰ کتابیں (مثلاً عضدی) پڑھیں، حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب صرغی کشمیری سے پڑھیں، جو حدیث میں مسند وقت شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی کے شاگرد تھے، اور جن کی تصنیفات میں صحیح بخاری کی بھی ایک شرح ہے۔

شیخ یعقوب کو بڑے بڑے محدثین اور مصنفین کے کتب حدیث و تفسیر اور ان کی تالیفات کی اجازت حاصل تھی، آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے جو علم حدیث و تفسیر میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور حدیث میں شیخ وقت عبدالرحمن بن فہد کے تلمیذ رشید تھے، صحیح بخاری مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور دوسری کتب حدیث ثلاثیہ بخاری اور حدیث مسلسل کی سند حاصل کی، نیز متقدمین کے دستور کے مطابق کتب تفسیر وغیرہ

لے مولانا کمال الدین بن موسیٰ ۱۲۹۱ھ میں کشمیر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے اور تقریباً نصف صدی درس و تدریس میں مصروف رہ کر ۱۳۸۵ھ میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (نزہتہ النواظر ج ۵ ص ۳۱۶)

۱۳۵۰ھ مولانا یعقوب بن احسن الصرغی کشمیری کی ۱۳۵۰ھ میں کشمیر میں ولادت ہوئی، تحصیل علم اور حصول طریقہ کے لئے سمرقند کا سفر کیا، جہاں شیخ حسین غوارزی سے طریقہ کبریہ حاصل کیا، اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے، حجاز جا کر علم حدیث حاصل کیا اور وہاں سے فقہ، حدیث و تفسیر کی نفیس کتابیں اپنے ساتھ لائے، ۱۳۷۰ھ رذی قعدہ ۱۳۷۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (نزہتہ النواظر ج ۵ ص ۲۳۹) اس طرح اپنے اساتذہ مولانا یعقوب کے ذریعہ حضرت مجدد کو صحیح کے مطالعہ اور امہات کتب حدیث سے متعارف ہونے کا موقع ملا ہوگا۔

کی سند بھی ان کے مصنفین تک پہنچائی، سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

آپ جب علوم عقلیہ و نقلیہ اور اصول و فروع سے فارغ ہوئے تو درس و تدریس کے کام کا آغاز کیا، اور عربی و فارسی میں کچھ رسائل بھی لکھے جن میں رسالہ "تہلیلۃ" رسالہ رد مذہب شیعہ شامل ہے، آپ دارالحکومت اکبر آباد (آگرہ) بھی گئے، وہاں ابوالفضل فاضلی سے صحبتیں رہیں، لیکن اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے ان سے مناسبت نہ ہوئی، بعض مرتبہ کچھ رد و کد کی بھی نوبت آئی اور ابوالفضل کے بعض بے باکانہ الفاظ پر ناگواری کا اظہار فرمایا، اور آمد و رفت موقوف کر دی، ابوالفضل نے آدمی بھیج کر بلوایا اور معذرت کی، ایک مرتبہ فیضی کو جو اُس زمانہ میں تفسیر غیر منقوٹ (سواطع الالہام) لکھنے میں مصروف تھے، ایک جگہ مناسب (غیر منقوٹ) لفظ ملنے میں اور مطلب کے ادا کرنے میں دقت پیش آئی، اور قلم رک گیا، حضرت مجدد سے انھوں نے تذکرہ کیا آپ نے مشکل کشائی فرمائی اور فیضی کو آپ کے طبع رسا اور وفور علم کا اعتراف کرنا پڑا۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل ہو گیا، والد ماجد کو شوق ملاقات ہوا، باوجود کسریٰ اور بُعد مسافت کے آگرہ تشریف لے گئے، حضرت مجدد نے والد ماجد کے ساتھ وطن مراجعت فرمائی، دہلی و سرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گزر رہا تو شیخ سلطان جوہاں کے رؤساء و عمائد اور اسی کے ساتھ علماء و فضلاء وقت میں تھے، اور ان کو تقرب سلطانی بھی حاصل تھا، اور اس وقت علاقہ تھانیسر کے حاکم تھے، اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آئے، اور اپنے یہاں نہان رکھا اور ایک اشارہ غیبی کی بنا پر اور حضرت مجدد کے اخلاق و خصوصیات کو دیکھ کر ان سے نسبت مصاہرت قائم کرنے کی خواہش کی، والد صاحب نے اس رشتہ کو منظور فرمایا اور وہیں عقد مسنون انجام پایا، اور آپ بہو کو رخصت کر کے سرہند تشریف لائے۔

لے حدیث سلسل اور دوسری اسانید زبده المقالات میں موجود ہیں۔

سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت و استفادہ

اس موقع پر تصوف و سلوک کی ضرورت اور اس کے شرعی و علمی ثبوت پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں کہ "تالیخ دعوت و عزیمت" کے سلسلہ کے (جس کا یہ پوچھا حصہ ہے) قارئین کو اس کی پہلی جلد کے مطالعہ ہی سے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا عبدالقادر جیلانی، اور مولانا جلال الدین رومی کے تذکرے موجود ہیں، اور تیسری جلد تو سر اسرہند و تان کے مشائخ گبارہی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اس مضمون سے واسطہ پڑ چکا ہے، اگر اس سلسلہ میں مزید تفسی اور اطمینان کی ضرورت ہو تو مصنف کی کتاب "تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک" کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں صرف اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس ماحول اور عہد میں حضرت مجدد کو اپنا نازک و دشوار تجریدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، اس میں تصوف اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اس طرح گھل مل گیا تھا کہ وہ اس کا مزاج و مذاق بن گیا تھا، خواص تو خواص عوام بھی کسی عالم معلم یا مصلح کے اُس وقت تک قائل، اس کے عقیدت کیش اور اس کے خطاب و تفہیم سے منتفع نہیں ہوتے تھے، جب تک کہ وہ تصوف و سلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول و مستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو، یوں بھی کسی نہ کسی درجہ میں تزکیہ نفس، اخلاص و یقین اور درد و سوز کے بغیر (جو عموماً کثرت ذکر و صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا) محض وفور علم اور زور تقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، غرض یہ کہ اس عہد ماحول میں تصوف و سلوک اور قوت روحانی اور نور باطنی کے بغیر اصلاح و انقلاب کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہتھیاروں اور سپہ گری کے مشق و تربیت کے بغیر کوئی شخص میدان جنگ میں اتر آئے، اور کسی تربیت یافتہ اور مسلح فوج کا مقابلہ کرے یا کوئی ایسا شخص قوت گویائی

سے فقط تاحرم ہو، تعلیم و تفہیم کا کام انجام دینا چاہیے، عین حکمت و تدبیر الہی کا تقاضا تھا کہ اس میدان اصلاح و انقلاب میں اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ احمد السہندی کو تصوف و سلوک کا نہ صرف رمز آشنا اور محرم راز بنایا بلکہ اہل کمال و تکمیل کی صحبت و تربیت سے پھر موہبت ربانی اور اجنبائے خاص سے ان کو اس میں درجہ امامت و اجتہاد تک پہنچایا تاکہ وہ اس کا عظیم کوپوری نیاری اور پورے اعتماد کے ساتھ انجام دیں اور اس کا اثر دنیا کے دور دراز گوشوں اور بعد کی صدیوں تک قائم رہے، "ذالك تقدیر العزيز العليم"

سرہند پہنچ کر آپ والد ماجد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے، ان سے بیش بہا فوائد باطنی حاصل کئے اور سلسلہ چشتیہ و قادریہ کا سلوک طے کیا، اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

اس زمانہ میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے شوق نے غلبہ کیا اور وہاں کی کشش نے مضطرب و بے آرام بنادیا، لیکن چونکہ والد ماجد کبیر السن تھے اور بظاہر ان کی رحلت کا زمانہ قریب تھا، اس لئے ایسی حالت میں ان کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ معلوم ہوا، جب ستارہ میں ان کا واقعہ ارتحال پیش آگیا تو اب آپ کو کوئی مانع نہ رہا اور مشاعرہ میں آپ نے حرمین شریفین کی حاضر جا اور اوائے حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھ لیا، اور سرہند سے کوچ کر کے دہلی پہنچ گئے، وہاں کے علماء و فضلاء جن کے کانوں تک آپ کا آوازہ فضل و کمال پہنچ چکا تھا، ملاقات کے لئے آئے، ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے، جن سے حضرت کا پرانا تعارف تھا، انھوں نے دوران گفتگو حضرت خواجہ باقی اللہ کے علوم تہذیبیہ اور قوت باطنی کا تذکرہ کیا جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے دہلی میں ورود ہوا تھا، حضرت مجدد اپنے والد ماجد سے سلسلہ نقشبندیہ کا ذکر اور اس کا اشتیاق سن چکے تھے، اس لئے آپ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، اور اس کو حرمین شریفین کی

حاضری کی تیاری اور اس کی ایک سوغات سمجھ کر حاضری کا قصد فرمایا، اور مولانا حسن کشمیری کی معیت میں وہاں حاضر ہو گئے، اس وقت ہاتھ غیب نے صدا دی ہوگی۔ ع

آمد آں یارے کہ مامی خواستیم!

قبل اس کے کہ اس "قران السعدین" کا حال بیان کیا جائے اور اس کے بعد کے واقعات لکھے جائیں، حضرت خواجہ کا تعارف کرادینا ضروری ہے، اس سلسلہ میں ہم وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو مصنف "نزهة الخواطر" نے (جلد پنجم) حضرت خواجہ قدس سرہ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ مآقی و دل کا مصداق ہے اور اس میں مستند کتابوں اور تذکروں کا ثبوت لیا گیا ہے۔

حضرت شیخ عبد الباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہ)

شیخ اجل، قطب الاقطاب، امام الأئمہ رضی الدین ابوالموید عبد الباقی بن عبد السلام بخشی مشہور بہ باقی باللہ کابلی ثم دہلوی، آپ کا وجود دنیا کے لئے باعث برکت و زینت، آپ کی حیات طیبہ مقصد آفرینش و غایت خلق کا منظر، آپ کی زبان حقیقت ترجمان، اور آپ کی ذات خلاصہ عرفان تھی، علم و معرفت میں اللہ کی کھلی نشانی، اور ولایت و روحانیت کے منارہ نورانی،

لے حضرت مجدد العمان کے احسان مند اور شکر گزار رہے کہ ان کے ذریعہ آپ کو یہ دولت جاوید حاصل ہوئی ملاحظہ ہو مکتوب ۲۴۹، دفتر اول۔ ۱۰ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار بالخصوص بانی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات اور سلسلہ کی خصوصیات اور نسبت خاصہ کی اجمالی واقفیت کے لئے اسی سلسلہ کے گل سرسبد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات بالخصوص "الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ" اور "تعمات" کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۰ یعنی آیت "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ" (میں نے جن و انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) کی علمی تفسیر اور روشن تصویر۔

۹۶۱-۶۲ھ کے حدود میں کابل میں پیدا ہوئے اور مولانا محمد صادق حلوانی سے تلمذ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر ان کے دل میں طریقہ صوفیہ میں داخل ہونے کا داعیہ پیدا ہوا جس کے نتیجے میں آپ نے رسمی علوم کی تحصیل چھوڑ دی اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے مشائخ کبار کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہے آپ نے سب سے پہلے شیخ خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہ خلیفہ مخدوم اعظم دہلوی کے دست حق پرست پر توبہ کی، مگر جب آثار استقامت ظاہر نہ ہوئے تو شیخ افتخار کی سمرقند آمد کے موقع پر ان کے ہاتھ پر دوبارہ توبہ کی جو شیخ احمد سیوی کے سلسلہ کے بزرگ تھے، جب دوبارہ اپنی عزیمت واستقامت میں کمی محسوس کی تو اضطراری حالت میں امیر عبدالشہبلی کے ہاتھ پر تیسری بار توبہ کی اور کچھ عرصہ حفظ حدود کے پابند رہے، مگر آخری بار یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی، اسی عرصہ میں ان کو خواب میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی زیارت ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا، جہاں آپ کے لئے ممکن ہوتا وہاں جاتے رہتے تھے یہاں تک کہ کشمیر میں شیخ بابا کبروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے استفادہ ہوئے ان کی صحبت میں ان ربانی فیوض کی بارش ہوئی اور اس سلسلہ کی معروف غیبت و فنائیت کے آثار ظاہر ہوئے، شیخ مذکور کی وفات کے بعد آپ شہروں میں پھرتے رہے اور سیاحت و استفادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی روح نے ظاہر ہو کر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور آپ کی تکمیل ہو گئی، اس کے بعد ماوراء النہر گئے، جہاں شیخ محمد المنکی سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے تین دن کے بعد اجازت و رخصت عطا کی جس کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے اور لاہور میں ایک سال ٹھہرے جہاں بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، پھر وہاں سے ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی تشریف لائے اور قلعہ فیروزی میں قیام فرمایا، جس میں ایک بڑی نہر اور ایک بڑی مسجد تھی، آپ وہاں اپنی وفات

تک مقیم رہے۔

آپ اعلیٰ درجہ کے صاحب وجد و ذوق، نہایت متواضع و منکسر مزاج تھے، اغیار اور نامحرموں سے اپنے احوال رفیعیہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنے کو مقام ارشاد کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور اگر کوئی آپ کے پاس باطنی استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اسے فرماتے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اس لئے آپ کسی اور بزرگ سے رجوع کریں اور اگر آپ کو کوئی شخصیت مل جائے تو مجھے بھی خبر کر دیں، عرض آپ اذعاسے دور رہ کر آنے والوں کی خدمت و تالیف قلب میں مشغول رہتے تھے، اور کسی ضرورت یا دقیق مسئلہ کی وضاحت ہی کے لئے لب کشائی کرتے اور مخاطب کی رہنمائی کے لئے مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے تھے، اپنے احباب کو قیام تعظیمی سے منع فرماتے اور اپنے کو انہیں جیسا سمجھتے تھے، اور تمام حالات میں ان سے مساوات کا معاملہ فرماتے تھے، تو اذعاسے مسکنت کے خیال سے سنگی زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کو عجیب و غریب کیفیت روحانی اور قوت تاثیر حاصل تھی، جس پر آپ کی نظر چڑھتی اس کے حالات بدل جاتے اور پہلی ہی صحبت میں اُسے ذوق و شوق اور اہل معرفت کی روحانی کیفیات حاصل ہو جاتیں اور پہلی ہی توجہ و تلقین میں طالبین کا قلب جاری ہو جاتا تھا، آپ کا فیض اور مخلوق پر شفقت سب کے لئے اس قدر عام تھی کہ سخت جاٹے کی ایک رات میں آپ کسی کام سے بستر سے اٹھ کر گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنے سحاف میں ایک بلی کو سوتا دیکھ کر اسے جگانے اور بھانے کے بجائے صبح تک بیٹھے رہے، اسی طرح آپ کے قیام لاہور کے زمانہ میں قحط پڑا تو اس عرصہ میں آپ نے کچھ نہیں کھایا، آپ کے پاس جو کھانا آتا اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے، لاہور سے دہلی جاتے ہوئے راستہ میں ایک معذور شخص کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور اُسے سوار کر کے اور پچانے والوں سے بچنے کے لئے

چہرہ چھپائے ہوئے اس کی منزل مقصود تک پیدل گئے اور پھر سوار ہوئے، غلطی کے اعتراف اور اپنے کو خطا کار سمجھنے میں کوئی تاثر نہ کرتے تھے اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں بلکہ عوام سے بھی اپنے کو ممتاز نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا، مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت کرتے رہے کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلوی نے حکام سے اس کی شکایت کی اور انھوں نے اسے پکڑ کر بند کر دیا جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ان مرید پر ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی، انھوں نے عرض کیا "حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے" اس پر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح و تقویٰ تھے، اس لئے آپ نے اس کا فسق و فجور محسوس کر لیا، مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوشش سے حکام نے اسے رہا کیا، اور وہ تائب ہو کر اہل صلاح میں سے ہو گیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ یہ میری ہی غلطی تھی، جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی، عبادات و معاملات میں احتیاطی پہلو اختیار کرتے اس لئے ابتدا میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں اور قوی دلیل ہیں۔

یہ چند چیزیں ان کے فضائل و کمالات کا صرف ایک معمولی حصہ اور ان کے بحر شامل کا صرف ایک قطرہ ہیں، اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ قلیل مدت میں کتنے انسانوں کو آپ سے فیض باطنی پہنچا، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس سلسلہ مبارک کو آپ ہی کے ذریعہ

فروع حاصل ہوا، جسے آپ سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

شیخ محمد بن فضل الشربہا نپوری کہتے ہیں کہ آپ وعظ و ارشاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کیونکہ کل تین چار سال کی مدت میں اپنے افادات کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلا دی، اس کی تفصیل ملا ہاشم کشمی کی "زبدۃ المقالات" میں ہے، آپ نے کل چالیس سال کی عمر پائی اور ہندوستان آنے کے بعد کل چار سال حیات رہے اور اس تھوڑی مدت میں آپ کے اصحاب و رفقاء کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے یہاں تک کہ انھوں نے گذشتہ سلسلوں کے آثار محو کر دیئے، اور طریقہ نقشبندیہ تمام سلسلوں پر غالب آ گیا۔

محمد بن فضل الشربہا نے خلاصۃ الاثر میں لکھا ہے کہ "حضرت شیخ الشریکی ایک نشانی و روشنی اور سربراہی اور علم ظاہر و باطن اور تصرفات کے حامل تھے، خاموش طبع، متواضع اور ایسے خوش اخلاق تھے کہ لوگوں میں اپنے کو ذرا بھی ممتاز نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ اپنے احباب کو بھی قیام تعظیمی سے روکتے اور معمولی سلوک کی تلقین کرتے تھے۔"

مجتبیٰ کا کہنا ہے کہ آپ سے بڑے تصرفات ظاہر ہوئے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی یا داخل سلسلہ ہوتا تو اس پر محویت و فنائیت کا غلبہ ہو جاتا، اگرچہ اسے اس راہ سے پہلے کوئی مناسبت نہ ہوتی، لوگ آپ کے دروازہ پر مدہوشوں کی طرح پڑے رہتے، بعض لوگوں

لے سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان دو طریق سے پہنچا، ایک امیر ابو العلاء اکبر آبادی کے ذریعہ جن کو اپنے چچا عبدالشہارازی طریقہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت تھی، اس طریق میں حقیقت و نقشبندیہ باہم مخلوط ہیں، کالپی، مارہرہ، دانا پور وغیرہ کا ابو العلاء سلسلہ انہی سے چلتا ہے، دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، اصلاً اس سلسلہ کی ہندوستان میں اشاعت حضرت خواجہ کی آمد اور حضرت مجدد کے اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہوئی، پھر وہ سارے عالم میں پھیل گیا۔

(الثقافة الاسلامیة فی الهند، تالیف مولانا سید عبدالحی مصنف نرہتہ انخواطر)۔

پر پہلے ہی وہلہ میں عالم ملکوت منکشف ہو جاتا جو غیبی کشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کے مریدوں میں طریقہ مجددیہ کے امام و بانی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ تاج الدین بن سلطان عثمانی سنبھلی، شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بدخشی، شیخ الاداد دہلوی جیسے جلیل القدر مشائخ اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

آپ کی تصنیفات میں نادر رسالے قیمتی مکاتیب اور پاکیزہ اشعار ہیں جن میں کتاب "مسلسلۃ الأحرار" ہے جس میں آپ نے فارسی میں اپنی عرفانی رباعیات کی شرح کی ہے۔

چہار شنبہ ۱۲ جمادی الآخرة ۱۲۸۷ھ کو دہلی میں چالیس سال چار ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر مغربی دہلی میں قدم رسول کے قریب ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

بیعت و تکمیل

حضرت مجدد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ گویا آپ کے انتظار ہی میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی غیور اور دیر آشنا واقع ہوئی تھی، کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے، لیکن یہاں طالب خود مطلوب تھا، اور خدا کو حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجدد کی روحانی تکمیل کر کے اور اس نسبت خاص کو عطا کر کے جس کا طریقہ نقشبندیہ اس عہد میں حاصل تھا، اور جس کی سلوک باطنی کی دنیا اور ہندوستان کے اس روحانی ماحول میں ضرورت تھی، ایک نئی نوعیت و طرز سے دین کی تجدید کا کام لینا، طریقت کو شریعت کے تالچ بنانا، منازل سلوک کو طے کرانا اور وسائل سے مقاصد تک پہنچانا مقصود تھا، حضرت خواجہ نے خلافت معمول فرمایا کہ "آپ چند روز ہمارے یہاں رہیں، ایک ماہ ایک ہفتہ ہی سہی"

حضرت خواجہ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا تھا، استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی بانیں کرتا ہے، ان کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا، وہ اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں، اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر فرے رہا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے پیرو مشد حضرت خواجہ امکانگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا، جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا، اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا"

حضرت مجدد کے لئے اس ارشاد کے بعد انکار و معذرت کی کیا گنجائش تھی کہ ان کے اندر خود خضر طریقی اور چشمہ حیواں کی طلب موجود تھی، آپ نے یہ دعوت قبول فرمائی اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ کو منجر ہوا، اس صحبت میں طریقہ نقشبندیہ کے اکتساب و تحصیل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بلا تامل قبول فرمایا اور خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی، اور آپ کی توجہ سے اسی وقت ذکر قلبی جاری ہو گیا اور ایسی حلاوت و لذت محسوس ہوئی جو یونانیوں یا یونانیوں بلکہ آنا فانا ترقی کرتی رہی، حضرت خواجہ نے ان حالات اور برق رفتار ترقی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہی وہ طوطی خوشنوا ہے جو اب میں دکھایا گیا تھا، اور اسی کی خوش نوائی و خوش ادائیگی سے ہندوستان کے چین بلکہ چین اسلام میں بہار آئے گی جہاں نے راہ گروں کو کر دیک مرد خود آگاہ ہے

اس دو ڈھائی مہینہ میں حضرت مجدد کو جو باطنی کیفیات و ترقیات حاصل ہوئیں اور جو مراحل سلوک طے ہوئے ان کا بیان کرنا اور الفاظ کے ذریعہ ان کا سمجھنا یا سمجھنا ناممکن نہیں ہے

لہ زبدۃ المقامات من ۱۲۸۱-۱۲۸۲ حضرت القدس ص ۲۶-۲۷ ۲۷ اگر کسی کو اس کے دیکھنے کا شوق ہو تو وہ مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ چہارم بنام حضرت خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبداللہ فرزند ان حضرت خواجہ باقی باللہ نیز مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ پنجم بنام مولانا محمد ہاشم کشمی کا مطالعہ کرے۔

انکوں کو اداغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل پہ شنید و صبا چہ کرد

حضرت مجدد اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی اور یونانیوں نے ترقی ہونے کی امید ہے، دوسری مرتبہ جب دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبانِ خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی، اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجدد اس کے بعد تیسری اور آخری مرتبہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے بہت دور باہر نکل کر استقبال کیا اور بڑی بشارتیں دیں، اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہو کرے، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب صنعت بہت معلوم ہوتا ہے، امید جیسا بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبداللہ کو جو اس وقت شیرخوار تھے اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیکھے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

حضرت مجدد کے علوم مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو اس تعلق کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا کہ شیخ احمد نے جو سرہند کے باشندہ کثیر العلم قوی العمل بزرگ ہیں، فقیر کے ساتھ چند دن نشست و برخاست

کی فقیر کے مشاہدہ میں ان کے عجیب کمالات و اوصاف آئے، امید ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہو جائے گا، ان کے احوال کا ملہ پر میرا یقین استوار ہے۔
خود حضرت مجدد کو پہلی ہی توجہ و تلقین سے یقین ہو گیا کہ وہ اس راہ کے مدارج عالیہ تک پہنچیں گے، اسی کے ساتھ دیدِ قصور اور اپنی نفی بھی دل میں راسخ تھی، اسی کے ساتھ شیخ بھی ورد زبان تھا۔

ازیں نورے کہ از تو بردم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت

حضرت مجددان ترقیات باطنی اور فضائل علمی و عملی کے ساتھ اپنے شیخ و مرشد کا نہایت درجہ ادب کرتے تھے کسی وقت اگر شیخ نے ان کو طلب فرمایا تو چہرہ کارنگ متغیر ہو جاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، ادھر شیخ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو گیا جو کم تر کسی شیخ کا اپنے مرشد کے ساتھ ہوا ہوگا، ایک مرتبہ فرمایا کہ "شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں سیارگان در ضمن ایشان گم اند" (شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔)

باب چہارم

اہم واقعات و حالات ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وقت

سرہند کا قیام

اس اکتساب فیض اور تکمیل کے بعد حضرت مجدد نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی، ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا بہ شدت احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھیں اور طبیعت عروج کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کل تھی جس کے لئے نزول شرط ہے، جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ (اس حالت میں) اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا جو طالب میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوال منتظرہ عطا فرمادیئے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ آپ کا فیض عام ہو، اور طالبین کی تکمیل اور ارشاد کا کام

لے مکتوبات، مکتوب ۲۹، دفتر اول۔

شروع ہو، مجدد صاحب اپنے احوال مسترشدین اور برادران طریقت کی ترقیات باطنی کی تفصیل شیخ کو لکھتے رہے ایسی بشارتیں منامات اور کیفیات بھی ظاہر ہوئیں جن سے آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور آپ سے دین کی کوئی عظیم الشان خدمت وجود میں آئے گی، تیسری حاضری کے بعد حضرت خواجہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

لاہور کا سفر

حضرت مجدد نے کچھ عرصہ سرہند مقیم رہ کر شیخ کے اشارہ و ارشاد پر لاہور کا سفر اختیار فرمایا، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی و دینی مرکز تھا، اور وہاں بکثرت علماء و مشائخ تھے، ان میں سے ایک جم غفیر نے آپ کی آمد کی خبر سن کر آپ کا پر جوش استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے، مولانا طاہر لاہوری (جو بعد میں حضرت مجدد کے اجلاء خلفاء میں ہوئے) مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، ذکر و مراقبہ کا حلقہ قائم ہوتا اور مجالس صحبت گرم رہتیں۔

حضرت مجدد ابھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی اطلاع ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک اضطرابی و اضطرابی حالت میں دہلی کی طرف عنان سفر موڑ دی، راستہ میں سرہند پڑتا تھا، لیکن گھرنے گئے پہلے اپنے شیخ و مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشد زادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز دہلی میں قیام

۱۵ زبدۃ المقامات ص ۱۵۹

۱۶ ملاحظہ ہو مکتوب ۲۴، دفتر دوم

۱۷ زبدۃ المقامات ص ۱۵۸، روضۃ القیومیہ میں ہے کہ اس سفر میں خان خانان اور مرتضیٰ انان (سیر فرید)

بھی حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے ص ۱۱

فرمایا، اور تربیت و ارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے ارتحال سے سوئی ہو گئی تھی، دوبارہ آباد اور مغموم و مجروح دل شگفتہ اور تازہ ہو گئے۔

کچھ روز قیام فرما کر آپ سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، آخر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) بعض شہروں اور مقامات سے آپ کا گزرنا ہوا، تو وہاں کے اہل طلب اور اہل شوق آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔

تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات اور رجوع عام

۱۲۶ھ میں آپ نے اپنے بہت سے خلفاء تبلیغ و ہدایت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے، ان میں سے ستر مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کئے گئے، چالیس حضرات مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراسان گئے، اور ان حضرات کو اپنے مقامات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

بہت سے نامی گرامی علماء و مشائخ جو اپنے مقامات پر بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشواری گزار سزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے، اور بیعت و استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر خدشی طالقان کے

جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد بڑی، مولانا یار محمد، اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو خلافت و اجازت عطا فرما کر دعوت و ارشاد کے لئے اپنے مقامات کو واپس کیا۔

ہندوستان میں بھی آپ نے جا بجا اپنے خلفاء کو دعوت و ارشاد پر مامور فرمایا، خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا، ان کی خانقاہ میں کئی کئی سو سوار اور بے شمار پیادہ ذکر و مراقبہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرما کر پہلے سہارنپور پھر شاہی لشکر گاہ (معسکر) آگرہ میں متعین کیا، ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزار ہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی، میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں تھے، تجدید بیعت و اجازت نامہ مرحمت فرما کر برہان پور روانہ فرمایا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے، اور لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی، شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے (جو ہندوستان کا دوسرا علمی و سیاسی مرکز تھا) طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے روانہ فرمایا، اور ان سے اس دیار میں بڑا فیض پہنچا، شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا اور ان سے ان دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا، شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرا کے اور تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر بنگالہ روانہ کیا، شیخ طاہر خدشی کو تکمیل حال کے بعد تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر جو نپور روانہ کیا، مولانا احمد برکی تعلیم و تربیت میں مجاز ہونے کے بعد برک

۱۶ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روضۃ القیومیۃ ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳

پہنچ کر ارشاد و تربیت میں مشغول ہو گئے، اور اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب حضرت کی خدمت میں لکھتے رہے، شیخ عبدالحی حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندہ تھے، مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے، حضرت نے آپ کو تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، شیخ عبدالحی شہر کے درمیان تشنگان طریقت کی پیاس بجھاتے تھے، اور شیخ نور محمد دریائے گنگا کے کنارے ارشاد و تربیت کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے، شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طریق و سنت پر مامور تھے، سید محب اللہ مانیکپوری کو خلافت عطا کر کے مانیکپور روانہ کیا، پھر حضرت کی اجازت سے وہ الہ آباد منتقل ہو گئے، شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی توجہات خصوصی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہو گئے، ۱۲۰۷ھ تک مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مجدد کی جلالت شان اور قوت ارشاد و حسن تربیت کا آوازہ بیرون ہند تک پہنچ چکا تھا، لوگ جوق در جوق زیارت و استفادہ کے لئے آنے لگے، اور اہل النہر، بدخشاں، کابل اور بعض دوسرے عجیبی ممالک کے بہت سے شہروں میں آپ کے خلفاء موجود تھے، اور عرب ممالک تک بھی آپ کی شہرت پہنچ گئی تھی، ہندوستان میں تو مشکل سے کوئی شہر ہوگا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی اللہ دینے والے موجود نہ ہوں۔

سلطان وقت جہانگیر کا رویہ

۱۶۰۷ء میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نور الدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ ہوا، اور اس عظیم ملک میں (جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادین اسلام کے پسینہ، اور اہل باطن و

۱۶۰۷ء میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نور الدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ ہوا، اور اس عظیم ملک میں (جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادین اسلام کے پسینہ، اور اہل باطن و

۱۶۰۷ء میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نور الدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ ہوا، اور اس عظیم ملک میں (جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادین اسلام کے پسینہ، اور اہل باطن و

اہل قلوب کے اشک سحرگاہی سے سیراب و بار آور کیا گیا تھا) اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا، وہ آپ کے درد مند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن کچھ تو اپنی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لئے کہ وہ فتنہ اپنے شباب پر تھا، اور ابھی وہ سر ہاتھ میں نہیں آیا تھا، جس کے ذریعہ آپ سلطنت اور اس کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں، آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا، اور اگر فرمایا تو تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خان خانان سید صدر جہاں اور ترضی خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز بیانات بھیجے ان حضرت کو بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل تھا، اور حضرت مجدد کی عظمت و عقیدت بھی ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

جہانگیر کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی عناد نہ تھا، بلکہ ایک طرح کی سلامت روی اور حسن اعتقاد تھا، اور اس کو کسی نئے دین و آئین کے جاری کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کا عمل اپنے جدا مجد کی اس ہدایت پر تھا کہ

بابر بعیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے بادشاہ کی اس سادہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے، اور جس کی تفصیل آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ آپ یہ انقلاب انگیز کام شروع کریں، گویا رکی اسیری کا واقعہ پیش کیا جو کئی جینیتوں سے حضرت مجدد کی حیات اور اس عہد کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے،

بعض سروسواخ کی عام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جہانگیر کے سامنے مکتوبات کے وہ نازک مضامین پیش کئے گئے جن کا سمجھنا تصوف کی اصطلاحات و دقائق اور لکھنے والے کے غرض و منشاء کے سمجھنے پر قوت ہے اور جو درحقیقت وہ عبوری مکشوفات و محسوسات تھے، ہوسالک کے اپنے سیر و سلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں اور جن کی اپنے شیخ و مرئی کو اطلاع دینی ضروری ہے۔ جہانگیر کے لئے ان مضامین میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھے اور جن میں ایک سادہ لوح سنی العقیدہ مسلمان کے لئے جو کشف واقعہ اور عبور و استقرار کے فرق کو نہیں جانتا، وحشت و تشویش کے پورے اسباب موجود تھے، اس نے ان میں بڑے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور ان کو جمہور مسلمین و اہل سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف سمجھا اور ادعاء و خود پرستی پر محمول کیا، اپنی توڑک میں اس نے جہاں واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس میں اس کی حیرت و استعجاب صاف جھلکتا ہے، مجدد صاحب کا ذکر اس نے بہت نامناسب انداز اور کسی قدر تحقیر آمیز طریقہ پر کیا ہے،

لہ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱ دفتر اول بنام حضرت مرشد خواجہ باقی بالشر۔

جہانگیر کے علاوہ جو اس کو چہ سے نا بلند تھا، جنس اچھے راسخ اعلم حضرات کو بھی ان مضامین کو پڑھ کر بڑا اشکال پیش آیا، ان میں اس عہد کے نامور عالم ناشر علم حدیث اور جامع شریعت طریقت حضرت شیخ عبدالحق بخاری دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عرصہ تک ان کو اس بارہ میں بڑا تردد رہا، اور ان کی اور حضرت مجدد کی مراسلت بھی ہوئی، آخر میں ان اس باب سے میل طینان و شرح صدر ہو گیا جس کا اظہار انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا، ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق کی روایت ہے کہ:-

”یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچی ہے کہ ایک شخص جن خاں نامی پٹھان جو حضرت شیخ (مجدد) کے مریدوں میں تھا کسی بات پر آزرده اور ناراض ہو کر چلا گیا اور شیخ کے مکتوبات میں جن کا ایک قلمی مجموعہ اس کے پاس تھا، تحریف و اضافہ کر کے نسخہ شد و حالت میں جا بجا پھیلا دیا۔“ (مناقب العارفین از شاہ فتح محمد چوہدری شیخ ۱۲۶)

غلط فہمی اور اس ہنگامہ کی بنیاد یہ تحریف شدہ مکاتیب بھی ہو سکتے ہیں۔

لہ ملاحظہ ہو توڑک جہانگیری ۲۶۲-۲۶۳ و قائل سنہ جلوس ۱۲۱۰ھ۔

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجدد صاحب کے مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے اور وہ ایک تورانی مغل امیر کے قلم سے جو مسلمانوں کے عام عقائد کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور اپنے کو ان کا حامی و محافظ سمجھتا ہے، بے تکلف اظہار خیال کر رہا ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو لشکر شاہی میں جو قبولیت حاصل ہوئی تھی اور اعیان سلطنت کی ان کے یہاں بکثرت آمد رفت شروع ہو گئی تھی، اس کو بھی لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، اور اس سے خطرہ ظاہر کیا، یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مجدد شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں اور بغاوت کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ بدیع الدین سے اپنے ہوش عقیدت میں بھی بعض بے احتیاطیاں ہوئیں، اور انھوں نے اپنے بعض وقائع و کثوف ”کلمہ والناس علی قدر عقولہم“ کی نصیحت پر عمل نہ کرتے ہوئے ایسے بیان کئے جو خواص کا عوام اور عوام کا لانعام کے فہم و ادراک سے بالاتر اور محل قیل و قال تھے، اس کا اثر حضرت مجدد تک بھی پہنچا، جہانگیر اس کو چہ سے بالکل نا آشنا تھا، اور دربار میں اس کے کان بھرنے والے بھی موجود تھے اور چونکہ مجدد صاحب تشیع کے ان اعتقادی اور عملی اثرات کا مقابلہ کرتے تھے، جو ایرانی عنصر کے ہندوستان میں آنے اور دربار پر حاوی ہو جانے کے بعد سے مسلم معاشرہ پر چھائے چلے جا رہے تھے، اور عقائد اہل سنت کی صاف صاف تبلیغ فرماتے تھے، اس سے اگر دربار کے بار سونخ ایرانی عنصر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا ہو تو تعجب نہیں مسئلہ کو سیاسی رنگ دینے کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی، اور جہانگیر نے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا، اور آپ کی

سرگرمی و مصروفیت اور اسی کے ساتھ شہرت و مقبولیت نقطہ عروج پر شاید اس میں بھی

حکمت الہی تھی کہ اس عظمت و عروج کے عین شباب کے زمانہ میں آپ کو اس ابتلاء و امتحان میں ڈال کر وہ مقامات عبدیت طے کرائے جائیں اور روحانی ترقی کے اس مقام پر پہنچا جائے جو عادتاً اس مجاہدہ و امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

گوالبیار کی اسیری کے اسباب

تاریخ و سوانح کی عام کتابوں میں اسیری اور قلعہ گوالبیار میں نظر بند کئے جانے کا سبب اسی خاص مکتوب کے (جو حضرت نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا تھا) وہ نازک مضامین، مکاشفات اور سیر و سلوک کے سلسلہ کی ان دقیق باتوں ہی کو ٹھہرایا گیا ہے جن سے آپ کا بہت سے اکابر امت سے عالی مقام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لیکن راقم سطور کو اس میں بہت شبہ ہے کہ حضرت مجدد کو یہ ابتلاء محض اس غلط فہمی میں پیش آیا، اور اس کا سبب جہانگیر کی دینی حمیت اور جمہور اہل سنت کے عقائد و مسلمات کی حمایت تھی، یا محض علماء سے دربار یا اس عہد کے قابل احترام علماء و مشائخ کے اصرار و تقاضے سے کیا گیا، جہانگیر کسی زمانہ میں بھی اس دینی مزاج کا آدمی نہیں تھا، اور اس کی دینی حس کبھی اتنی تیز اور نازک نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھا، اور جس کا امور سلطنت اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایک ایسی بلند پایہ دینی شخصیت کے خلاف اتنا بڑا اقدام کرے جو ہزاروں آدمیوں کی محبت و عقیدت کا مرکز تھی۔

اس سے پہلے اس کے والد اور دادا کے زمانہ میں شیخ محمد غوث گوالبیاری معراج کا دعویٰ کر چکے تھے اور اس کی وجہ سے علماء کے حلقہ میں شورش و بے چینی تھی، اور ان پر فتوے

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد مسعود صاحب کی کتاب "شاہ محمد غوث گوالبیاری" مطبوعہ کراچی

لگائے جا رہے تھے، لیکن نہ ہمالیوں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور نہ اکبر نے خود جہانگیر کے زمانہ میں بہت سے مشائخ و محدث الوجود کے آخری حد "بعینت" اور مسائے تک پہنچ گئے تھے، اور اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اسی کے زمانہ میں شیخ محب لشر الہ آبادی نے عربی میں کتاب "التسویۃ" لکھی اور فارسی میں اس کی شرح کی، لیکن جہانگیر نے ان تحقیقات و غریب قوالی کا کوئی نوٹس نہیں لیا، یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ غنا زعم فیکتوب (جس کو اس پورے قصہ کی بنیاد بنا گیا ہے) حضرت خواجہ کے نام ۱۲۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے، اور گرفتاری سولہ سال بعد ۱۲۰۸ھ میں عمل میں آئی۔

راقم سطور کے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت مجدد کے ارکان سلطنت اور امراء دربار سے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے، اور ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی جو ایک ایسے ذکی شخص حکمران کے لئے جو اپنے والد کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا، اور بیٹوں سے زور آزمائی کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، و سوسہ اندازی کے لئے کافی تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ جہانگیر کو ان مؤثر اور ولولہ انگیز خطوط کا بھی علم ہو گیا ہو، جو حضرت مجدد نے ان ارکان سلطنت کو اصلاح حال اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی حمیت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے تھے۔ ان امراء دربار اور اراکین سلطنت میں خان اعظم مرزا عزیز الدین خاں جہاں خاں لودھی، خان خاناں مرزا عبدالرحیم، مرزا داراب، قلیج خاں وغیرہ تھے۔

مغل سلاطین مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت رجوع عام اور ان کے گرد لوگوں کے پروانہ و ارجح ہو جانے سے ہمیشہ خائف رہے، مجدد صاحب کے خلیفہ و کبیر حضرت سید آدم بنوری کے ساتھ ہی پیش آیا، وہ جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے تو ان کی

لہ متوفی ۱۰۵۵ھ ۵۲ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جہانگیر نے ان میں خود لکھنا ہے کہ شیخ کے خلفاء

ہر دیار اور ہر فرس میں متعین ہیں (۱۰۵۲ھ) نیز یہ کہ اس گرفتاری کی مصلحت یہ ہے کہ شورش عوام نیز فرسودہ (۱۰۵۳ھ)

ہم کالی میں دس ہزار سادات و مشائخ اور مختلف طبقوں کے عقیدت مند تھے، اس وقت شاہجہاں لاہور ہی میں تھا، اس کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور جرمن شریفین کی طرف ہجرت کی، غالباً یہی وجہ تھی کہ جہانگیر نے گوالیار کی نظر بندی ختم کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت کو اپنے لشکر میں سفر و حضر میں ساتھ رکھا تا کہ وہ امراء و ارکان سلطنت کے تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ کر سکے اور اس کا اطمینان کر لے کہ آپ سے سلطنت و اقتدار کے لئے کوئی خطرہ نہیں اور نہ آپ سے کوئی مخالف عنصر یا حوصلہ مند یا طالع آزا فائدہ اٹھا سکے گا، اس کو جب حضرت کے طرز عمل سے اس کا اطمینان ہو گیا، اور اس نے آپ کے اخلاص، لٹہیت، بے لوثی اور بے غرضی اور علوم مقام کا مشاہدہ کیا، اور اس کو بچشم خود دیکھ لیا کہ آپ دنیا کی شوکت و حشمت کو خس و خاشاک کے برابر نہیں سمجھتے، تو اس نے آپ کو سر ہند میں آزادانہ طریقہ پر قیام کی اجازت دی۔

قلعہ گوالیار کی نظر بندی

بہر حال جہانگیر نے حضرت مجدد کو اپنے مستقر پر طلب کیا اور حاکم سر ہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے آپ کو وہاں بھجوانے، آپ حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے، بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا، اپنے محل کے قریب خمیرہ نصب کرایا، اور ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا، آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آداب شاہی جو خلاف شرع تھے، آپ نے ادا نہ کئے، ایک ناخدا ترس درباری نے بادشاہ کو متوجہ کیا اور کہا کہ جہاں پناہ شیخ نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی، بادشاہ نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا کو

رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے، اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو، آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا، بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔

اس واقعہ سے پہلے شاہجہاں نے (جس کو حضرت سے عقیدت و خلوص تھا) علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن مفتی کو کتب فقہ اور اس پیغام کے ساتھ حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا کہ سجدہ تہیہ سلاطین کے لئے آیا ہے، اگر آپ سجدہ کر لیں تو میں اس بات کا ضامن و ذمہ دار ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ محض رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔

گرفتاری کا یہ افسوسناک واقعہ ربیع الثانی ۲۵ھ کی کسی تاریخ کو پیش آیا، اس لئے کہ جہانگیر نے اسی مہینہ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے، قید کرنے کے بعد آپ کی جوہلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کر لی گئیں، اور متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔

زندگوانگوار میں سنت یوسفی

گوالیار کی یہ نظر بندی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتوں اور دینی مصاحح پر مبنی تھی، اور ترقیات باطنی و ازدیاد مقبولیت و محبوبیت کا موجب، یہاں اس یوسف زندانی نے یوسف کنعانی کی طرح اپنے رفقاء زندان میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے لے یہ درباری سجدہ اکبر کے زمانہ سے راج تھا، اور شاہی آداب میں شامل تھا، اور نگ زیب نے اس کو ختم کیا۔

۲۵ حضرات القدس ص ۱۱۱ ۲۵ ایضاً ص ۱۱۱ ۲۵ توڑک جہانگیری ۲۴۲-۲۴۳ و مکتوب ۲۴۲ دفتر سوم۔

دوران اسیری کی نعمتیں اور لذتیں

زندگیاں گویا کے اس چند روزہ مہمانی سے حضرت مجدد پر انعامات الہیہ کی جو بارش ہوئی اور آپ کو جو باطنی ترقیات، حقیقی شکستگی اور وارستگی کی لذت اور خلوت میں جلوت کی جو نعمت حاصل ہوئی، اس کا حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام خطوط میں تحریرت بالنعمت کے طور پر بڑے مزے لے لے کر ذکر کیا ہے، میر محمد نعمان کے نام ایک طویل مکتوب میں جو قلعہ گویا سے بھیجا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”اگر محض فضل خداوندی سے فیوض و واردات الہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات

و عطیات کاپے درپے ظہور اس محنت کدہ میں مجھ جیسے شکستہ پرکے شامل حال نہ ہوتا تو قریب

تھا کہ معاملہ پاس و ناامیدی کی حد کو پہنچ جاتا، اور رشتہء امید شکستہ ہو جاتا، حمد ہے اس

خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی، اور ظلم و جفا میں عزت بخشی، مشقت و

تکلیف میں مجھ پر احسان کیا، اور راحت و مصیبت میں شکر کی توفیق دی، اور انبیاء علیہم

الصلوة والسلام کی پیروی کرنے والوں اور اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں اور

علماء و صلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا، اس سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں اور

برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اولاً اور ان کے قبعین پر ثانیاً^۱۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے حکم سلطانی سے مجبوس ہونے کی شہرت جب عام ہوئی

تو اس پر طرح طرح کے تبصرے شروع ہوئے، لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے اور

لے مکتوب ۲۵ دفتر سوم حصہ ہشتم، اردو ترجمہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کے مضمون ”امربانی“

سے ماخوذ ہے۔

مشرع کر دیا، اور پس زندان ”یا صاحبی استجبی اذیاباً منقرتوں خیراً اللہ الواحد القہار“

کی آواز اس بلند آہنگی سے بلند کی کہ قلعہ کے در و دیوار گونج اٹھے، اور ان کی آواز باہر بھی سنائی گئی،

کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت تبلیغ اور صحبت و تربیت کے فیض سے

مشرق بہ اسلام ہوئے، اور سیکڑوں قیدی ارادت و صحبت سے سرفراز ہو کر درجہ عالیہ

تک پہنچے، ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں ہے:-

”شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے، جو

شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل

تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کر دیا، دو برس وہ قید میں رہے، اور اس مدت

میں انھوں نے اپنے رفقاء زندان میں سے سیکڑوں بیت پرستوں کو حلقہ بگوش بنایا۔“

(ص ۴۱۲ طبع ثالث)

اس طرح انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (ENCYCLOPEDIA OF RELIGION-

AND ETHICS) - (مذہب و اخلاقیات کا دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ

میں ہے:-

”ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا، جو ناسق قید

کردیئے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے

کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنایا۔“

ج ۸ ص ۴۴۸

لے ماخوذ از مضمون ”حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں“ بقلم مولانا عبد الماجد دریابادی^۲

”الفرقان“ مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ

قیاس آرائیاں کیں، خدام و مجبین کو اس سے قدرتنا اذیت پہنچی، اس تنقید و ملامت خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مخلص شیخ بدیع الدین کو اسی قیدخانہ سے لکھتے ہیں:-

جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے درپے پہنچ رہے ہیں، اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جا رہے ہیں، برسوں تربیت جمال سے میری منزلیں طے کرائی گئیں، اب تربیت جلال سے قطع مسافت کرائی جا رہی ہے، لہذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضائیں رہیں، اور جمال و جلال کو مساوی جانیں!

حضرت صاحبزادگان والا شان کو بھی قیدخانہ سے صبر و تسکین اور شکر و رضا کی ہدایت فرماتے رہے، اور توجہ الی اللہ دعا و مناجات اور ذکر و تلاوت اور ماسوا اللہ کی نفی اور اپنی تعلیم و تکمیل میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے اس جلسے کے بعد جا کا اثر ہندوستان کے صحیح الاعتقاد امراء اور اراکین سلطنت پر برپا ہوا، بعض جگہ شورش اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے، عبدالرحیم خان خانانا، خان اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی وغیرہ بھی جہانگیر کے اس اقدام سے آزرہ تھے، اس شورش و انتشار کی معاصر تاریخ سے زیادہ شہادتیں نہیں ملتیں، اور وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا حضرت مجدد کی

۱۴۲ مکتوب ۱۱ دفتر سوم حصہ ششم ۱۲ مکتوب ۱۱ دفتر سوم حصہ ششم بنام حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم۔
۱۳ اس سلسلہ میں مہابت خاں کی بغاوت کا بھی حوالہ دیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ مہابت خاں کی بغاوت کا واقعہ ۱۰۳۵ھ کا ہے، جب کہ حضرت مجدد کی رہائی کو ۱۰۴۰ھ میں ہو چکے تھے، اور آپس دارفانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

اسیری سے کتنا تعلق تھا:-

بہر حال بادشاہ کو (کسی وجہ سے بھی) اپنے اس اقدام سے ندامت ہوئی یا اس نے اتنی مدت کی اسیری کو کافی سمجھا اور آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے تشریف لانے کی دعوت دی حضرت مجدد کامل ایک سال قلعہ گوالیار میں رہے، اس طرح آپ کی رہائی جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ (مئی ۱۶۲۰ء) میں ہوئی ہوگی۔

لشکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات و برکات

حضرت مجدد بڑی عزت و احترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے، تین یوم سرہند قیام فرما کر معسکر شاہی آگرہ میں تشریف لے گئے، ولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا، مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، آپ نے منظور فرمایا، اس رفاقت سے بادشاہ اور اہل لشکر کو بہت نفع پہنچا، جہانگیر نے اپنی توڑک میں لکھا ہے کہ میں نے خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور جانے اور ساتھ رہنے کا اختیار دیا، انھوں نے ہمارے کالی کو ترجیح دی۔

حضرت مجدد نے لشکر کی اس رفاقت اور اس کے فوائد و برکات کے متعلق صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں، اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔
۱۴ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کو خواب میں زیارت نبوی ہوئی اور اس نے دیکھا کہ سرور کائنات علیہ السلام بطور تأسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا!
۱۵ توڑک جہانگیری ج ۲ ص ۱۶۱ (انگریزی ترجمہ) ۱۶ مکتوب ۱۱ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”محمد و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ، اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرموستی اور مدہمندی دخل نہیں پاتی۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہو کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔

ایک شاہی مجلس کے بارے میں جو اسی زمانہ میں پیش آئی تھی، ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”فرزندان گرامی کا صحیفہ شریف پہنچا، اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحبت و عافیت سے ہے، ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں، اچھی طرح سماعت کریں، آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا، ایک پہر رات گزے وہاں سے واپس آیا، اور تین سی پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، دوپہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میر ہوئی۔“

ایک دوسرے مکتوب میں جو خواجہ حسام الدین کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”برخورداران و رفقاء میں سے جو کبھی ساتھ ہے ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے، ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے۔“

شکر شاہی کے ساتھ لاہور پہنچے، وہاں سے سرسہند کوچ ہوا، سرسہند میں حضرت نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، حضرت کی خواہش سرسہند رہ جانے کی تھی، لیکن بادشاہ نے

لے مکتوب ملا، دفتر سوم لے مکتوب ملا، عبارتوں کے تراجم حضرت مجدد الف ثانیؒ تالیف

مولانا سید زوار حسین سے مانوڑ ہیں۔ لے مکتوب ملا، دفتر سوم۔

آپ کی جدائی گوارا نہ کی وہاں سے دہلی روانگی ہوئی، مختلف مقامات پر مختصر قیام بھی رہا۔

جہانگیر پر اثر

بعض کتابوں میں جو زمانہ حال میں حضرت مجدد کی سوانح حیات میں لکھی گئی ہیں، جہانگیر کی حضرت کے ساتھ گہری عقیدت اور باقاعدہ بیعت و ارادت کو دکھایا گیا ہے، لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت نہیں ملتا، تو زک میں جہانگیر نے کئی مقامات پر جس انداز میں حضرت کا ذکر کیا ہے، اس سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، وہ نشہ سلطانی میں کتنا ہی مست ہو اور اس کا انداز تحریر کیسا ہی شاہانہ ہو وہ اپنے شیخ کا اس انداز میں ذکر نہیں کر سکتا، پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب (ص ۳۶، ۳۵) میں بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جہانگیر کی ارادت ثابت نہیں، اور اس میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا، دوسرے قدیم سوانح نگاروں نے جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے، نہ شاہ جہاں کی، البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہانگیر نے اس رفاقت سے فائدہ اٹھایا، اس کے اندر نئے دینی رجحان پیدا ہونے، منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر، اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دیکھی میں اس کو بہت دخل تھا، ۱۰۳۱ھ میں قلعہ کانگرہ کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا، اور وہاں شعائر اسلام کا اجراء کرایا، اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جس کو مجدد صاحب کی شرف ہمرکابی کا فیض کہا جاسکتا ہے۔

لے ملاحظہ ہو تو زک جہانگیری ص ۳۴ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہفتم

قرب سفر اور اس کے انتظامات

خواجہ محمد کشمی لکھتے ہیں کہ ۱۰۳۲ھ تھا، اور آپ جمیر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ سفر آخرت کے دن قریب ہیں، مخدوم زادگان کو جو اس وقت سرہند میں تھے، ایک خط میں تحریر فرمایا کہ "ایام القرائن عمر نزدیک و فرزند ان دور" (زندگی کے اختتام کے دن قریب ہیں اور فرزند دور) صاحبزادگان اس خط کو پاتے ہی اجمیر حاضر ہوئے ایک دن خلوت میں دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) سے فرمایا کہ "مجھے اب اس دنیا سے کسی طرح کی دیکھی اور اس کی طرف التفات نہیں، اب اس عالم کا خیال غالب ہے، اور سفر کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں!"

حضرت مجدد کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں دس ماہ ۸ یا ۹ دن رہا، جب جمیر سے سرہند معاودت فرمائی تو وہاں پہنچ کر تمام تعلقات سے انقطاع فرمایا اور خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین مخصوص خادموں کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی، سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے باہر تشریف نہیں لاتے تھے، سارا وقت ذکر و استغفار اور ظاہری و باطنی مشغولی میں گزارتا جو "وَتَبْتَئِلُ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا" (اور سب سے منقطع ہو کر

لے زبدة المقامات ص ۲۵۲ ۲۵۳ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۶۵-۱۶۵

سے انہی خوش نصیبوں میں خواجہ محمد ہاشم کشمی بھی تھے، لیکن وہ وفات سے سات ماہ پہلے رجب ۱۰۳۳ھ میں اپنے اہل عیال کو دکن سے لانے کے لئے (جہاں اس زمانہ میں بدامنی و انتشار تھا) چلے گئے، اس عرصہ میں شیخ بدرالدین سرہندی حاضر خدمت رہے، اور زندگی کے آخری ایام کے حالات "زبدة المقامات" میں انہی کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اس میں صاحبزادگان الاثنان کی دی ہوئی معلومات بھی ہیں۔

اسی کے ہو رہی کی تفسیر تھی۔

وسط ذی الحجہ سے صیق النفس کے عارضہ میں شدت ہوئی، اگر یہ کاغلبہ ہوتا، اور جب ضعف کی شدت ہوتی تو "اللهم الرفیق الأھلی" زبان پر جاری ہوتا، اسی عرصہ میں چند دن صحت کے ساتھ گزے، اور مغوم و مجروح دلوں کو کچھ تسکین ہوئی، اسی حالت میں فرماتے تھے کہ "ضعف کی شدت میں وہ حلاوت و لذت محسوس ہوتی تھی جس کا اس چند روزہ صحت میں پتہ نہیں" اس حالت میں بکثرت صدقہ اور خیرات فرمائی، ۱۲ محرم کو فرمایا کہ "مجھے بتایا گیا ہے کہ پینتالیس دن کے اندر تمہیں اس عالم سے دوسرے عالم کا سفر کرایا جائے گا، اور مجھے قبر کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے" ایک دن صاحبزادگان نے دیکھا کہ آپ پر گریہ غالب ہے، انہوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ شوق وصال! صاحبزادوں نے کہا کہ ہمارے حق میں اس قدر (خلاف معمول) بے مہری و بے التفاتی کیوں ہے؟ فرمایا کہ اللہ کی ذات تم سے زیادہ محبوب ہے۔

۲۲ صفر کو خدام و اعزہ سے فرمایا کہ آج چالیس دن پورے ہو گئے، دیکھا چاہئے کہ اس سات، آٹھ دن میں کیا پیش آتا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غایات اور انعامات بے حساب کا تذکرہ فرماتے رہے، ۲۳ صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدام کو تقسیم کر دیئے، جسم مبارک پر چونکہ کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا، ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا، اور دوبارہ بخار ہو گیا، اور جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بیماری سے قلیل افاقے کے بعد دوبارہ ناساز ہوا، یہ سنت بھی ادا ہوئی۔

اس ضعف کی حالت میں علوم عالیہ کا افاصہ شدت کے ساتھ تھا، صاحبزادہ عالی قد

لے ہینے غالباً نومبر کا تھا، اس لئے کہ انتقال دسمبر کے ہینے میں ہوا ہے، اس علاقہ میں یہ ہینے سردی کا ہے۔

خواجہ محمد سعید نے عرض کیا کہ حضرت کا ضعف اس گفتگو کا متحمل نہیں، ان حقائق و معارف کے بیان کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھیں! فرمایا کہ فرزند عزیز! اب وقت و فرصت کس کو ہے کہ دوسرے وقت پر ان مضامین کو اٹھا رکھا جائے؟ غلبہ ضعف کے ان دنوں میں بھی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں فرمائی، صرف زندگی کے آخری چار پانچ دنوں میں لوگوں کے کہنے سننے سے تنہا پڑھی، ادعیہ اور داثورہ اور ذکر و مراقبہ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا، شریعت و طریقت کے آداب و احکام میں سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، ایک رات ثلث اخیر میں اٹھ کر وضو فرمایا، تہجد کھڑے ہو کر پڑھی، فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے، اور یہی ہوا کہ اس کے بعد تہجد کی نوبت نہیں آئی۔

وصال سے کچھ پیشتر غیبت اور استغراق کا غلبہ ہوا، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ یہ استغراق و غیبت آپ کو ضعف کی وجہ سے ہے یا استغراق کی وجہ سے؟ فرمایا استغراق کی وجہ سے، بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں، اس حالتِ ضعف و شدت و علالت میں سنت کی پابندی، بدعت سے اجتناب اور دوام ذکر و مراقبہ کی وصیت فرماتے تھے، ارشاد فرماتے تھے کہ سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہئے، فرمایا کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "الذین النصیحة" کے مطابق امت کی خیر خواہی اور نیک صلاح کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دین کی معتبر کتابوں سے متابعت کامل کا راستہ حاصل کرنا اور اس پر کاربند ہونا چاہئے، فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے کوئی سنت ترک نہ کی جائے، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ چونکہ میری رحلت تمہاری رحلت سے پہلے ہوتی معلوم ہوتی ہے، اس لئے میرے کفن کا سامان اپنے مہر سے کرنا، یہ بھی فرمایا کہ میری قبر کسی گننام جگہ پر بنائی جائے، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ پہلے تو حضرت کی

وصیت تھی کہ ہمارے برادر اکبر خواجہ محمد صادق جہاں دفن ہیں وہیں دفن کیا جائے، اب حضرت یوں فرماتے ہیں، فرمایا کہ ہاں، اس وقت مجھ پر یہی شوق غالب ہے، جب آپ نے دیکھا کہ صاحبزادے یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ان کو اس میں تردد ہے تو فرمایا، اگر ایسا نہ کر سکو تو بیرون والد بزرگوار کے پاس یا باغ میں کہیں دفن کر دینا، میری قبر کو خام رکھنا، تاکہ تھوڑے دنوں میں اس کا نشان باقی نہ رہے، اس پر بھی جب دیکھا کہ صاحبزادے سوچ میں پڑ گئے تو مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے، جہاں مناسب سمجھو سپرد خاک کر دینا۔

شنبہ کی شب اور ۲ صفر کی تاریخ تھی، جس کے اگلے روز سفر آخرت تھا، ان خدام سے جنھوں نے راتوں کو جاگ کر خدمت اور تیمارداری کی تھی، فرمایا کہ تم نے بڑی محنت کی بس اس رات کی محنت اور رہ گئی ہے، پھر فرصت! آخر شب میں فرمایا: صبح لیلہ (رات کسی طرح صبح کر) دن ہوا تو چاشت کے وقت پیشاب کے لئے طشت منگوا یا جس میں ریت نہیں تھی، چھینٹیں آنے کے خیال سے اس کو واپس کر دیا، کسی نے کہا کہ حکیم کو قارورہ دکھانا چاہئے، فرمایا میں وضو شکست نہیں کرتا، مجھے بستر پر لٹا دو، آپ کو گویا اس کا انکشاف ہو گیا کہ اب کچھ ہی دیر کے بعد اس عالم سے کوچ ہے، وضو کی فرصت نہ ہوگی، جب بستر پر لٹا دیا گیا تو طریقہ مسنون کے مطابق دائیں رخسارے کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے، مخدوم زادوں نے سانس کی تیزی دیکھ کر عرض کیا کہ مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ہم اچھے ہیں! فرمایا کہ میں نے جو دو رکعت نماز پڑھی ہے کافی ہے، اس کے بعد سوائے اسم ذات کے ذکر کے کوئی بات نہیں فرمائی، ایک کے بعد جان جاناں کو سپرد کر دی، یہ واقعہ روزِ شنبہ چاشت کے وقت ۲۸ ماہِ صفر ۱۰۳۲ھ کا ہے۔

۱۷ حضرت مجدد کے فرزند اکبر جن کا انتقال ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں ہوا۔

۱۸ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۳ھ (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین)۔

کہ روح نے قفص عنصری سے اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کی "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" اس وقت عمر مبارک ترستھ سال تھی، صفر کا وہ
مہینہ ۲۹ رکھا، دوسرے دن ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو رہا تھا۔

جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے
بائیں ہاتھ کی کلائی پر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے ہیں، مخدوم زادوں نے
انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دیئے، لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک
پہلی ہیئت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے
معلوم ہوتا تھا کہ تمسم فرما رہے ہیں گویا یہ

ہم چناں زمی کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں شنوند تو خنداں

ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آجاتے، تجزیہ و تفسیر
کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور
جسد مبارک کو آخری آرامگاہ میں پہنچا دیا گیا۔

عادات و معمولات

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو حضرت مجدد کی خدمت میں ان کی آخری حیات میں تین سال
سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، حضرت کے عادات و معمولات کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے،

لے مولانا زید البواکس صاحب کی تحقیق ہے کہ عمر شریف قمری حساباً ۱۲۵ سال چار ماہ چودہ دن اور قمری حساباً ساٹھ سال چھ ماہ

پانچ دن کی ہوئی (حضرت مجتبیٰ اور ان کے ناقدین) ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰

یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے، قدرے اضافہ مولانا بدرالدین سرہندی کی کتاب "حضر القدر"
سے کیا گیا ہے۔

"حضرت کو بار بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے وہ
سب فضل خداوندی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جاسکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین
صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے، جس پر مدار کار سمجھنا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے،
اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، جزئیاً و کلیاً، اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس
وجہ سے کہ حکم بشریت اتباع کامل میں نقص و فتور ہونے کی وجہ سے، ایک روز فرمایا کہ ایک دن
سہواً جائے ضرور میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال
سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صبح ختلانی سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سی لونگیں لے آؤ!
وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک
یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ و ترویجیت الدن" رعایت و ترستھب ہے مستحب کو
لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا و آخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دے دیا جائے جو
اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ
قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھ بلصیرت
کو کیا نظر آسکتا ہے، لیکن میں نے اتنا دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے
کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فرو گذاشت نہیں فرماتے، کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت
مشکل ہے۔

لے حضرات القدر کی عبارت و اوین " کے درمیان کردی گئی ہے اور اس کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا
ہے اس کے علاوہ جو کچھ مضمون ہے وہ زبده المقالات سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسرے حاضر باش نے کہا کہ ان حضرات کے احوال باطنی ہمارے ادراک سے بالاتر ہیں، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کے حالات دیکھ کر اولیاء متقدمین کے حالات پر (جو کتابوں میں لکھے گئے ہیں) یقین آگیا، اور معلوم ہوا کہ ان میں مبالغہ نہیں تھا، بلکہ احساس ہوا کہ لکھنے والوں نے کم لکھا ہے، سارا دن اسی مشغولی میں گزارتا، ایک خادم خاص نے (جس سے وضو جانا اور عبادت کے سلسلہ کی خدمات متعلق تھیں) کہا کہ صرف قبولہ کے وقت اور رات کے ثلث دوم میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام و رفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے، اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اور مزعہ آخرت حضور باطن کو آداب و اعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہئے، حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علو مرتبہ کے) پائے مبارک کثرت عبادت سے متورم ہو جاتے تھے۔

اگرچہ حضرت کو مسائل فقہیہ کا استحضار تھا، اور اصول فقہ میں ملکہ تاتر کہتے تھے، لیکن بر بناء احتیاط مسائل میں معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے، اور سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھتے، عمل مفتی بہ قول اور فقہائے کبار کے ترجیح دیئے ہوئے مسئلہ پر ہوتا، اکثر خود امامت فرماتے، اور اس کی حکمت ایک مرتبہ ارشاد فرمائی کہ "حضرات شافعیہ و مالکیہ کے یہاں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے وہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، اور بہت سی احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہمارے امام ابو حنیفہ کے یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اور جمہور فقہائے حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے، چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے اس کی آسان صورت یہی معلوم ہوئی کہ خود امامت کروں۔"

لے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اسی فصل میں دوسری جگہ لکھا ہے: "فاتحہ خلف الامام بھی خواندند و آل راستمن ہی

گرمی ہو، سردی ہو، حضرت کا سفر و حضر میں معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے اس وقت کے لئے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں، وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام و احتیاط (اسباغ وضو) کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پورے طور پر پہنچ جائے، دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے، اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں، وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور و جمعیت اور طول قرأت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع و استغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے، تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے "سنت و فرض کے درمیان برتری طریقہ پر سبحان اللہ و محمدہ۔ سبحان اللہ العظیم" پڑھتے رہتے، فجر کی نماز آخر غلس (اندھیرے) اور اول اسفار (روشنی) میں ادا کرتے، تاکہ غلس و اسفار کے باسے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہو جائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پڑھتے تھے، فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور سبحات و ادعیہ ماثورہ سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لاتے، اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر خبر لیتے، اور جو امور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے متعلق ہدایات دیتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے، اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت کے بعد طابین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق و ہدایات فرماتے، اسی وقت انھیں اصحاب کو بلا کر مضامین و علوم خاصہ سے لے سورہ حجرات سے سورہ البروج تک کی سوزنیں طوال مفصل کہلاتی ہیں، حضرت القدر ص ۸۲

ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے، اور وہ اپنے حالات و کیفیات سے مطلع کرتے، اور آپ ان کو علو ہمت، اتباع سنت، اور دوام ذکر حضور اور اخفاءے حال کی تاکید فرماتے، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ساری کائنات اس کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتی جو ایک قطرہ کی دریائے محیط کے سامنے ہے، خدام و حاضرین کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید اور علماء سے احکام شریعت کی تحقیق کی ترغیب فرماتے۔

فرماتے تھے کہ کشف میں ایسا نظر آتا ہے کہ سارا عالم بدعات کے گرداب ظلمانی میں ڈوب گیا ہے، اور اس میں سنت کا نور کریمک شب تاب (جگنو) کی طرح چمک رہا ہے، غیبت اور مسلمانوں کی عیب چینی سے سخت احتراز تھا، خدام بھی آپ کے احترام و ہیبت سے آپ کے سامنے کسی کی غیبت نہیں کر سکتے تھے، اپنے حالات و کیفیات کا بے انتہا اخفاء فرماتے تھے، میں نے دو سال کی مدت میں صرف تین چار بار ایسا دیکھا کہ اشک کے چند قطرے چہرہ مبارک پر ٹپک پڑے، ایسے تین چار بار مضامین عالیہ بیان کرتے وقت رخسار مبارک اور آنکھوں میں نمی دیکھی۔

”ضحوۃ کبریٰ“ اور نماز چاشت کے بعد حرم سرالتشریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، صاحبزادوں یا اہل تعلق میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو پیش کرتا، فرزندوں اور خدام میں سے اگر کوئی اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے، کھانے میں اکثر کھلانے میں مشغولی رہتی اور زیادہ وقت دوسروں کی خبر گیری اور خاطر میں گزارتا، بعض اوقات برائے نام تناول فرماتے، معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی احتیاج نہیں، محض سنت کی پیروی

لہ ضحوۃ کبریٰ صبح صادق اور غروب آفتاب کے ٹھیک بیچ کا وقت (انتصاف النہار الشریعی) وهو الضحوۃ

مقصود ہے، آخری زندگی میں جب گوشہ نشینی اختیار کی اور روزہ رکھنے تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے، کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا (جیسا کہ عام طور پر رواج ہے) معمول نہیں تھا، اس لئے کہ صبح احادیث میں نہیں آیا ہے، ”فرائض کے بعد بھی فاتحہ پڑھنے کا جیسا کہ بعض مشائخ کے یہاں دستور ہے معمول نہیں تھا“

دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، ہوزن ظہر کے اول وقت اذان دیتا، آپ وضو کر کے سنت زوال پڑھتے، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر کسی حافظ سے ایک پارہ یا کم و بیش سنتے، اور اگر درس ہوتا تو درس دیتے، نماز عصر بھی مثلین ہو جانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب تک اصحاب و خدام کے ساتھ سکوت و مراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے، نماز مغرب کی سنت کے بعد اوامین ادا کرتے، کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نماز عشاء شفق ابیض کے زوال کے بعد فوراً پڑھ لیتے، وتر کی دعائے قنوت میں احسان و شواہح کی دعائے قنوت کو جمع کر کے پڑھ لیتے، نماز وتر کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر کبھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے، آخر زمانہ میں شاذ و نادر یہ دو رکعتیں پڑھیں، وتر کے بعد دو سجدے جو متعارف ہیں نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے اور ادعیہ مانورہ پڑھنے میں مشغول ہو جاتے، درود کثرت سے پڑھتے، خاص طور پر شب جمعہ اور روز جمعہ، شب دو شنبہ اور روز دو شنبہ، تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے، نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے، یا جن آیات میں تعجب استہفام آیا ہے

اس کا انداز و لہجہ پیدا ہو جاتا، نماز میں تمام سنن و مندوبات اور آداب کی رعایت فرماتے، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے ادا نہ کرتے، لوگوں کو شب عاشور یا شب قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے۔

مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، زیارت قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے بعض اعلیٰ دینی کتابوں (مثلاً تفسیر بریضاوی، صحیح بخاری مشکوٰۃ المصابیح، فقہ و اصول و کلام میں ہدایہ، بزدوی، موافق اور تصوف میں عوارف العوارف) کا درس دیتے، لیکن اس میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال نہ ہوتا، اخیر عمر میں درس سے اشتغال کم رہ گیا تھا، طلباء کو تحصیل علوم دینی کی تاکید فرماتے، اور تحصیل علم کو سلوک و طریقہ پر مقدم رکھنے، کثرت سے حمد و استغفار کرتے اور تھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے، تین سے کم ختم قرآن نہ کرتے، خود حافظ قرآن تھے، اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے، اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے، افطار میں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس کا اہتمام فرماتے،

ادائے زکوٰۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذر آتی تو حولان حول یا سال گزرنے کا انتظار نہ کرتے، ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے، اور ان میں اہل صلاح، بیوگان اور اہل قرابت کو ترجیح دیتے، حج کا کئی بار عزم مصمم فرمایا، لیکن نوبت نہ آئی، ہمیشہ اس شوق میں رہے اور اسی شوق میں اس دنیا سے سفر کیا۔

اخلاق و تواضع اور خلق الشہرہ شرفقت، رضا و تسلیم کی خواندہ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی،

آپ کے اعزہ اور اہل تعلق کو ظالم حاکموں سے بڑی ایذا پہنچی، لیکن تسلیم و رضا سے کام لیا، اور کبھی اس کی شکایت زبان پر نہیں آئی، اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے، اور صدر مجلس میں اس کو جگہ دیتے، اور اسی کے ذوق و مناسبت کی باتیں کرنے غیر مسلموں کی تعظیم خواہ وہ حاکم ہوں اور جاہ و اقتدار رکھتے ہوں نہیں کرتے تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، یاد نہیں آتا کہ کسی نے سلام میں آپ سے سبقت کی ہو، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے، کسی کے انتقال کی خبر آتی تو متاثر ہوتے اور کلمہ ترحیح (انا للہ وانا الیہ راجعون) پڑھتے، اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے اور دعا و ایصال ثواب فرماتے،

”آپ کا لباس ایک کرتہ جس کے دونوں کانڈھوں پر چاک ہوتا تھا، اس کے اوپر ایک عبا، لیکن گرمیوں میں اکثر کرتہ ہوتا، دستار سر پر لپیٹ لیتے، جیسا کہ سنت ہے، اور شملہ دونوں کانڈھوں کے درمیان پٹھر پڑا ہوتا (سوائے استنجا اور قضا سے حاجت کے وقت) پانچامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، جمعہ اور عیدین میں لباس فاخر پہنتے تھے، جب نیا جوڑا زیب تن کرتے تو پہلا کسی خادم یا عزیز یا مہمان کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو آدمیوں کے قریب ہمیشہ علماء، عارفین، مشائخ، حفاظ و شرفاء و سادات میں سے رہتے تھے، اور سب کو آپ ہی کے مطبخ سے کھانا پہنچتا تھا،“

حلیہ مبارک

شیخ بدرالدین سرہندی نے جو حضرت کے خلفاء میں ہیں اور سترہ سال آپ کی صحبت میں رہے، حضرات القدس میں آپ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے:-

حضرت کارنگ گندم گوں مائل بہ بیاض تھا، پیشانی اور رخسار پر ایسا نور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، کشادہ ابرو تھے، ابرو کمان کی طرح جھکی ہوئی، دراز، سیاہ اور باریک، آنکھیں فراخ اور کشادہ جن میں سیاہی کی جگہ بہت سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت سفیدی، بینی مبارک بہت باریک، لب سرخ نازک، دہانہ نہ دراز نہ کوتاہ، دانت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، اور لعل بدخشاں کی طرح چمکتے ہوئے، ڈاڑھی گھنی، باوقار، دراز و مرج تھی، رخساروں پر ریش مبارک کے بال حد سے بڑھے ہوئے نہیں، میانہ قدر، نازک اندام تھے۔

اولادِ امجاد

حضرت مجدد کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے، ان میں تین صغیر سنی میں حضرت کی حیات ہی میں فوت ہو گئے، شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، اور شیخ محمد اشرف جو زمانہ شیرخواری میں داغ مفارقت دے گئے، فرزند کلاں خواجہ محمد صادق تکمیل علوم و سلوک کے بعد ۱۰۲۵ھ میں پچیس سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے، تین صاحبزادگان عالی قدر خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، اور خواجہ محمد کبھی، رونق بخش حیات ہے، ان چاروں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا۔

اس سلسلہ از طلائے ناب ست

اس خانہ تمام آفتاب ست

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو دیکھ کر بلند الفاظ فرمائے تھے، اور "جو اہر علویہ" اور "شجرہ طیبہ" سے تعبیر کیا، اور فرمایا تھا "فقراء باب اللہ اندر لہائے عجیب دارند۔"

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادق، حضرت مجدد کے سامنے ہی درجہ کمال پہنچ گئے تھے،

۱۵ ایضاً ۱۵

حضرت نے ان کے متعلق بڑے بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اور ان کی اعلیٰ علمی و باطنی امتداد کی شہادت دی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "فرزند عزیز فقیر کے معارف کا مجموعہ اور جذب و سلوک کے مقامات کا صحیفہ ہے۔"

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ۱۰۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ جہادی الآخرة ۱۰۸۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، انہوں نے بھی حضرت مجدد کے سلسلہ کی اشاعت اور اہل ارادت و اہل طلب کی تعلیم و تربیت میں خاصہ حصہ لیا۔

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم تھے، جو اپنے والد نادر کے علوم کے حامل و شارح، رازدار و امین اور خلیفہ و جانشین تھے، آپ سے طریقہ مجددیہ اور اس کی تعلیم و اثرات کی ایسی عالمگیر اشاعت ہوئی کہ کہنے والے نے صحیح کہا ہے۔

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

منور از فروغش ہند تا روم

دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی (اور جس کی مستاد ارشاد پر اپنے وقت میں خواجہ سیف الدین، مرزا منظر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی، اور حضرت شاہ احمد سعید متمکن رہے) آپ ہی کے سلسلہ کی تھی، اسی خانقاہ سے مولانا خالد رومی کردی حضرت شاہ غلام علی صاحب سے سلسلہ کو لے کر شام و ترکی پہنچے، جن کا سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں شہر شہر اور گھر گھر پھیل گیا۔

۱۵ مکتوب ۲۴۷، ذراول، فضائل و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ۳۰۶-۳۰۷

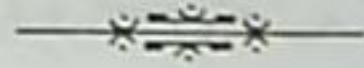
۱۶ آپ کے حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ۳۰۵-۳۱۵

۱۷ ملاحظہ ہو ان کے مناقب میں علامہ شامی صاحب شرح در مختار کی کتاب سل المحام البندی نصیر مولانا خالد نقشبندی (باقی صفحہ ۱۸۹)

آپ کے مکاتیب ہر سہ اجزاء "مکتوبات امام ربانی" کی ایک طرح سے شرح اور تفصیل اور علوم و نکات کا ایک خزانہ ہے، آپ کے حالات و کمالات کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ سفینہ چاہئے اس بحر سبکراں کے لئے

سلطان محی الدین اورنگ زیب کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا، اور آپ ہی کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین نے اس کی سلوک میں تربیت کی، آپ نے اس کو ہندوستان کا مسلمان حکمراں بننے اور اکبری اثرات سے پورے طور پر پاک کرانے کے لئے تیار فرمایا تھا، اور آپ اس کو اپنے مکتوبات میں "شہزادہ دین پناہ" کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۲۹ھ میں ہوئی اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو ہوئی۔ چوتھے صاحبزادہ خواجہ محمد محی تھے، امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال کی تھی، تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی، وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔



(باقی ۱۸۳ کا) اس وقت بھی اس سلسلہ کے مشائخ شام و عراق، ترکی اور کردستان میں موجود ہیں، راقم سطور نے ان میں سے متعدد کی زیارت کی ہے، ان میں شیخ ابراہیم غلامی، شیخ ابوالخیر میدانی، شیخ محمد نبهان، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لہ کتاب کے آخر میں آپ کا مستقل تذکرہ (ترجمہ انخواطر) سے مانوڈ و مقبلس ملاحظہ ہو۔

۱۵ بھوپال کے حضرت شاہ روؤف احمد اور ان کے پوتے حضرت شاہ پیر ابوالاحمد اور ان کے پڑپوتے حضرت شاہ

محمد یعقوب انہی کی اولاد میں ہیں۔

باب پنجم

حضرت مجدد کے دائرہ "تجدید" کا مرکزی نقطہ

نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جنکی گیارہویں صدی (جس سے الف ثانی ہزارہ دوم کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفرین کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے، اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے لہ جس پر کتاب کے پہلے دو ابواب میں اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے۔

۱۵ سنن ابی داؤد کی مشہور روایت ہے "ان الله عز وجل يبعث لهذه الامة على رأس كل مئة سنة من يبعث دلها دينها" (اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا) (ابوداؤد وغیرہ) اس حدیث کی شرح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! کتاب جامع المجددین (از مولانا

عبدالباری ندوی) پر مولانا سید سلیمان ندوی کا فاضلانہ مقدمہ ص ۱۶-۲۲

کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔
یہ کام کیا تھا؟ روح و فکر اسلامی کی جلاوطنی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدبنا
اور استنصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتقاد اعتماد
بجال کرنا، ریاضت و اشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدا رسی کی
کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو، ہمہ اوست
اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو و مبالغہ اور اشاعت و مقبولیت
کے نقطہء عروج پر پہنچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار
پیدا ہو رہا تھا، اور اس کے متوازی "وحدۃ الشہود" کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں
پیش کرنا، بدعات (جنہوں نے ایک مستقل تشریح کی شکل اختیار کر لی تھی) کی کھلی ہوئی تردید
و مخالفت حتیٰ کہ بدعت حسنہ کے وجود سے بھی انکار اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے
اکھڑتے ہوئے قدموں کے جانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان
میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجے میں ایک
طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی
اور باطنی طور پر اسی سلسلے سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویج کتاب و
سنت ان کی تفہیم و ترجمانی، اور ان کے سلسلہ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ و
تربیت باطنی، اصلاح عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد و سعی اعلیٰ
کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شجر اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا،
بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (با خصوص علم حدیث) اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا۔

لیکن اس عظیم و وسیع تجدیدی دائرہ عمل کا نقطہء مرکزی اور حضرت مجدد کا وہ اصل تجدیدی
کارنامہ کیا تھا جس کو ان کے سارے تجدیدی کارناموں پر اولیت و فوقیت حاصل ہے؟
لوگوں نے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اس کا جواب دیا ہے۔ ع۔
وللناس فیما یحشون مذاہب

ان میں تین گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ایک گروہ جو کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے
ہندوستان کو اسلام کے لئے دوبارہ بازیاب کیا، اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود
میں جانے کے بجائے دوبارہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حجازی کی تولیت و نگرانی میں دیا
اور اس کو گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کی اہم صدی میں اس انجام اور
حشر سے بچا لیا جو اس کا تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ہونے والا تھا،
بلکہ درحقیقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس ہمہ گیر اعتقادی، ذہنی، اور تہذیبی ارتداد
کے فوری خطرہ سے محفوظ کر دیا جو اکبر کی جیسی باعزم اور قوی الارادہ شخصیت اور اس کے
یگانہ روزگار شیروں (ملا مبارک، فیضی اور ابوالفضل) کی ذہانت سے ایک امر واقعہ بن کر
سامنے آ گیا تھا، یہ معنوی و روحانی انقلاب اور یہ ذہنی و تہذیبی ارتداد اس سیاسی زوال
اور اقتدار کے خاتمہ سے کہیں زیادہ سنگین، دیرپا اور دور رس تھا، جو اٹھارہویں صدی کے
اواخر میں ہندوستان کی نوخیز غیر مسلم طاقتوں کے ابھرنے سے اور انیسویں صدی کے
اوائل میں انگریزوں کے تسلط اور اقتدار سے پیش آیا، شاید اقبال نے اپنے اس شہور شعر میں
اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خیر دار

۲۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُر از اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ انداز، اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، اور سلوک و طریقت کے حلقہ میں شریعت سے استغناء بلکہ کہیں کہیں انحراف اور ریاضت و مجاہدہ اور باطنی حواس اور طاقتوں پر کلتی اعتماد کا جو فتنہ شروع ہو گیا تھا، اور جس کا (جوگ اور سنیا س کا ایک ہم مرکز ہونے کی بنا پر) ہندوستان سب سے بڑا نشانہ تھا رک گیا، اور ان کے بعد پھر کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ "شریعت و طریقت کے کوچے الگ الگ ہیں" اور طریقت پر شریعت کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے۔"

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے "وحدۃ الوجود" کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی، اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے اس سیلاب کو روک دیا، بلکہ اس کا منہ پھیر دیا جس نے آخری صدیوں میں پوری علمی و روحانی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور جس کے خلافت کسی پڑھے لکھے آدمی کا لب کشائی کرنا بھی اپنی جہالت کا ثبوت دینا اور نصف النہار میں دن ہونے کا انکار کرنا تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنے معرکہ الآراء مضمون "ہزارہ دوم" یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ میں صحیح لکھا ہے کہ۔

"وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی فنی نکتہ نوازیوں یا شریعت و طریقت کی ملامت و

صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے ہیں کہ آج حضرت قدس سرہ العزیز کو

مجدد الف ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی امر ہمہ ریزی نہیں معلوم ہوتا۔"

نبوت محمدی اور اس کی ابدیت اور ضرورت پر اعتماد کی بحالی

لیکن حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کی تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں، اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں، وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر امت میں اعتقاد و اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے، جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہائے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا، شاید یہ اس لئے بھی کہ اس کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور اس کے خلافت کوئی منظم تحریک یا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدباب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرہ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نکل لینے کے لئے تیار تھے، ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں، جنھوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلافت کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا، اور اعلان کیا تھا کہ "نبوت محمدی کا ایک ہزار سالہ دور ختم ہوا، اور اب نبی رہنمائی

۱۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ "مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۷

۲۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وضاحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے یہاں ملتی ہے، خاص طور پر ان کی جلیل القدر کتاب "النبوات" اور "نقص المنطق" اور "الرد علی المنطقیین" ہیں، لیکن وہ چیز بھی اشارات و اجمال

سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ نکل مقام مقال۔

اور زندگی کی تشکیل جدید اور آئین سازی کا وہ دور شروع ہونے جا رہا ہے جس کی اساس عقلیت و فلسفہ پر ہوگی جس کی قیادت محمود سنجوانی اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں اور جس کا مرکز ایران و ہندوستان ہوگا۔ ان فتنوں میں کبر کا "دین اکبری" اور "آئین جدید" بھی شامل ہے، جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا، دینی زندگی، اعمال و عبادات اور معاشرہ و تمدن کی وہ دینی بدعات بھی داخل ہیں، جو ایک متوازی شریعت بنتی جا رہی تھیں اور جن کی ایک مستقل "فقہ" مدون ہو رہی تھی، اور وہ بھی درحقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے لئے ایک چیلنج اور منصب شریع کی مدعی تھی۔

اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے، جو اپنے داعیوں اور علمبرداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا، اور جس کے متعلق اس کے غالی معتقدین بھی اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالاعلان تبلیغ کی، اور آپ نے صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام نے اپنے بعد کے لوگوں کو اس کی دعوت دی، یہ فلسفہ اور دعوت بھی نبوت کی پیش کی ہوئی دعوت، اس کی واضح تعلیمات اور اس کے مقاصد کا (دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر) حریف بنتی جا رہی تھی اور اس کو جس قدر کامیابی حاصل ہوتی تھی اور اس کی جڑیں دل و دماغ اور اسلامی معاشرہ میں پیوست ہوتی جاتی تھیں، احکام شریعت پر عمل کرنے، اسلام کے واحد دین حق اور ذریعہ نجات ہونے کے عقیدہ میں ضعف پیدا ہوتا اور الحاد و زندقہ، حریت و اباحت، تعطل و بے عملی کے لئے راہیں کھلتی تھیں، خواہ اس کے محتاط و متقی قائل صوفیہ و مشائخ خود شریعت کے کتنے ہی پابند اور اس کا کتنا ہی احترام لے ملاحظہ ہو کتاب کا باب اول۔ مضمون "دسویں صدی کا فقہ کبرائے"

کرتے ہوں، اور اس طرز عمل کے کتنے ہی مخالف ہوں۔

اس ضمن میں فرقہ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے اور جو امام کی ایسی تعریف کرتا ہے اور اس کے ایسے صفات و خصوصیات بیان کرتا ہے جو اس کو قریب قریب نبی کا ہمسرو مساوی بنا دیتی ہیں، اسی طرح صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے متعلق ایسی رائے رکھتا ہے جس سے ذات نبوی کی تاثیر صحبت اس کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری پر دھبہ آتا ہے اور جو "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" کے منافی ہے، اس فرقہ کے اثرات مختلف سیاسی و علمی وجوہ سے ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہے تھے، اور مسلم معاشرہ (جس کی

لے فرقہ امامیہ کی معتبر کتابوں سے "امام" کے بارے میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "امام ظاہر و باطناً معصوم عن الخطا و طاہر و مطہر ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اس کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوتا ہے اس کے متعلقات شریعت کا علم محیط (جس سے کوئی چیز خارج نہیں) علم لدنی کے طور پر حاصل ہوتا ہے اور وہ قیامت تک اللہ کی حجت کے طور پر ہر زمانہ میں ظاہر ہوگا، (مقتبس از کتاب الشافی للشرعی التلخیص الشافی للطوسی، واصل الشیعہ و اصولہا للعلامة الشیخ محمد حسین آل کاشغری الغطاء)۔

علامہ محمد ابو زہرہ اپنی فاضلانہ کتاب تاریخ المذاهب الاسلامیہ (ج ۱) میں ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فرقہ امامیہ کے تمام علماء اس پر متفق ہیں ان کے نزدیک امام کے مرتبہ کے نبی کے مرتبہ کے قریب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں انھوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ "وصی" اور "نبی" میں صرف اتنا فرق ہے کہ "وصی" پر وحی نہیں آتی" (ص ۵۹) سورہ حجہ آیت ۲ (ترجمہ) وہ پاک ذات جس نے ناخواندوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (ان کے اخلاق و نفوس کو) سنوارتا اور بناتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اکثریت سنی العقیدہ تھی) اس کے عقائد تصورات افکار و خیالات اور رسوم و عادات سے گہرے طریقے پر متاثر ہو رہا تھا۔

اس طرح انھوں نے "نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید" کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری اور پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی و ایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کئے تھے، ایک تیر سے ان سب فتنوں کو شکار کیا، جن کا مسلمانوں کا ذہن طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا۔

عقل و کشف کا غیبی اور بالبعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہنا مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل و کشف دونوں کو "غیبیتاً"

ماوراء عقل علوم، ذات و صفات الہی کی صحیح معرفت لاریبی علم اور قطعی الثبوت حقائق کے یقینی ادراک سے عاجز اور قاصر ثابت کیا، اور یہ کہ ان کے حاصل کئے ہوئے نتائج شک و

ریب اور خطا لغزش اور غلط فہمی سے مبرا نہیں، اللہ کی معرفت صحیح انبیاء ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جس طرح "عقل" کا مرتبہ "حواس" سے ماوراء ہے، اسی طرح "نبوت" کا

مرتبہ "عقل" سے ماوراء ہے، خدا کی تعظیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، معرفت الہی میں عقلائے یونان نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں،

اور مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں جس طرح عقل خالص اور عقل مجرد کا وجود نہیں، کشف خالص اور کشف مجرد بھی، (جو اندرونی خواہشات اور خارجی اثرات سے محفوظ ہو) نہایت دشوار

بلکہ عقنا صفت ہے اور اہل اشراق و صفائی نفس نے اسی طرح ٹھوکریں کھائی ہیں، اور وہم و جہالت کا شکار ہوئے ہیں، جیسے مدعیان عقل و فلسفہ، عقل و اشراق دونوں حصول الفہم

لے مصر افلاطونیت جدید (NEO PLATONISM) کا بڑا مرکز تھا جس میں فلاطینس (POLOTINUS) پارفری (PARPHYRY) پراکلس (PROCLUS) وغیرہ پیدا ہوئے اور ایک نئے مذہب "افلاطونیت جدیدہ" کی بنیاد پڑی۔

اور وصول الی اللہ کے لئے ناکافی ہیں، بعثت ہی اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔

انھوں نے اعلان کیا کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں، اور وہ بھی داخلی عقائد و مسلمات اور خارجی عوامل و اثرات سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فیصلے

اور نتائج ان خارجی رنگوں سے رنگین و مزوج ہو کر سامنے آتے ہیں، جو اس کے اندرون و بیرون میں پائے جاتے ہیں، انھوں نے ثابت کیا کہ عقل حجت ہونے میں ناقص ہے،

حجت کامل انبیاء کی بعثت ہے، بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن ہی نہیں۔

انھوں نے صفائی نفس اور صفائی قلب میں حد فاصل قائم کی اور دونوں کا فرق بتایا، انھوں نے ثابت کیا کہ انبیاء کی رسالت کا تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے، انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا نبوت کا انکار ہے، انھوں نے اس نکتہ

کی وضاحت کی کہ مخالف عقل ہونا اور چیز ہے، اور ماوراء عقل ہونا اور چیز۔

مجدد صاحب کی یہ تحقیقات جو عقل و کشف دونوں پر مبنی ہیں اور جن میں تائید الہی اور مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کیا ہوا نور شامل ہے، علمی و روحانی دنیا میں لچل ڈال دینے والے،

فکر و عقل کا ایک نیا دروازہ کھولنے والے عقلی و علمی دنیا کے بہت سے رائج الوقت سکول کو کھوٹا ثابت کرنے والے، نبوت و شرائع سماویہ کی صداقت و عظمت کا اعلان کرنے

والے، اور ان پر از سر نو اعتماد بحال کرنے والے علوم و معارف اور ایک ایسا تجدیدی و انقلابی اور علمی و تحقیقی کارنامہ ہے، جو تنہا اس وقت کے نظام تعلیم، علمی ماحول اور داعی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ ان میں وہ باتیں کہی گئی ہیں، جن میں بعض تک

فلسفہ اور فکر کی دنیا صدیوں کے بعد پہنچی ہے، اور جن کی صداقت پر بالآخر علم اور روحانی

تجربہ نے مہر تصدیق ثابت کر دی ہے، یہ محض اس تائید الہی اور ہدایت ربانی کا کرشمہ تھا، جس نے ان کو ہزارہ دوڑ کے آغاز پر تجدید دین اور نبوت و شریعت محمدی کے دفاع کے لئے انتخاب کیا، اور اس اخلاص، حمیت دینی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کا فیض جس پر وہ شروع سے گامزن تھے۔

اس اجمال کی تفصیل اور ان اشارات کی توضیح کے لئے اس پس منظر اور صورت حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس میں ان تحقیقات کی قدر و قیمت پورے طور پر واضح ہوگی۔

بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ

دین و دنیا کے اہم ترین اور اولین سوالات جن کے صحیح جواب پر اس زندگی کی درستی اور صحیح انتظام اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، یہ ہیں کہ دنیا کا بنانے والا کون ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے، اور ہمارا اس سے کیا اور کیا تعلق ہونا چاہئے؟ اس کی پسندیدگی اور خوشی کی چیزیں کیا ہیں اور ناپسندیدگی اور ناراضگی کی کیا؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے، اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

ان سوالات کے جواب کی تفصیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال، عالم کے حدوث و قدم، آخرت، جنت، دوزخ، وحی اور فرشتوں کے وجود کی بحث اور بعض وہ دوسرے مابعد الطبیعیاتی مباحث پیش آجاتے ہیں، جو عقائد اور مذہب کے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب اور ان مسائل کے حل کے عموماً دنیا میں دو تجربے کئے گئے ہیں ایک عقلی دوسرا اشراقی، پہلے کا نتیجہ فلسفہ ہے، اور دوسرے کا نتیجہ اشراقی تصوف۔

لیکن اصولی اور نقیدی حیثیت سے دونوں تجربے اور کوششیں بنیادی طور پر غلط اور چند ابتدائی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں، مکتوبات کے اقتباسات سے پہلے تمہید کے طور پر اس کی مختصر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے

عقل محض اور کشف خالص کی تنقید کا انقلابی کارنامہ

عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (الکشف) و تحقیق اور استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے، اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج

ہے، اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے، اور اپنے ذخیرہ معلومات اور مبادی و مقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کر کے وہ اس نتیجہ تک پہنچے جو اس کو ابھی تک حاصل نہیں تھا، اور محض جو اس و تجربہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہوگی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انہیں حقیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہنچتی ہے، جو بلا کسی عقلی اور علمی ترتیب کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے جو اس قطعاً کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو، اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ و تجربہ نہ ہو، اور جہاں قیاس کی بنیادی موجود نہ ہو، وہاں اس کی عقل و ذہانت اور اس کا قیاس کیا کام کر سکتا ہے؟ وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا، اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہن آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا اور وہ اس کے حروف بھی

(ALPHABET) سے بھی نا آشنا ہے، کتنا ہی ذہین اور جلیس (عبقری) ہو اور ہزار عقل و قیاس اور عرق ریزی سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا، بعینہ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اس کے مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں، نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت اور اس کا عمل محدود ہے، اس کا ایک دائرہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جاسکتی جس طرح انسان کے حواس کے علاحدہ علاحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے، حواس بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کر سکتا، اسی طرح دوسرے حواس، پھر اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرہ عمل میں بھی ان حواس کی قوت اور ان کا عمل غیر محدود نہیں۔

اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان حواس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے لیکن بہر حال محدود ہے، ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ میں :-

”عقل ایک صحیح ترازو ہے اس کے فیصلے یقینی ہیں جن میں کوئی دروغ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الہی اور وہ تمام امور و حقائق جو اوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے، یہ لاحقہ حاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حوف نہیں، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں کال سکتی وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے“

تیسری بات یہ ہے کہ عقل میں پوری بے آمیزی اور اس کے فیصلوں اور نتائج میں مکمل غیر جانبداری بہت مشکل ہے، اہل حقیقت جانتے ہیں کہ ”عقل خالص“ اور عقل مجرد سے زیادہ عقلا صفت چیز دنیا میں مشکل سے کوئی ہوگی، جذبات و خواہشات، ماحول، خاص تعلیم و تربیت مخصوص اعتقادات و نظریات، وہم و خیال، سہو و نسیان کے اثر سے وہ مشکل سے آزاد ہوتی ہے، اس لئے اس کے فیصلوں میں ہمیشہ صداقت اور اس کے نتائج میں قطعیت پیدا ہونا اتنا آسان اور عمومی نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ فلاسفہ نے ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موضوع کے تعین میں غلطی کی اور خدا کی ذات و صفات اور اس کے متعلقات پر بلا کسی سامان و اسباب اور بلا کسی علم و روشنی کے ایسی تفصیل و تدقیق اور ایسے وثوق و علم سے بحث کی جو ماہر کیمیا اپنے کیمیاوی تجربوں اور تحلیل و تجزیہ کے بعد کرتا ہے، ان کے یہ مباحث و تحقیقات تمام تفرضیات تخمینات اور خیالی طلسمات کا مجموعہ ہیں، اور محض قیاس برقیاس پر مبنی ہیں، یہ ”الہیات“ کا ایک اچھا خاصا ”طلسم ہو شرابا“ اور ”فسانہ عجائب“ ہے جس کا کچھ نمونہ آئندہ آئے گا۔

اس عقلیت و فلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش ہے جس کا نام ”اشراق“ ہے اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے عقل، علم اور برہان و استدلال مفید نہیں، بلکہ مضر ہیں، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے، اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک اندرونی حواس کو بیدار کرنے سے ممکن ہے، جو روحانیات اور ماوراء طبعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری آنکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں، اور یہ حواس اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے، حقائق کی تحصیل اسی خالص و بے آمیزی

عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضتوں، نفس کشی، مراقبہ اور تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان میں یہ حالت باطنی موجود ہے، ممکن ہے ایسے اور دوسرے ہواں بھی ہوں، لیکن بہر حال یہ ایک انسانی حالت ہی ہے، اسی طرح کمزور اور محدود، خطا پذیر اور متاثر ہونے والا، جس طرح انسان کی ساری طاقتیں اور انکشاف علم کے سارے ذرائع، اس کے محسوسات اور مشاہدات میں بھی غلطی اور خود فریبی ہوتی ہے، جیسے دوسرے ہواں کے نتائج میں ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل اشراق و مشاہدہ کے مکاشفات و تحقیقات میں وہ عظیم الشان تعارض و تناقض اور بڑے بڑے اہم مسائل میں لغزش اور غلط روی ممکن نہ ہوتی، جو غیر مسلم اور مسلمان اشراقیوں کے یہاں ملتی ہے۔

بہر حال عقل کی طرح اس "عقل خاص" کا خالص ہونا بھی بہت مشکل ہے، اس پر بھی اسی طرح خارجی اثرات اور ظاہری اور باطنی چیزوں کا عکس اور پرتو پڑتا ہے اور یہ آئینہ بھی حقیقت کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا، اشراقیوں کے ماحول، ان کے عقائد و مسلمات کا ان کے مشاہدات پر بھی اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے حکماء اشراق کو اپنے کشف و مشاہدہ میں بہت سے ان یونانی اور مصری اوہام و خیالات کی تائید نظر آتی تھی، جن کا کوئی سرسبز نہ تھا اور بہت سے ایسے مفروضات حقیقت بن کر نظر آتے تھے جن کا عالم خارجی میں کہیں وجود نہیں ہے۔

پھر جس طرح مندرجہ بالا سوالات فلسفہ کے موضوع و حدود سے خارج ہیں، اسی طرح

لے تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب تمدن" باب اول عنوان "اشراقیت"۔

لے ملاحظہ ہو "مذہب و تمدن"۔

اشراق کے حدود سے بھی، اس سے صرف عالم ارواح کے اسرار و عجائبات کی سیر ہوتی ہے، کچھ صورتیں نظر آتی ہیں، کچھ رنگ نظر آتے ہیں، کچھ آوازیں سننے میں آتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے منشا کا تفصیلی علم، اس کے قوانین شریعت، عالم آخرت کی منزلیں اور اس کے احوال سے وہ اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح عام انسان۔

درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے، دونوں حقیقت کو اپنی کوشش سے پیغمبروں کے واسطے کے بغیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، منزل و نواں کی ایک ہے، طریقہ سفر مختلف ہے، ایک ہوا میں اڑ کر (خیالی پرواز سے) وہاں پہنچنا چاہتا ہے، اور ایک کسی مخفی زمین دوز راستہ سے (روحانی طریقہ سے)۔

لیکن حقیقت اور علم کا لب لباب یہ ہے کہ یہ حقائق پیغمبروں کے واسطے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے، جن کو اللہ منصب رسالت سے سرفراز فرماتا ہے، ان کو اپنی ذات و صفات اور ملکوت السموات والارض، زمین و آسمان کی بادشاہی کا سب سے بڑا علم بخشا ہے اور اپنی پسندیدگی اور اورنا پسندیدگی اور احکام کا براہ راست علم عطا کرتا ہے، اور ان کو اپنے اور انسانوں کے درمیانی واسطہ بناتا ہے، ان کی رسالت و نبوت دنیا کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، ذات و صفات الہی کا جو عظیم الشان علم وہ بلا رحمت اور بلا قیمت عطا کرتے ہیں، اس کے ایک ذرہ کو بھی ہزاروں برس کی فلسفیانہ غور و فکر اور بحث و استدلال اور ساہا سال کے مجاہدہ و مراقبہ و تزکیہ نفس سے نہیں حاصل کیا جاسکتا۔ ذالک من فضل اللہ

علینا و علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون

یہ بالکل صحیح فرمایا کہ "لکن اکثر الناس لا یشکرون" فلاسفہ اور حکماء اشراق اس

نعمت نبوت کی ناقدری و ناشکری کرتے ہیں، اور ان حقائق تک اپنی محنتوں سے پہنچنا

اور ان کے مکتوبات کے ضخیم دفتر میں منتشر ہیں ان کا ترجمہ مختلف عنوانوں کے ماتحت پیش کیا جاتا ہے۔

عقل کا عجز صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں

”اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات و صفات کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ سے اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہے اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے ذہنی اور اخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرمادیا ہے، اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کارخانہ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں در ماندہ ہوتیں، اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچانے میں عاجز و ناکام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے، عالم کے بنانے والے کے منکر تھے، اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں نمرود کا مباحثہ حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے، اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، فرعون بد بخت کہتا تھا، مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنَ الْإِلٰهِ غَيْرِي“ (اے اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم و معبود کا علم نہیں) نیز اس نے حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کر کے کہا، لَيْسَ الْغَدَاتُ الْإِلٰهَ غَيْرِي لَاجْعَلَنَّاكَ مِنَ الْمَسْجُورِيْنَ“ (اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم

چاہتے ہیں، جن سے اللہ نے ان کو مستغنی کیا تھا، ہزاروں برس کی ان کاوشوں اور مجاہدوں کا نتیجہ وہ متعارض و متناقض اور مضحکہ خیز اقوال و تحقیقات ہیں، جو ”الہیات“ کا سرمایہ ہیں، اور جنہوں نے اپنے مشتغلین اور تبعین کو خدا سے بجائے قریب متعلق کرنے کے خدا سے اور زیادہ دور اور اس کی ذات و صفات سے نا آشنا اور اس سے بیگانہ اور مستغنی کیا.....

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحْلَوْا قُلُوْبَهُمْ ذُرًا لِلْذُّرٰٓرِ“

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و روحانیت دونوں کو چوں سے اچھی طرح واقف ہیں، دوسری طرف علوم نبوت کے وارث اور وحی رسالت کے مرتبہ شناس ہیں، آپ نے حکماء اور اشراقیوں کے اس طرز عمل کی بڑی مبصرانہ تنقید کی ہے، جو آپ کی جامعیت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے، یہ بحث آپ کی تجدید کامرکزی و بنیادی شعبہ ہے، اس لئے کہ پوری شریعت الہی اور پورے نظام دینی کی بنیاد اسی بحث کے فیصلہ پر ہے کہ علم قطعی اور حصول یقین کا ذریعہ اور سرچشمہ اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اپنے آغاز و انجام اور اپنی فلاح و نجات کے ضروری علم کا صحیح ماخذ کیا ہے؟ آیا وہ غور و فکر اور علمی بحث و استدلال (جس کا ناسندہ فلسفہ ہے) یا اندرونی روشنی، نفس کشی... صفائی اور مشاہدہ اور علم جو باطنی جو اس اور روحانی طاقتوں سے حاصل ہوتا ہے جس کو ”حکمت اشراق“ کہتے ہیں، یا ان دونوں کے برخلات انبیاء علیہم السلام کی تقلید ان پر ایمان یہی وہ نقطہ آغاز ہے، جہاں سے راستے ایک دوسرے سے کٹ کر تین مختلف سمتوں کی طرف جاتے ہیں، اور جو آگے جا کر پھر کہیں نہیں ملتے ”وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَاَلْتَبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِيْ ذٰلِكُمْ وَصَّوْمُكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“

اس سلسلہ میں مجدد صاحب کے قلم سے جو نادر تحقیقات اور اعلیٰ علوم و معارف نکلیں،

مظہر آیا تو میں تم کو بھی قیدی بنا دوں گا) ہامان سے اسی بد بخت نے کہا "بِهَامَانِ ابْنِ صَرْحَا
تَعْلَى ابْلَغُ الْأَسْيَابِ السَّمَوَاتِ نَابِلًا إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَخْلَعُهُ كَذِبًا" (اے ہامان میرے
ایک اونچا محل تیار کرتا کہ میں پہنچوں رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانگ دیکھوں موسیٰ کے
معبود کو اور میں تو اس کو خیال کرتا ہوں جھوٹا) خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے
ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرکار راستہ پانے
سے عاجز ہے۔

معرفت الہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں

خالق و مدبر کائنات کے وجود جس کو فلاسفہ یونان مبدأ اول کے نام سے یاد کرتے ہیں،
اور اس کے عمل خلق اور کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق ان فلاسفہ نے جو عقلی موثکافیوں
کی ہیں، اور تخیلات و مفروضات کا جو نقشہ تیار کیا ہے، اور پھر اس ہوائی بنیاد پر جو فلک بوس
عمارتیں تعمیر کی ہیں، ان کی تشریح و تفصیل تو فلسفہ کی کتابوں میں اور ان پر تبصرہ و تنقید عقائد
علم کلام کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

لیکن حضرت مجدد کے افکار و علوم عالیہ کے سمجھنے کے لئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان
تخیلات و مفروضات کی تردید میں جو محض یونانی ذہن کی تخلیق اور قوت تخیلہ کی ایجاد ہے،
ان کے قلم میں اتنا زور اور ان کے بیان میں اتنا جوش کیوں پیدا ہو جاتا ہے، عقل فعال کا جو
فلاسفہ یونان کے نزدیک درحقیقت عالم کی مدبر اور کائنات کے اندر موثر ہے "نسب نامہ"
پیش کر دیا جاتا ہے، جو ان حکماء نے تجویز کیا ہے، اور جس پر انھوں نے سارے خلق و امر کی

۱۷ سورہ مومن - ۳۶ - ۳۷
۱۷ مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

بنیاد رکھی ہے، اس کے ایک ایک لفظ پر موافق اور مخالف دلائل کا انبار ہے، لیکن یہاں صرف
فہرست شجرہ پر اکتفا کی جاتی ہے:-

"مبدأ اول (واجب الوجود) چونکہ تمام وجوہ سے واحد ہے اور یہ مسلم ہے کہ واحد سے صرف
واحد کا صدور ہو سکتا ہے، اور عالم مختلف چیزوں سے مرکب ہے، اس لئے اس کا صدور اس سے
نہیں ہو سکتا، اس کے وجود سے اس کے بلا ارادہ و اختیار اور علم، عقل اول کا اس طرح فیضان
ہوا جس طرح چراغ سے روشنی کا فیضان ہوتا ہے، اور انسان کے ساتھ سایہ ہوتا ہے، عقل اول
ایک ایسا موجود ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے، نہ تو وہ جسم ہے، اور نہ کوئی جسم اس کا محل ہے،
اس کو اپنے نفس کی معرفت ہے، اور اپنے مبدأ کی بھی، اس کا نام خواہ فرشتہ رکھا جائے، خواہ عقل
اول، خواہ کچھ اور، اس کے وجود سے تین چیزیں لازم آتی ہیں، عقل ثانی اور فلک علی (یا فلک افلک)
(جو نواں آسمان ہے) کا نفس اور اس فلک کا جرم، پھر عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک کوکب کا
نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر اس عقل ثالث سے عقل رابع اور فلک زحل کا نفس اور اس کا
جرم وجود میں آیا، پھر عقل رابع سے عقل خامس اور فلک مشتری کا نفس اور اس کا جرم وجود میں
آیا، پھر عقل خامس سے عقل سادس اور فلک مریخ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سادس سے
عقل سابع اور فلک شمس کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سابع سے عقل ثامن اور فلک ہرہ کا نفس
اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل ثامن سے عقل تاسع اور فلک عطارد کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا،
پھر عقل تاسع سے عقل عاشرا اور فلک قمر کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، یہی عقل خیر ہے جس کا نام عقل فعال ہے،
اس سے فلک قمر کا حصول لازم آیا جو ایک مادہ ہے، جو عقل فعال اور طبائع افلک کے اثر سے
کون فساد کو قبول کرتا ہے، پھر ان مواد میں کوکب کی حرکات کے سبب مختلف طرح کے
امتزاج ہوتے ہیں جن سے معادن، نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں، یہ عقول عشرہ

اور افلاک تسعہ ہیں۔

یہ دراصل یونانیوں کا وہ علم الاصنام ہے جس کا نام انھوں نے فلسفہ اور الہیات رکھ دیا اور لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور مباحثہ شروع کر دیا یا محض فرضی داستان گوئی اور افسانہ آرائی ہے جس پر بے اختیار قرآن کی یہ آیت یاد آتی ہے:-

مَا أَشْهَدُ تَهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر اور
وَلَا خَلَقَ أَنْفُسَهُمْ وَمَا كُنْتُ مُمْسِكًا
خود ان کی پیدائش پر گواہ نہیں بنایا اور میں
الْمُضِلِّينَ عَصُدًا ۝

(الکہف ۵۱) والا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ نے (اس نقشہ کو نقل کرنے کے بعد) سچ لکھا ہے کہ ”یہ محض دعاوی و حکمت ہیں بلکہ درحقیقت ”ظلمات فوق ظلمات“ تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب ہی دیکھنا بیان کرے تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی!

دوسری جگہ لکھتے ہیں ”مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ عقلاء جو اپنے خیال میں معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہوں!“ ان فلاسفہ نے اللہ سے تمام صفات کمال اور تمام مخلوقات کی خلق و صنعت کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و غیر مختار ثابت کیا اور یہ سب اپنے نزدیک ذات واجب الوجود کی تعظیم و تشریح کے لئے کیا، امام غزالیؒ اس موقع پر بے اختیار ہو کر لکھتے ہیں:-

”جو اس پر قانع ہو کہ اللہ کے بارے میں اس کے قول کا حاصل یہ مرتبہ ہو تو اس نے اس کو

ہر اس موجود سے بھی زیادہ حقیر قرار دیا جس کو اپنے نفس کا بھی شعور ہے اس لئے کہ جس کو دوسرا

۱۰ تہافت الفلاسفہ ص ۳۳

اور اپنا شعور ہو گا وہ اس مرتبہ میں بلند ہو گا جس کو اپنے سوا کسی چیز کا شعور نہ ہو، تعظیم میں یہ مؤثر کافی ان کو یہاں تک لے گئی کہ انھوں نے عظمت کے تمام معانی اور فہومات کو باطل کر دیا اور اس کو ایسے مردہ کے درجہ کو پہنچا دیا، جس کو کچھ خبر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، بس صرف اتنا فرق ہے کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو یہ بھی نہیں ہوتا) اللہ اس طرح لوگوں کو سزا دیتا ہے، جو اس کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں، اور ہدایت کے راستہ سے کترا کر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول ”مَا أَشْهَدُ تَهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر گواہ نہیں کیا) کے منکر میں، جو اللہ کے ساتھ براگمان رکھتے ہیں، جن کا اعتقاد ہے کہ امور بربیت کی حقیقت و گہرائی کو انسانی طاقتیں پورے طور پر پاسکتی ہیں، جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں جن کا خیال ہے کہ عقل کے ہوتے ہوئے انبیاء اور ان کے تبعین کی تقلید کی ضرورت نہیں، اس کا لامحالہ نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے ”معقولات“ کا لب لباب وہ نکلا کر اگر خواب کے طور پر بھی بیان کیا جائے تو تعجب ہو!

ان سب چیزوں کو دیکھ کر نعمت رسالت کی قدر آتی ہے کہ ”مَا كُنَّا لِنُفْتَدِيَ نَوْلًا اِنْ هَذَا اَنَا
اللَّهُ لَقَدْ جَاءَكَ رَسُولٌ مِّنَّا بِالْحَقِّ“ یہ عقل کی بے بسی اور عقلاء و حکماء (جن کی حکمت و عقل علوم ریاضیہ اور علوم عملیہ میں کامیاب ہوئی) کی ان مسائل الہیہ میں ناکامی کا پر عبرت نمونہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف کس طرح ان چیزوں کی نسبت کی جن کی نسبت وہ اپنی طرف اور حقیر ترین مخلوقات کی طرف پسند نہیں کرتے اور اس کو کس طرح معطل، بے اختیار اور لاعلم قرار دیا، اور اس کو اس کی تعظیم کا عین تقاضا سمجھا ”سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“

۱۰ تہافت الفلاسفہ ص ۳۳

اب حضرت مجدد کے مندرجہ ذیل ارشادات پر نظر ڈالئے جو ان کے مختلف مکاتیب سے اقتباس کئے گئے ہیں، فرماتے ہیں:-

”عقل اگر معرفت الہی کے مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدی بنایا ہے مگر اہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے، اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار و معطل سمجھ لیا اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے اس کو کسی چیز کا فاعل اور خالق نہیں مانتے اور وہ بھی (ان کے خیال کے مطابق) اس سے اضطراراً نہ کہ اختیاراً وجود میں آئی ہے، انہوں نے اپنی طرف سے عقل فعال تراشی ہے، حوادث کو زمین و آسمان کے خالق سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اثر کو موثر حقیقی سے روک کر اپنی تراشیدہ چیز (عقل فعال) کا اثر مانتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک معلول علت قریبہ کا نتیجہ ہوتا ہے، علت بعیدہ کے لئے معلول کے حصول میں وہ کوئی دخل و اثر نہیں مانتے، اور اپنی نادانی سے ان اشیاء کی اللہ کی طرف نسبت نہ ہونے کو اللہ کی صفت کمال جانتے ہیں، اور اس کو بیکار و معطل ماننے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کو خود زمین و آسمان کا خالق کہتا ہے، اور رَبِّ الْمَشْرِقِ وَرَبِّ الْمَغْرِبِ کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔

ان بے عقلوں کو اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج نہیں، اور نہ اس کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے، مجبوری اور ضرورت کے وقت چاہئے کہ یہ اپنی ”عقل فعال“ کی طرف رجوع کریں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں، اس لئے کہ اصل قدرت اور اصل اختیار ان کے نزدیک اسی کا ہے، بلکہ عقل فعال بھی ان کے خیال کے مطابق اپنا عمل کرنے میں مجبور اور غیر مختار ہے، اس لئے اس سے بھی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہنا غیر معقول بات ہے،

اصل یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ”أَلَا الْكَافِرِينَ لَآمِلُونَ لِقَاءَهُمْ (ان کافروں کا کوئی سرپرست اور کارساز نہیں) ان کا بھی کوئی حامی و ناصر نہیں، خدا بھی نہیں اور عقل فعال بھی نہیں، عقل آخر کیا چیز ہے، جو چیزوں کا انتظام کرتی ہے، اور حوادث کے ظہور و خلق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، محض اس کے ثابت ہونے اور اس کی ہستی میں ہزاروں اعتراض و کلام ہیں، کیونکہ اس کا ثبوت و وجود محض فلسفہ کے گڑھے ہوئے مقدمات پر مبنی ہے، جو اسلام کے قواعد صحیحہ کی رُو سے نامکمل اور ناقص ہیں، کوئی احمق ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر و مختار جل شانہ، سے ہٹا کر اسے محض ایک فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کرے گا، بلکہ خود ان چیزوں کو اس بات سے ہزار ہزار رنگ و عار ہے کہ وہ اپنے خلق میں فلسفہ کی ایک تراشی ہوئی بے حقیقت چیز کی طرف منسوب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اپنے نابود ہونے پر راضی و مسرور ہوں گی، اور ان کو موجود ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوگی، اس بات کے مقابلہ میں کہ ان کے وجود کی نسبت ایک بے حقیقت فرضی شئی کی طرف ہو اور وہ قادر و مختار کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہو جائیں (قرآن مجید میں ہے) ”كَلِمَاتٌ مُّخْرَجَةٌ مِنْ أَوْفَاهِمْ يَوْمَئِذٍ يَقُولُونَ لِآلِ كَذِبًا“ (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، یہ محض جھوٹ کہتے ہیں) دارالحرک کے کافر اپنی بت پرستیوں کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے مشکل کے وقت التجا کرتے ہیں، اور بتوں کو اس کے حضور میں شفاعت کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب و سنت کے مخالف،

حکماء کا ان لقب دینا جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس بحفاظت سے ہے؟ ہاں البتہ طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے یا اس طرح جس طرح نابینا کو نابینا کہا جائے!

عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے

”اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی اور ہم کو ہدایت نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ خود ہماری ہدایت نہ کرتا، بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے، انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بھیجنے کے احسان کا شکر کس زبان سے بجا لایا جائے، اور کس دل سے اس بحسن کا اعتقاد کیا جائے اور وہ اعضاء و جوارح کہاں ہیں کہ اعمال حسنہ کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی مکافات کی جائے اگر ان حضرات کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ہم کوتاہ فہم انسانوں کو زمین و آسمان بنانے والے کے وجود اور اس کی یکتائی کی طرف کون رہنمائی کرتا، متقدمین فلاسفہ یونان باوجود اپنی ذہانتوں کے زمین و آسمان کے بنانے والے (جل شانہ) کے وجود کی طرف راستہ نہ پاسکے، اور کائنات کے وجود کو انھوں نے دہر (زمانہ) سے منسوب کیا اور جب روز بروز انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی دعوت روشن ہوتی چلی گئی، متاخرین فلاسفہ نے ان انوار کی برکت سے قدامت کے مذہب کی تردید کی اور صالح جل شانہ کے وجود کے قائل ہو گئے اور اس کی توحید کا بھی اقرار کیا، پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی امداد کے بغیر اس کام سے بے بس اور ہمارا فہم انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے وجود کے توسط کے بغیر اس معاملہ سے دور ہے!“

۱۷ مکتوب ۲۳۱ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانہ۔

۱۸ مکتوب ۲۵۹ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ۔

نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے

”نبوت کا طریق عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے جن امور کے ادراک میں عقل قاصر ہے، ان کا ثبوت نبوت کے طریق سے ہوتا ہے، اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کس لئے مبعوث ہوتے، صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اجمعین“ اور آخرت کے عذاب کو کیوں ان کی بعثت کے ساتھ وابستہ کیا جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا“ (ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں، جب تک کسی پیغمبر کو نہ بھیجیں) عقل اگرچہ حجت ہے، لیکن حجت بالغہ نہیں ہے، اور اپنے حجت ہونے میں کامل نہیں ہے، حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے اور اس نے مکلفین کی زبان عذر بند کر دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“ (پیغمبر جو بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں، تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے، انبیاء کی بعثت کے بعد اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے) جب بعض مسائل میں عقل کے ادراک کا عجز اور کوتاہی ثابت ہو گئی، پس تمام احکام شرعیہ کو عقل کی ترازو میں تولنا مستحسن نہیں، ہمیشہ ان مسائل و احکام کو عقل سے مطابق کرنے کی کوشش اور اس کی پابندی عقل کے کافی ہونے کا فیصلہ کرنا ہے اور نبوت کے طریق کا انکار اللہ ہم کو اس پناہ میں رکھے!

۱۹ سورہ بنی اسرائیل - ۱۵ ۲۰ سورہ النساء - ۱۶۵ ۲۱ مکتوب ۳۶ بنام میر محمد عثمان

عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں حیرت انگیز بات یہ ہے (جس کی تائید الہی اور اعلیٰ درجہ کی سلامت فکر کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں) کہ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں جب ساری دنیا پر اور خاص طور پر ایران اور ہندوستان پر فلسفہ و حکمت کی اس تعلیم کے اثر سے جس کا انحصار فلسفہ یونانی پر تھا اور جس نے افلاطون و ارسطو کو مقام تقدس اور درجہ عصمت تک پہنچا دیا تھا، دماغوں پر عقلیت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ مقدمات عقلیہ سے منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کر دینے پر اور فلاسفہ یونان نے جن چیزوں کو دیدہ و قطعاً بتایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد زبانیں گنگ اور نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں، بلکہ پرستاران حکمت و عقلیت ان مزعومہ "حقائق" کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

مجدد صاحب نے (ہمارے علم میں کم سے کم علماء اسلام میں) پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا جسم عنصری کے تعلق اور ماحول میں پھیلے ہوئے اوہام و تخیلات، عقائد و مسلمات نیز باطنی رجحانات اور راسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق و صفائی نفس کی رفاقت و مدد بھی حاصل ہو تب بھی اس کا باطنی و خارجی اثرات، تعلیم و تربیت اور معاشرہ یا ماحول میں جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کر لیا ہے، ان کے اثر سے آزاد ہو کر حقیقت نفس الامری تک پہنچنا اور بے لاگ فیصلہ صادر کرنا "انشاذ کاملہ" کا حکم رکھتا ہے اور جب کا کچھ اعتبار نہیں، مجدد صاحب کی تحقیق اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر

زور دینا یہ اس عہد اور ان کے ماحول کے لحاظ ہی سے نہیں، بلکہ علمی و فکری دنیا میں ایک دریافت اور ایک ایسا انقلابی اور جرأت مندانہ اعلان ہے جس کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر ابھی تک نہیں کیا گیا، حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کو بحث و تحقیق اور شرح و تفصیل کا موضوع بنایا جاتا۔

عجیب تو ارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دو سو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی ایمنول کانت (IMMANUEL KANT, 1724-1804) نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول، ورثہ اور عادات و معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا اس نے عقل کے حدود کی جرأت و وضاحت کے ساتھ تعین کی اور ۱۷۸۱ء میں اپنی معرکہ الآراء کتاب "تنقید عقل محض" (CRITIQUE OF PURE REASON) شائع کی، جس نے دنیا کے فکر و فلسفہ میں لمچل ڈال دی اور ڈاکٹر مسر محمد اقبال کے الفاظ میں "روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا" مغرب میں اس کے اس کارنامہ کی عظمت کا شاندار طریقہ پر اعتراف کیا گیا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کا سب سے بڑا عطیہ تھا، تاریخ فلسفہ جدید کا مصنف ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈینگ اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ کتاب فلسفہ کا ایک غیر فانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گردیوں میں انگشت رہنما کا کام کیا"۔

لے اس کتاب کا ترجمہ جو اصلاً جرمن زبان میں تھی، "تنقید عقل محض" کے نام سے ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور کامیاب مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے کیا، اور انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے ۱۹۳۱ء میں شائع کیا۔

۵۲ THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM, P. 5

۵۳ تاریخ فلسفہ جدید ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم جلد دوم ص ۳۸

کانٹ کے نزدیک فکر اپنا عمل ادعائی طور پر شروع کرتا ہے اسے غیر ارادی طور پر اور اکثر سادہ لوحی سے اپنے قوی اور اپنے مفروضات و مقدمات کی صحت پر اعتماد ہوتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میں تمام مسائل کو حل کر سکتا ہوں اور کائنات کی کنہ تک میری رسائی ہو سکتی ہے..... اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تعمیرات فکر افلاک تک نہیں پہنچ سکتیں اور ہندسوں میں ان کے نقشوں کے متعلق اتفاق رائے نہیں ہو سکتا تشکیک کا زمانہ ہے اس نے دیکھا کہ ابھی ایک ایسا کام باقی ہے جسے ادعائیں اور تشکیکین دونوں نے نظر انداز کر دیا تھا وہ یہ کہ ہم اپنی عقل اور اپنے علم کی ماہیت کے متعلق تحقیق کریں اور دریافت کریں کہ ہمارے اندر فہم اشیاء کے لئے کس قسم کے صور قوی پائے جاتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم کہاں تک جا سکتے ہیں۔

اب اس کے بعد ایک مسلمان عالم و مفکر (جو ہندوستان کے محدود علمی و مدرسی ماحول میں رہا اور جس نے حکمت و فلسفہ کے بجائے علوم نبوت اور معرفت و رضائے الہی کے حصول کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا عقل خالص کی تنقید میں فلسفہ کے پیچ و خم سے دور رہتے ہوئے عام فہم و دل نشین بیان پڑھے۔ مجدد صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "عقل اپنی ذات سے اگرچہ احکام الہی میں ناقص و ناتمام ہے، مگر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ صفائی نفس اور تزکیہ کے بعد عقل کو ایک مناسبت اور ذات الہی سے ایک بے کیفیت اتصال پیدا ہو جائے جس کے ذریعہ سے وہ وہاں سے احکام اخذ کرے اور بعثت کی ضرورت جو فرشتہ کے واسطے سے ہوتی ہے نہ پڑے!"

تحریر فرماتے ہیں:-

"(جواب) عقل خواہ وہ مناسبت و اتصال پیدا کرے مگر جو تعلق وہ جسم عنصری سے رکھتی ہے وہ کلیتہً زائل نہیں ہوتا، اور مکمل آزادی و بے آمیزی وہ نہیں پیدا کر سکتی، و اہمہ ہمیشہ اس کا دانگیر رہتا ہے، اور تنخیلہ اس کے خیال کو کبھی نہیں چھوڑتا، غصہ اور خواہش کی قوتیں سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں اور حرص و ہوس کی صفات مذموم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، بھول چوک جو انسان کے لوازم میں سے ہے اس سے علیحدہ نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو اس زندگی کے خواص میں سے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے، پس عقل اعتماد کے لائق نہیں اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و تصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں اور بھول چوک کی آمیزش اور غلطی کے شبہ سے محفوظ نہیں، بخلاف فرشتہ کے جو ان صفات سے پاک ہے، اور ان نقائص سے بری، پس لامحالہ وہ اعتبار کے لائق ہے، اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و غلطی کے شبہ سے محفوظ ہیں، بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ وہ علوم جن کو اس نے روحانی اخذ و تحصیل کے ذریعہ حاصل کیا ہے، قوی اور جو اس تک ان کو پہنچانے میں بعض ایسے مقدمات جو اس کے نزدیک مسلم ہیں (لیکن غیر واقعی ہیں، اور وہم و خیال یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں) بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ اس وقت بالکل اس کی تمیز نہیں ہونے پاتی، دوسرے وقت کبھی اس کا امتیاز عطا ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، پس لامحالہ ان علوم میں ان مقدمات کی شمولیت کی وجہ سے غیر واقفیت اور عدم صداقت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ اعتبار کے لائق نہیں رہتے!"

اہل اشراق و صفائی نفس

حصول یقین علم صحیح، تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس اور اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی تنظیم اور صالح تمدن کی تعمیر کا ایک بے خطا اور معصوم ذریعہ قدیم زمانہ سے اشراقیت و روحانیت کو سمجھا گیا، زمانہ قدیم میں مصر و ہندوستان اس کا بہت بڑا مرکز تھے، اس تحریک کے فروغ اور اس کی ہر دو عزیز میں وہ رد عمل بھی کام کر رہا تھا، جو ایک طرف غالبانہ عقل پرستی دوسری طرف مجنونانہ حواس پرستی کے خلاف یونان و روم میں پیدا ہو گیا تھا، اور بالآخر اس نے اسکندریہ (مصر) کو جو مشرقی و مغربی عقلیت و مذاہب کا سنگم تھا اپنا مرکز بنایا۔

اس فلسفہ اور تحریک کے داعیوں اور پیروؤں کا کہنا یہ ہے کہ حصول یقین علم صحیح کا سب سے بڑا ذریعہ مشاہدہ ہے اور وہ نور باطن صفائی نفس اور باطنی حاسہ کو بیدار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، حقائق کا حصول اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضت، مخالفت نفس اور مراقبہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر یہ قول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر جو اس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹا حاسہ (باطنی) عمل کرنے لگتا ہے اور اس کے نتائج (مشاہدات) غیر مرئی انوار غیر مجموع اصوات اور پہلے سے غیر معلوم حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ حاسہ انسان کے دوسرے حواس کی طرح محدود اور غلطی و غلط فہمی میں مبتلا ہونے والا نہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کے نتائج میں تعارض و تضاد کا وجود اور شک و احتمال نہ پایا جاتا، لیکن اشراقیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس حاسہ باطنی کے محسوسات اور وہ جن نتائج و عقائد

تک پہنچاتا ہے، ان میں اسی طرح سے تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ فلاسفہ

یونان اور مشرق کے حکماء و عقلمین میں پایا جاتا ہے، اشراقیت قدیم کو چھوڑ کر (جس کی تاریخ

محفوظ نہیں) اشراقیت جدیدہ (NEO - PLATONISM) کو لے لیجئے اس کے پیشواؤں کے مذہبی

عقائد پر مرتب ہونے والے اعمال میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے، پلاٹینس (PLOTINUS) اپنے زمانہ

کے مذہبی نظام اور مروجہ عبادات کا قائل نہیں، اور آزاد مشرب فلسفی ہے، جو عمل کے بجائے تفکر

اور مراقبہ پر زور دیتا ہے، لیکن اس کا شاگرد رشید پارفری (PORPHYRY) ایک زاہد خشک صوفی

ہے، PLOTINUS انسانی روح کے جانوروں کے جیون میں ظاہر ہونے کا قائل ہے، لیکن

PORPHYRY اس کا منکر ہے، اس مسلک کا تیسرا نامور پیشوا پراکلس (PROCLUS) پورے مصری

رسوم، دینی و مذہبی تقریبات کا پابند تھا، اور دن میں تین دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا، اس کا

مذہب مختلف مذاہب و اعتقادات کا بچون مرکب تھا، اور یہ سب اہل مشاہدہ اور یقین تھے،

PORPHYRY نے مسیحیت کی مخالفت کی اور رومی بت پرستی اور جاہلیت (PAGANISM)

کے اچھا کی تحریک میں شہنشاہ روم کی تائید کی، اور اس کو نور باطن نے شرک و بت پرستی

کے اس ڈوبتے ہوئے جہاز کے ساتھ اپنی قسمت و البستہ کر دینے سے روکا نہیں۔

مسلمانوں میں بھی جن کو اشراق اور قوت کشفیہ پر پورا اعتماد تھا، ان کے باطنی محسوسات

و کمشوفات میں بھی بکثرت تعارض ملتا ہے، ایک صاحب کشف دوسرے صاحب کشف سے

اختلاف کرتا ہے، اس کے کشف کو امر واقعی کے خلاف بتاتا ہے، اور کبھی اس کو سکر اور غلبہ حال

پر محمول کرتا ہے، عقول (جن کا ذہن اور کتب فلسفہ کے علاوہ) کہیں وجود خارجی نہیں، ان سے

یہ اہل کشف مصافحہ کرتے ہیں، اور ان سے اپنی ملاقات ثابت کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، تصوف

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذہب و اخلاق کا انسائیکلو پیڈیا عنوان (NEO - PLATONISM)

کی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول

ان مسلمان اہل اشراق میں چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کا اشراقی حکیم شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی (۵۱۹ھ - ۵۸۷ھ) معروف بالمقتول خاص شہرت رکھتا ہے، جو اپنے مخالف اسلام اور انتشار انگیز عقائد و خیالات کی بنا پر الملک لظاہر کے حکم سے ۵۸۷ھ کو قتل کیا گیا، وہ اپنے کوشاکی و صوفی کہتا تھا، اس کے یہاں مشائی تصورات کے ساتھ بقول (S. V. DEN BERGH) "وہ سارا متصوفانہ فلسفہ موجود ہے جو مسلمانوں نے یونانی نظریہ تطبیق معقنات اور اتحاد مذاہب سے اخذ کیا" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مذکورہ بالا مقالہ نگار کے بقول "در اصل یہ نوافلاطونی نظریہ نور ہے، جس کو اشیاء کی بنیادی حقیقت تصور کیا جاتا ہے"۔

شہر زوری لکھتے ہیں "وہ دونوں فلسفے یعنی فلسفہ ذوقیہ (اشراقیہ) اور فلسفہ بحثیہ (فلسفہ مشائیہ) کا جامع تھا" اس کی اہم کتاب "حکمت الاشراق" ہے، جس کی شرح علامہ قطب الدین شیرازی نے کی اور وہ "شرح حکمت الاشراق" کے نام سے علمی و درسی حلقوں میں شہور ہے۔ شیخ الاشراق کے نزدیک عقول کی تعداد دس میں محدود نہیں بلکہ ہر نوع کے لئے ایک عقل ہے، جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شیخ الاشراق ان کو انوار مجردہ کہتا ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک آسمان ایک زندہ مخلوق ہے، اس میں نفس مجردہ پایا جاتا ہے، جو اس کو حرکت دیتا ہے، وہ عدم و فساد سے محفوظ ہے، آسمان میں نفس ناطقہ پایا جاتا ہے، اس لئے اس میں جو اس بھی پائے جاتے ہیں، اس کے نزدیک کل آسمان ایک زندہ مخلوق ہے، اور انوار عالیہ یعنی عالم مجرد آکا

لے دائرہ معارف اسلامیہ۔

انوار پرستاروں کے ذریعہ سے پڑتا ہے، اور انہی کے ذریعہ سے قوائے جسمانیہ حرکت میں آتے ہیں سب سے بڑا ستارہ سورج ہے، اشراقیین کے مذہب میں اس کی تعظیم واجب ہے، عالم کائنات میں بالذات وبالواسطہ نور ہی نور کی حکومت ہے، حرکت و حرارت نور سے پیدا ہوتی ہے، اور آگ میں یہ دونوں اوصاف اور عناصر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں، جس طرح نفس عالم ارواح کو روشن کرتا ہے، اسی طرح آگ عالم اجسام کو روشن کرتی ہے، خدا نے ہر عالم میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کیا ہے، عالم عقول میں عقل اول، عالم افلاک میں ستارے اور ان کے نفس ناطقہ، عالم عناصر میں نفوس بشریہ اور ستاروں کی شعاعیں اور آگ بالخصوص (رات کی تاریکی میں) اس کے خلیفہ ہیں، یعنی اس کی اصلاح و تدبیر کرتی ہے، خلافت کبریٰ انبیاء کے نفوس کاملہ کو حاصل ہوتی ہے، خلافت صغریٰ آگ سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ تاریک راتوں میں وہ انوار علویہ اور ستاروں کی شعاعوں کی قائم مقامی کرتی ہے، غذا اور خام چیزوں کو پختہ کرتی ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک عالم قدیم ہے، زمانہ ازلی وابدی ہے، وہ تناسخ کا قائل نہیں لیکن اس کا انکار بھی نہیں کرتا (کیونکہ اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل تسلی بخش نہیں ہیں)۔

اس طرح اپنے وقت کا ممتاز اشراقی حکیم جس نے مشرق میں شیخ الاشراق کا لقب پایا اور جس کی ذہانت، تبحر علمی اور زہد و تجرد اس کے معاصرین کو بھی تسلیم ہے، اس کو اس کی اشراقی و صفائی نفس، یونانی مفروضات اور ایرانی و مجوسی مزخرفات کے اختیار کرنے سے باز نہیں رکھ سکی، وہ بعثت مجددی اور اس پر مرتب ہونے والی ہدایت، فلاح دینی و نبوی اور معرفت صحیحہ سے محروم رہا، اس نے ایک غیر متوازن، انتشار و اضطراب سے بھری ہوئی ناکام زندگی گزاری اور وہ اپنے پیچھے ہدایت اور نفع خلائق کا کوئی نظام چھوڑے بغیر دنیا سے رخصت ہوا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حکماۃ اسلام" ج ۲ از مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم۔

عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں

کانٹ (KANT) نے عقل خالص کے وجود میں بہت شبہ ظاہر کیا ہے، اور ثابت کیا کہ اس کا بے آمیز اور اندرونی و بیرونی اثرات سے آزاد ہونا تقریباً ناممکن ہے، لیکن وہ کشف و علم باطنی کی دنیا سے نا آشنا تھا، اس لئے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا، مجدد صاحب نے جو اس دریا کے بھی غواص تھے ایک قدم آگے بڑھ کر کشف خالص اور الہام خالص کے مشکل اور نادر الوجود ہونے پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اشراق اور صفائی نفس کے ذریعہ بھی ان غیبی حقائق اور لاریبی علوم تک رسائی ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی بعثت کے راستہ سے عوام و خواص کو حاصل ہوتے ہیں، اس طرح بعثت کے بغیر نہ وصول الی المرقت ہوتا ہے نہ حصول نجات، نہ حقیقی تزکیہ اس سلسلہ میں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پڑھئے:

ان نادانوں (حکماء) کے ایک گروہ نے انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے راستہ کی پابندی کے بغیر صوفیہ الہیہ (جو ہر زمانہ میں انبیاء کے پیرو اور تبع رہے ہیں) کی تقلید میں ریاضت اور مجاہدہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر فریب کھایا، اور اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیا، اور اپنے خیالی کشف و کشوف کو اپنا مقتدری بنایا، "صَلُّوا فَاَضَلُّوا" (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) یہ نہیں جانتے کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راستہ دکھاتی ہے، نہ کہ صفائی قلب جو کہ ہدایت کا دریچہ ہے، اس لئے کہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی پیروی سے وابستہ ہے، اور نفس کا تزکیہ (اصلاح و تصفیہ) قلب کی صفائی کے ساتھ مربوط ہے، "اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفس کی اصلاح و تربیت کرتے قلب جو ذات باری تعالیٰ کے انوار کا مظہر ہے، اس کی ظلمت کے ساتھ نفس جو صفائی پیدا کرے گا اس کا حکم اس چراغ کا سا ہے جس کو اس لئے روشن کیا گیا ہوتا کہ

پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین (اس کی روشنی میں) گھر کو تاراج و برباد کر دے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ نظر و استدلال کے رنگ میں اس وقت اعتبار و اعتماد پیدا کرے گا، جب وہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی تصدیقات کے ساتھ ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ فرماتے ہیں، اور اس کی مدد ان کی امداد کرتی ہے، ان حضرات کا نظام ایسے ملائکہ کے نزول کی وجہ سے (جو غلطی اور گناہ سے محفوظ ہیں) دشمن لعین کے کمر سے محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ "إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ" (بے شک میرے خاص بندے تیرا (اے ابلیس) ان پر کوئی زور نہیں) اور یہ بات دوسروں کو میسر نہیں اور اس لعین کے نامبارک حال سے ان کی رہائی متصور نہیں، سوائے اس کے جو ان حضرات کی پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے

محالست سعدی کہ راہ صفا

توان رفت جز بر پئے مصطفیٰ

"سعدی سلامتی کے راستہ پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلنا محال

ہے" اللہ کا درود و سلام ہو، ان پر اور ان کی آل اور ان کے تمام برادران انبیاء پر۔

کشف میں آمیزش

"یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کشف کی غلطی ہمیشہ ابقاء شیطانی ہی کی بنا پر نہیں ہوتی، اکثر ایسا ہوتا

ہے کہ بعض غیر واقعی اور صداقت سے عاری احکام متخیلہ میں جاگزین ہو جاتے ہیں، وہاں

شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، لیکن (یہ خیالات) خارج میں متمثل ہو کر آتے ہیں، اسی سلسلہ کی

یہ چیز ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں (جو شریعت کے ثابت شدہ مسائل اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوتے ہیں) اس صورت میں القاء شیطانی منظور نہیں ہے، علماء کی تحقیق یہ ہے کہ شیطان آپ کی صورت میں تمثیل نہیں ہوتا تو اس صورت میں صرف متخیلہ کا تصور ہوتا ہے جس نے خلاف واقع کو واقع سمجھ لیا ہے!

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

”نفس خواہ تزکیہ کے ذریعہ نفس مطمئنہ بن گیا ہو، لیکن وہ اپنی صفات سے پورے طور سے مجرد نہیں ہوتا اس لئے غلطی کو اس کے اندر بھی راہ پا جانے کا موقع ملتا ہے!“

فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد

انتا تخریر فرمانے کے بعد آپ فلاسفہ و انبیاء کی تعلیمات کے درمیان اس کھلے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے اور جن میں تطبیق ممکن نہیں اور یہ کہ ان کی عقلی مساعی اور بلند پروازیاں، کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مرادف ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں:-

”فلاسفہ کی عقل ناقص گویا نبوت سے بالکل ضد اور مقابل سرے پر واقع ہوئی ہے، ابتداءً عالم کے بائیں میں بھی اور آخرت کے بائیں میں بھی، ان کے مسائل و مباحث انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات کی تعلیمات کے بالکل مخالف ہیں، انھوں نے نہ ایمان باللہ درست کیا نہ ایمان بالآخرت، عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ تمام اہل ادیان و

لہ مکتوب ۱۰ بنام محمد صادق کشمیری۔ ۱۱ مکتوب ۱۲ بنام شیخ درویش۔

اہل ملل کا اجماع ہے کہ عالم حادث ہے، اپنے تمام اجزاء کے ساتھ، اسی طرح آسمانوں کے پھٹ جانے، تاروں کے جھڑ جانے، پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، سمندروں کے بہ پڑنے کے قائل نہیں جس کا بروز قیامت وعدہ ہے، اسی طرح اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور قرآن کی تصریحات کا انکار کرتے ہیں، ان کے متأخرین جو اپنے کو اہل اسلام کے گروہ میں شامل کرتے ہیں، اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر حجب ہوئے ہیں، اور فلک کو اکب اور اسی طرح دوسری چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، اور ان کے فنا و ہلاک نہ ہونے کے مدعی، ان کی خوراک قرآنی تصریحات کی تکذیب، اور ان کا رزق دین کے اصولی مسائل کا انکار ہے، عجب طرح کے مومن ہیں کہ خدا و رسول پر ایمان لاتے ہیں، لیکن خدا اور رسول نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے، اس سے بڑھ کر حماقت نہیں ہو سکتی کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس گل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

فلسفہ چوں کہ اس کے لفظ کا بڑا حصہ ”سفہ“ (حماقت ہے) اس لئے وہ کل حماقت ہی ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ اکثر گل کا حکم رکھتا ہے۔

اس جماعت نے اپنی عمر ایسے آلہ (منطق) سیکھنے سکھانے میں صرف کی جو فکری غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے، اور اس بارے میں انھوں نے بڑی زحماتیں اٹھائیں، مگر جب فائنات و افعال باری تعالیٰ کی بحث کو پہنچے جو مقصد اعلیٰ ہے، تو انھوں نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے، اور اس آلہ کو جو غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے، ہاتھ سے دیکر ٹھوکریں کھانے لگے، اور گمراہی کے دشت و بیابان میں بھٹکنے لگے، جیسے کہ ایک شخص برسوں جنگ کے سامان و آلات

تیار کرتا رہتا ہے اور عین جنگ کے وقت ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا ہے اور اس سے کچھ بنتا نہیں۔ لوگ علوم فلسفہ کو بہت باقاعدہ اور منظم سمجھتے ہیں، اور غلطی و خطا سے محفوظ جانتے ہیں، اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ حکم ان علوم کے بارے میں ہوگا جن میں عقل تنہا کافی ہو سکتی ہے، جو یہاں بحث سے خارج ہے، اور مالا یعنی (غیر مفید مطلب) کے حکم میں ہے اور آخرت سے جو دائمی ہے، کچھ واسطہ نہیں رکھتے اور نجات اخروی ان سے وابستہ نہیں گفتگو ان علوم کے بارے میں ہے کہ عقل ان کے ادراک میں عاجز و قاصر ہے، اور وہ طریقہ نبوت سے مربوط ہیں، اور نجات اخروی ان سے وابستہ ہے، پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:-

”علم منطقی جو ایک ایسا علم ہے جو (بعد کے علوم عالیہ کے لئے) ایک آلہ کے طور پر ہے اور اس کے متعلق لوگوں نے کہا ہے کہ وہ خطا سے حفاظت کرنے والا ہے، ان کو کام نہیں آتا اور مقصد اعلیٰ میں ان کو خطا اور غلطی سے اس نے باہر نہیں نکالا، وہ ان کے کام نہ آیا تو دوسروں کے وہ کیا کام آئے گا، اور غلطی سے کسی طرح نکالے گا؟

(اللہ تعالیٰ سے اسی کے الفاظ میں دعا ہے) ”رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ“ (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر اس کے بعد تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے۔ سورہ آل عمران - ۸)

بعض آدمی جو علوم فلسفہ میں کچھ دخل در معقولات رکھتے ہیں اور فلسفیانہ ملمع سازوں کے فریب میں ہیں، اس جماعت کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا ہم سر اور مقابل سمجھتے ہیں، بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شریعتوں پر مقدم رکھیں، اللہ ہم کو بڑے اعتقاد سے بچائے، تو ہاں جس وقت

ان کو حکماء جانتے ہیں، اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں، خواہ مخواہ اس بلا میں گرفتار ہوتے ہیں، اس لئے کہ حکمت نام ہے کسی شئی کے اس علم کا جو حقیقت واقعی کے مطابق ہو، پس جو علوم (مثلاً انبیاء کی شریعتیں) ان علوم حکمت کے مخالف ہوں گے، وہ ان حکماء کے خیال میں حقیقت واقعی کے خلاف ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء کی تکذیب اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے علوم کی تکذیب ہے، اس لئے کہ یہ دونوں (حکماء اور انبیاء کے) علوم ایک دوسرے سے بالکل مقابل سرے پر واقع ہوئے ہیں، ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے، جو چاہے انبیاء کے دین کا پابند ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے ہو اور اہل نجات میں سے ہو اور جس کا جی چاہے فلسفی ہو جائے، اور شیطان کے گروہ میں سے ہو اور نامراد و ناکامیاب ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”مَنْ سَاءَ بِخَلْقِهِ مِنْ تَعْمُرٍ وَمَنْ سَاءَ فَلْيَكْفُرْ، إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهَا أُنَاسٌ يَتَّبِعُونَ يَحَاوِرُوا أَيْمَانًا كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا“ (جس کا جی چاہے

ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے، بیشک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے، جس کی قناتوں نے ان کو گھیر لیا ہے، اور اگر وہ پیاس سے فریاد کریں گے تو ان کی دادی ایسے پانی سے کی جائے گی جو گچھلے سیسے کی طرح ہوگا جو منہ کو جلادے گا اور وہ بری چیز ہوگی، اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی پابندی کی، ان پر اور ان کے برادران انبیاء کرام و ملائکہ عظام پر مکمل ترین اور اعلیٰ ترین درود و سلام ہو،

۱۵ سورہ الکہف - ۲۹ ۱۶ مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی

بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں

”ہم یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ و تزکیہ ان نیک اعمال سے وابستہ ہیں، جو مولیٰ جل شانہ کو پسندیدہ اور اس کے یہاں مقبول ہوں اور یہ بات جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا بعثت پر موقوف ہے، پس بعثت کے بغیر صفائی اور تزکیہ کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی۔“

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا

مجدد صاحب بعثت انبیاء و رسل کی ضرورت، ہدایت کے لئے اس کے ناگزیر ہونے اور تنہا عقل کے (خواہ وہ کتنی بلند پایہ ہو) ناکافی ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت دنیا والوں کے لئے رحمت ہے اگر ان حضرات کے وجود کا ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اللہ تعالیٰ (جو واجب الوجود ہے) کی ذات و صفات کی پہچان کی طرف کون رہنمائی کرتا، اور اس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے کاموں میں کون امتیاز پیدا کرتا؟

ہماری ناقص عقلیں ان حضرات انبیاء کی دعوت کی روشنی کی مدد کے بغیر اس مطلب سے عاجز اور ہماری ناتمام سمجھ ان حضرات کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس اور درماندہ ہے۔

ہاں عقل ضرور حجت ہے، لیکن حجت ہونے میں ناکمیل اور تاثیر و تکمیل کے درجہ کو

نہیں پہنچتی حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت ہے جس سے دائمی عذاب و ثواب اخروی وابستہ ہے۔“

بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے

”بعثت رحمت ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان حاصل کرنے کا سبب ہے، جو تمام دنیوی و اخروی سعادتوں پر مشتمل ہے بعثت کی اسی دولت سے اس بات کا علم و امتیاز ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ کے مناسب شان کیا ہے، اور نامناسب کیا ہے، اس لئے کہ ہماری بے بصیرت اور عاجز عقل جو امکان اور حدوث کے داغ اور نقص سے داغدار ہے، اس کو کیا معلوم کہ حضرت باری جو قدیم ہے کون سے اسماء و صفات اور افعال اس کی شان کو مناسب ہیں، جن کا اطلاق کیا جائے اور کون سے نامناسب جن سے احتراز کیا جائے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے نقص کی وجہ سے ہماری عقل کمال کو نقص اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ امتیاز (جو نبوت پیدا کرتی ہے) خاکسار کے نزدیک تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، بڑا بد بخت ہے جو نامناسب اموا وراثت شائستہ اشیاء کی اس ذات عالی سے نسبت کرے، بعثت ہی ہے جس نے باطل کو حق سے جدا کیا اور اس میں جو عباد کا مستحق نہیں ہے، اور جو عبادت کا مستحق ہے، امتیاز پیدا کر دیا ہے، بعثت ہی کے ذریعہ یہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور بندگان خدا کو قرب الہی اور وصال مولیٰ کی سعادت سے مشرف کرتے ہیں، اور اسی بعثت کے ذریعہ مالک جل و علا کے مرضیات کا علم حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور اس کی تمیز ہوتی ہے کہ اس کے

ملک میں کس چیز میں تصرف جائز ہے اور کس میں جائز نہیں بعثت کے اس طرح کے فوائد بہت ہیں پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت رحمت ہے جو شخص نفس امارہ کی خواہشات کا پیرو ہو کر شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرے، اور بعثت کے احکام و مقتضا پر عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہو؟

اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے

”چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے تو اترتو تسلسل کی وجہ سے خدا کی طرف (جو زمین و آسمان کا خالق ہے جل شانہ) ان کی دعوت دینے کی شہرت ہوئی، اور ان حضرات کی بات اور پیغام بلند ہوا تو ہر زمانہ کے بے عقل جو صالح عالم کے ثبوت کے بارے میں تردد کرتے تھے، اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار صالح کے وجود کے قائل ہو گئے، اور اشیاء و مخلوقات کو اس کی طرف منسوب کیا، یہ روشنی حضرات انبیاء ہی کے انوار سے ماخوذ ہے اور یہ دولت انبیاء ہی کے خوانِ نعمت سے ملی ہے اللہ کا درود و سلام ہو ان پر قیامت بلکہ بالآباد تک۔ اسی طرح وہ تمام منقولات جو ہم تک انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے پہنچانے سے پہنچے ہیں مثلاً ذات الہی کے صفات کمالیہ انبیاء کی بعثت، ملائکہ کا معصوم ہونا، علیہم الصلوٰت والتسلیمات والبرکات، حشر و نشر، بہشت و دوزخ کا وجود اور جنت کی دائمی راحت و عیش اور جہنم کا دائمی عذاب یہ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کی شریعت خبر دیتی ہے عقل ان کو پالینے سے قاصر ہے اور ان حضرات (انبیاء) سے سنے بغیر ان کے ثابت کرنے میں ناقص اور تنہا ناکافی ہے“

۱۷ مکتوب ۱۱۱ بنام خواجہ عبدالشہر خواجہ عبدالشہر۔ ۱۷ مکتوب ۱۱۱ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

صحیح ترتیب

”سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر کرنی چاہئے، اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا جانا جائے اور اس کے ذریعہ سے شکوک و شبہات کی تاریکیوں سے نجات میسر ہو، جو کہ پہلے معقول و معلوم کر لینا چاہئے تاکہ سب فروع اور شاخیں بے تکلف معقول و معلوم ہو جائیں، ہر شاخ و ہر فرع کو اصل کے ثابت کئے بغیر معقول بنانا بڑا مشکل ہے۔“

اس تصدیق تک پہنچنے اور اطمینان قلب کے حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ ذکر الہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”الَّذِينَ كَرِهُوا اللَّهُ يُطْعَمُونَ الْقُلُوبِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَا لَمْ يَدْرِكُوا اللَّهُ“ (یاد رکھو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانہ) غورو استدلال کے راستہ سے اس بلند مقصد تک پہنچنا دور ہے بقول شاعر

پاے استدلالیاں چوبیس بود

پاے چوبیس سخت بے تکلیف بود

(اہل استدلال کا پاؤں لکڑی کا ہے اور لکڑی کا پاؤں بے قابو بے ثبات ہوتا ہے)

انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے
”معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء کرام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے ثابت کرنے

۱۷ مکتوب ۱۱۱ بنام میر محمد نعمان۔

۱۷ سورۃ الرعد - ۲۸ - ۲۹

کے بعد اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد اس کا شمار صاحب استدلال لوگوں میں ہے، اس کا ان حضرات کی باتوں کو بے دلیل ماننا اس وقت (ان کی نبوت کو استدلال کے ساتھ مان لینے کے بعد) عین استدلال ہے، مثلاً ایک شخص نے اصول کو استدلال سے ثابت کر لیا ہے، اس وقت جتنے فروع اس اصل سے پیدا ہوتے ہیں، وہ اسی (پہلے) استدلال کے ساتھ متعلق ہوں گے، اور وہ شخص اس اصل کے استدلال کے ساتھ ان تمام فروع کے اثبات میں صاحب استدلال ہوگا "أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولُنَا بِالْحَقِّ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ أَسْحَابِ الْهُدَى" (اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت پانے والے نہ تھے، اگر ہمیں ہدایت نہ دیتا بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)

انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے

”حساب، میزان، صراط، حق ہے، اس لئے کہ سچے خبر دینے والے (علیہ و علی آرا الصلوٰۃ والتسلیمات) نے اس کی خبر دی ہے، طریق نبوت کے بعض ناواقفوں کا ان کے وجود کو مستبعد سمجھنا درجہ اعتبار سے ساقط ہے، اس لئے کہ نبوت کا طریق عقل کے طریق سے ماوراء ہے، انبیاء کی دی ہوئی سچی اطلاعات کو عقل کے طریق بحث و نظر سے موافق کرنا درحقیقت نبوت کے طریق کا انکار کرنا ہے (ان مسائل ماوراء عقل میں) دار و مدار انبیاء کی باتوں کے بے دلیل ماننے پر ہے“

۱۔ سورۃ الاعراف - ۴۳ ۲۔ سورۃ طہ - ۴۷ ۳۔ مکتوب ۳۱۳ بنام میر محمد نجات

۴۔ مکتوب ۲۶۶

مخالف عقل اور ماوراء عقل میں بڑا فرق ہے

”یہ نہ سمجھیں کہ نبوت کا طریق کچھ عقل کے طریق کے مخالف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ عقل کا طریق (علم و استدلال) انبیاء کی تقلید کے بغیر اس مقصد عالی تک پہنچ نہیں سکتا، مخالفت دوسری چیز ہے، اور نارسائی دوسری چیز، اس لئے کہ مخالفت پہنچنے کے بعد منظور ہو سکتی ہے“

خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے

”پس انبیاء کے وجود سے چارہ نہیں، تاکہ محسن حقیقی جل سلطانہ (جس کی ہستی عقل سے لازماً ثابت و ضروری ہے) کے شکر کے طرف رہنمائی کریں اور ان احسانات کے کرنے والے کی علمی و عملی تعظیم کو اس کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر کریں، اس لئے کہ اس کی تعظیم جو اس کے یہاں سے معلوم نہ کی جائے، اس کے شکر کے شایان شان نہیں، اس لئے کہ انسانی قوت اس کے ادراک کرنے سے عاجز ہے، بلکہ بسا اوقات انسان غیر تعظیم کو تعظیم سمجھنے لگتا ہے، اور شکر سے سچو کی طرف چلا جاتا ہے، اور اس سے اس کی تعظیم کا معلوم کرنا نبوت پر منحصر ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، اولیاء کو جو الہام ہوتا ہے، وہ بھی انوار نبوت سے ماخوذ ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اتباع و پیروی کے فیوض و برکات میں سے ہے“

۱۔ مکتوب بنام پیر زادگان خواجہ عبداللہ خواجہ عبید اللہ فرزند ان گرامی حضرت خواجہ باقی باشر ۲۶۶

۲۔ مکتوب ۲۳۱ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی

جس طرح عقل کا مرتبہ ہو اس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے

”اور جس طرح سے کہ عقل کا مرتبہ ہو اس کے مرتبہ سے ماوراء ہے کہ جس چیز کا جو اس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا عقل اس کا ادراک کرتی ہے، اسی طرح سے نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ اور مرتبہ سے ماوراء ہے، جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا، وہ نبوت کے وسیلہ سے ادراک میں آتا ہے، جو شخص عقل کے طریقہ کے علاوہ حصول علم کے لئے کوئی اور طریقہ تسلیم نہیں کرتا، وہ فی الحقیقت طریقہ نبوت کا منکر اور ہدایت کا مخالف ہے“

مقام نبوت

یونان کے علوم، حکمت و فلسفہ میں (جو صدیوں تک انبیاء کی دعوت اور نور نبوت سے دور دور برگ و بار لاتے رہے ہیں) شب و روز مشغول رہنے اور اسی کو علم و دانش کا سدرۃ المنتہی سمجھنے، دوسری طرف کتاب و سنت کی رہنمائی اور ان سے ضروری واقفیت اور حدیث و سیرت سے شغف کے بغیر جسمانی ریاضتوں، نفس کشی اور چلہ کشی میں ہمہ تن مہمک رہنے کی بنا پر پچھلی صدیوں میں (جن کا واضح طوطا آغاز آٹھویں صدی سے ہو جاتا ہے) مقام نبوت سے نہ صرف ایک ناآشنائی اور بے اُسی بلکہ ایک طرح کی اجنبیت اور وحشت پیدا ہونے لگی تھی اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور خود سیرت نبوی ان حکماء اور اشراقیین کے سامنے اس طرح آتی تھی کہ نفوس قدسیہ عام انسانوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، شادی بیاہ کرتے تھے، آل و اولاد رکھتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بعض اوقات

لے مکتوب ۲۲ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

انہوں نے تجارت بھی کی، جانور بھی چرائے، جنگوں میں حصہ لیا، واقعات سے متاثر ہوتے تھے، خوشی کی بات پر خوش ہوتے تھے اور رنج و قلق کی بات پر محزون و غموم ہوتے تھے، ان کے یہاں ایسی عبادات شاقہ تھیں، نہ صوم دائمی، نہ چلہ کشی، جن کا ذکر متوسط درجہ کے اولیاء و متراضین کے یہاں ملتا ہے، پھر دعوت و تبلیغ رسالت کے کام میں ان کو خلاق خدا کی طرف توجہ کرنی پڑتی تھی، جس کے بغیر یہ فریضہ ادا نہیں ہو سکتا، اور ایک توجہ دوسری توجہ سے عام طور سے مانع ہوتی ہے، اس لئے اشراق و روحانیت کے ان حلقوں میں جہاں علوم دینیہ بالخصوص حدیث سے اشتغال نہیں تھا، اور جہاں اولیاء متقدمین اور اشراقیین کے عروج روحانی، تجرید و تفرید کامل اور فنایت و غیبوت کے واقعات دن رات ورد زبان رہتے تھے، یہ خیال عام ہوتا جا رہا تھا کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے اور یہ کہ ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے، اور نبوت کا موضوع دعوت ہے، جس کا تعلق خلأق سے ہے، ولی ”رو بقی“ ہوتا ہے اور نبی ”رو بخلق“ اور ”رو بقی“ ہونے کی حالت بہر حال ”رو بخلق“ ہونے کی حالت سے اعلیٰ و افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ انہوں نے یہ کہا کہ ولایت مطلقاً نبوت سے افضل نہیں، جنہوں نے ایسا کہا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے اور نبی جب مشغول بالخلاق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے، جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلاق ہوتا ہے، لیکن یہ طرز فکر اس پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ مقام ولایت کی عظمت اور اس کے کمالات و ترقیات سے معروبیت مسلمانوں کے بھی ایک وسیع دینی حلقہ میں پیدا ہوتی جا رہی تھی، جو امت کے اپنے اصل سرشتیہ نبوت و شریعت کے ساتھ ربط پر اثر انداز ہو رہی تھی، اور یہ ایک خطرہ تھا، جس کا مقابلہ مجددین اسلام اور

نابین انبیاء کو کرنا ضرورت تھا۔

ہمارے علم میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے پرزور مدلل اور وجدانگیر طریقہ پر آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان کے مشہور عارف و محقق صوفی حضرت شیخ شرف الدین کجی مینری (۶۶۱-۷۸۶ھ) نے آواز بلند کی اور اپنے مکتوبات میں اس کی پرزور تردید کی، انہوں نے یہاں تک لکھا کہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا ہم خاک کی اپنی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے۔

حضرت مخدوم بہاری کے بعد پھر حضرت مجدد الف ثانی ہی اس علم عظیم اور اس طریقِ قویم کے مجدد اور خاتم ہوئے، انہوں نے اپنے مکاتیب میں ثابت کیا کہ انبیاء کرام اعتقادی، روحانی، ذہنی اور خلقی طور پر اللہ تعالیٰ کی صنعت اور صفتِ جوہر کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں، ان کو ایسا تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے جس میں کوئی توجہ اور مصروفیت حاجب نہیں ہوتی، اور یہ اس شرح صدر کا نتیجہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان کو خاص کرتا ہے، ان کی عالی ظرفی، قوتِ تحمل، وسعت صدر اور ان کے پیغام اور کام کا (جو ان کے سپرد کیا جاتا ہے) تقاضا "صحوداً" ہر وقت کی بیداری، حاضر دماغی اور ہوش ہے، جو اہل ولایت و اہل شکر کو حاصل نہیں، ان کی جہاں سے ابتدا ہوتی ہے، وہ اولیاء کی انتہا ہے، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے، جس کو قرب بالنوافل کبھی نہیں پہنچ سکتا، کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے، اب قارئین مجدد صاحب کی زبانِ قلم سے ان حقائق اور علوم عالیہ کو سنیں!

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم باب دہم ۲۹۵-۳۰۲ ۵۲ ایضاً ص ۳۰۲

انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی ہے

"انبیاء تمام موجودات میں بہترین ہیں اور بہترین دولت ان کے حوالہ کی گئی ہے، ولایت جزو نبوت ہے، نبوت کل ہے، لامحالہ نبوت ولایت سے افضل ہو گئی، خواہ نبی کی ولایت ہو خواہ ولی کی، پس صحیحی شکر سے افضل ہے، اس لئے کہ صحیحی شکر مندرج ہے، جیسے کہ ولایت نبوت میں مندرج ہے، باقی تنہا ہوش و بیداری جو عوام الناس کو رہتی ہے خارج از بحث ہے، اس عیانا صحیحی تزییح دینا کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ صحیحی شکر پر مشتمل ہے، وہ ضرور شکر سے افضل ہے، علوم شریعت جن کا آغاز و سرچشمہ مرتبہ نبوت ہے، اس سے صحیحی ان علوم کے مخالف ہو کچھ ہوگا وہ شکر ہے، صاحب شکر معذور ہے، تقلید کے لائق علوم صحیحی نہ کہ علوم شکر!"

انشراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی

"بعض مشائخ نے شکر و مستی کے وقت فرمایا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے صاحبوں نے فرمایا کہ اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد ہے، تاکہ ولی کی نبی پر افضلیت کا وہم دور ہو جائے، لیکن فی الحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے، اس لئے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے، ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے خلق کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی، اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق توجہ خلق سے مانع ہوتی ہے، اور نہ توجہ خلق توجہ حق میں حائل ہوتی ہے، نبوت میں تنہا خلق کی

۱۵ مکتوب ۹۵ سید احمد بجاڑہ۔

طرف توجہ نہیں ہوتی کہ ولایت کو (جس کا رخ اور توجہ حق کی طرف ہوتی ہے) ترجیح دی جائے عباداً باللہ سبحانہ، تمام تر توجہ خلق عوام کا لانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے اس حقیقت کا سمجھنا اربابِ فکر کے لئے دشوار ہے، یہ معرفت صاحبِ استغناء اہل ہوش کا حصہ ہے۔ ع

ہینئاً الأسر باب النعیم نعیمہا

نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ

”بعض اہل فکر علم و ولایت کو جو فکر کی طرف رخ رکھتا ہے، علم نبوت پر جو صبح و کارنگ رکھتا ہے، ترجیح دیتے ہیں، اسی عالم فکر کا یہ مقولہ بھی ہے کہ ”الولاية افضل من النبوة“ (ولایت نبوت سے افضل ہے) اس بنا پر کہ ولایت میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور نبوت میں خلق کی طرف اور اس میں شبہ نہیں کہ ”روح حق“ ”روح خلق“ سے افضل ہے اور بعض اس کی توجیہ میں کہتے ہیں کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

خاکسار کے نزدیک اس طرح کی باتیں دور از کار ہیں، اس لئے کہ نبوت میں خلق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی، بلکہ اس توجہ کے ساتھ حق کی طرف بھی رخ ہوتا ہے، صاحبِ مقام نبوت کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ جو تمام تر خلق کی طرف متوجہ ہو وہ مدبروں اور برگشتہ لوگوں میں سے ہے۔“

”اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے“ کے مقولہ کی تردید

”کسی کا یہ مقولہ بالکل بے معنی بات ہے کہ اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے اور

۱۷ مکتوب ۱۷۱۱ میاں سید احمد بجاڑی ۱۷ مکتوب ۱۷۱۱ سید احمد بجاڑی

اولیاء کی ابتداء اور انبیاء کی انتہا سے مراد ان کے نزدیک شریعت ہے، ہاں اس غریب کو چونکہ حقیقت حال سے آگاہی نہیں اس لئے یہ خلاف ظاہر بات زبان سے نکالی، ان حقائق کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا، بلکہ اکثر لوگوں نے اس کے بالکل برعکس اظہار خیال کیا ہے، اور یہ بعد از فہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن وہ منصف ہو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بزرگی کا پہلو دیکھتا ہے اور شریعت کی عظمت اس پر مستولی ہے وہ ان دقیق اسرار کو قبول کر سکتا ہے، اور اس کو قبول کرنے کو زیادتی ایمان کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔“

انبیاء نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے

”اے فرزندِ سنو! کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں (شہادت توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ حج) پر ہے، اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت ہے، اس لئے قلب کی تصدیق کی بھی دعوت دی، اور قلب کے ماوراء کو نہیں چھیڑا اور اس سے بحث نہیں کی، اور اس کو متقاعد میں شمار نہیں کیا، دیکھو بہشت کے عیش، دوزخ کی تکلیفیں، دولت دیدار اور محرومی کی بے دلتی یہ سب عالم خلق سے وابستہ ہیں، عالم امر کو ان سے تعلق نہیں۔“

نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے

”اسی طرح فرض، واجب اور سنت کے اعمال کی ادائیگی کا تعلق قالب سے ہے، جو عالم خلق سے ہے، جو عالم امر کا حصہ ہے وہ اعمال نافرمانی سے ہے، جو قرب ان اعمال کی

۱۷ مکتوب ۲۲۱۱ بخندوم زادہ میاں شیخ محمد صادق ۱۷ ایضاً

ادائیگی کا ثمرہ ہے، وہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے، پس لامحالہ جو قرب اداء فرائض کا ثمرہ ہے، وہ عالم خلق کا حصہ ہے، اور جو قرب اداءے نوافل کا ثمرہ ہے وہ عالم امر کا حصہ ہے، اور اس میں شک نہیں کہ نفل کا فرض کے مقابلہ میں کوئی شمار و حساب نہیں، اس کو وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے، بلکہ نفل کو سنت کے مقابلہ میں بھی یہی نسبت ہے اگرچہ سنت فرض کے درمیان بھی قطرہ و دریا کی نسبت ہے، اس بات سے دونوں قرب کا باہمی تفاوت میں قیاس کیا جاسکتا ہے، اور عالم خلق کی فضیلت و خصوصیت عالم امر پر اس فرق سے سمجھی جاسکتی ہے!

کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے

”اس فقیر پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ کمالات ولایت کا کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی شمار نہیں، وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے، پس جو فضیلت و خصوصیت نبوت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے، وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، جو ولایت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے، پس فضیلت مطلق انبیاء ہی کو حاصل ہے (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) بلائکہ کرام کو جزئی فضیلت حاصل ہے، اس لئے جمہور علماء ہی کا قول درست ہے، اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) بلکہ اس ولی کا سر اس نبی کے قدم کے نیچے ہوگا!“

علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ

جس مسئلہ میں علماء اور صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے، اگر تم غور سے دیکھو گے تو

حق علماء کی جانب نظر آئے گا، اس کا راز یہ ہے کہ انبیاء کی پیروی کی وجہ سے علماء کی نظر کمالات نبوت اور ان کے علوم تک نفوذ کر جاتی ہے، اور صوفیہ کی نظر کمالات ولایت اور ان کے علوم و معارف پر مقصور رہتی ہے، پس لامحالہ جو علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوگا، وہ زیادہ صحیح اور حق ہوگا بمقابلہ اس کے جو مرتبہ ولایت سے ماخوذ ہوگا!

”فقیر نے اپنی کتابوں اور خطوط میں لکھا ہے، اور تحقیق کی ہے کہ کمالات نبوت سمندر کا حکم رکھتے ہیں، اور کمالات ولایت ان کے مقابلہ میں ایک حقیر قطرہ ہیں، لیکن کیا کیا جائے، ایک جماعت نے کمالات نبوت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے کہا ہے ”الولاية افضل من النبوة“ (ولایت نبوت سے افضل ہے) ایک دوسرے گروہ نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے حقیقت نبوت کو نہ جاننے کی وجہ سے غائب پر حکم لگایا ہے، اسی حکم کے قریب شکر کو صحو پر ترجیح دینا بھی ہے، اگر صحو کی حقیقت، ان کو معلوم ہوتی تو ہرگز شکر کو صحو سے کچھ نسبت بھی نہ دیتے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

شاید انہوں نے خواص کے صحو کو عوام کی ہوشیاری و بیداری کے مثل سمجھ کر شکر کو اس پر ترجیح دی ہے تو خواص کے شکر کو عوام کے نشہ و مستی کا مثل قرار دے کر یہی حکم لگاتے کیونکہ عقلاء کے نزدیک ثابت ہے کہ صحو شکر سے بہتر ہے، اگر صحو و شکر مجازی ہے تو بھی یہی حکم ہے، اور اگر حقیقی ہے تو بھی یہی حکم ثابت ہے!

انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے

”اتنا ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو کچھ عظمت و بزرگی

پائی ہے، وہ نبوت کی راہ سے پائی ہے نہ کہ ولایت کی راہ سے، ولایت کی حیثیت نبوت کے لئے ایک خادم سے زیادہ نہیں، اگر ولایت کو نبوت پر ترجیح ہوتی تو ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ جن کی ولایت تمام ولایات سے زیادہ کامل ہے، انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے افضل ہوتے، اس جماعت کے ایک گروہ نے چونکہ ولایت کو نبوت سے افضل مانا اس لئے ملاءِ اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء کی ولایت سے اکمل سمجھا اور لامحالہ ملائکہ ملاءِ اعلیٰ کو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے افضل گردانا، اور جمہور اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے، یہ سب حقیقت نبوت سے بے خبری و لاعلمی کا نتیجہ ہے، چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں کمالات نبوت کمالات ولایت کے مقابلہ میں حقیر نظر آتے ہیں، اس لئے اس مضمون کو میں نے اس باب میں تفصیل و وضاحت سے لکھا، اور حقیقت حال کا ایک شتمہ بیان کیا، "بِنَا غَفِرْنَا ذُلُّوْنَا وَاِسْرَاخْنَا فِيْ اَمْرِنَا وَنَبَّيْتُ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ"

ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب و علماء و عام مومنین کا حصہ ہے

”حمد و صلوة کے بعد سیادت پناہ انخوی و اعربی میر محب اللہ کو معلوم ہو کہ وجود واجب تعالیٰ اور اس کی تمام صفات پر ایمان بالغیب انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اور ان کے اصحاب کا حصہ ہے، اور ان اولیاء کا جو تمام و کمال (خلق کو خالق جل و علا کی طرف دعوت دینے کے لئے) بازگشت فرماتے ہیں، اور ان کی نسبت بھی (پیغمبروں کے) اصحاب کی نسبت ہوتی ہے، اگرچہ وہ کمتر بلکہ اقل قلیل ہیں، اور یہ ایمان بالغیب علماء اور عام مومنین کا بھی حصہ ہے، اور ایمان شہودی عام صوفیاء کا حصہ ہے، ارباب عزت (خلق خدا سے کیسے)

۱۷ مکتوب ۲۶۵ بنام خانخانان۔

ہوں، یا ارباب عشرت (اصحاب اختلاط) ہوں، اس لئے کہ ارباب عشرت اگرچہ مرجوع (بازگشت کرنے والے) ہیں، لیکن تمام و کمال ان کا بازگشت نہیں ہوتا، ان کا باطن اسی طرح اوپر کی طرف نگران رہتا ہے، وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں، اور باطن حق جل شانہ کے ساتھ، اس لئے ہر وقت ایمان شہودی ان کے حصہ میں ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات چونکہ تمام و کمال بازگشت فرما چکے ہوتے ہیں، اور ظاہر و باطن سے خلق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوتے ہیں، اس لئے ایمان غیب ان ہی کا حصہ ہوتا ہے۔

انبیاء کی بازگشت کامل نہایت نہایت تک پہنچ جانے کی علامت ہے

اس فقیر نے اپنے بعض خطوط میں ثابت کیا ہے کہ بازگشت کے باوجود بلندی کی طرف آنکھوں کا لگا رہنا نقص کی علامت ہے، اور انجام کار تک نہ پہنچنے کا ثبوت ہے، اور تمام و کمال بازگشت نہایت نہایت (انتہا کی انتہا) تک پہنچ جانے کی علامت ہے، صوفیاء نے دونوں توجہات (توجہ بخلق و توجہ بحق) کی جامعیت کو کمال سمجھا ہے، اور تشبیہ و تنزیہ کے جامع کو کاملین میں شمار کیا ہے۔ ع

آں ایثانند و من خینیم یا رب

شرعیات کی حمایت نصرت اصلاح عقائد اور رد شرک و رسوم جاہلیت

تعلق مع اللہ کی تقویت و استواری، غفلت و مادیت سے حفاظت اور امراض نفسانی کے علاج کا وہ طریقہ جس کا نام مرور زمانہ اور بعض اسباب و محرکات کی بنا پر بعد میں تصوف

۱۷ مکتوب ۲۶۲ بنام میر سید محب اللہ شہانپوری۔ ۵۲ ایضاً

پڑ گیا، حقیقت میں قرآنی اصطلاح کے مطابق "تزکیہ" اور حدیث صحیح کی تعبیر کے مطابق "احسان" ہی کا وہ دینی شعبہ تھا جس کو قرآن مجید میں بعثت محمدی کے مقاصد چہارگانہ میں شمار کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا
مِنْ قَبْلٍ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وہی ہے جس نے (عرب) ناخواند لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عربی) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سیکھاتا ہے اور ان کو (عقائد باطلہ و اخلاق ذمیہ) سے پاک کرنے میں ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (الحجہ - ۲)

امت کی یہ خدمت اور دین کو اس کے قالب و قلب، جسم و روح اور ضابطہ و رابطہ کے ساتھ قائم رکھنے کا کام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور نائبین برحق کے ذمہ تھا، اور وہ شریعت محمدی کے ساتھ اس "طب نبوی" کی بھی حفاظت و تجدید کرتے رہے اور فقہ ظاہر کے ساتھ فقہ باطن کی بھی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم رہے، ان کا یہ کام تفصیل کے بجائے اجمال، اور فروع سے زیادہ اصول پر مبنی تھا، لیکن قلم و خلافت اور فتوحات اسلامی کی توسیع، وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام، دولت اور وسائل عیش و عشرت کی فراوانی، زمانہ نبوت سے بعد اور بمصداق فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ جب شیطان کے مکائد، مادیت کے فتنے اور امراض نفسانی و روحانی نئی نئی شکلوں میں اور نئے نئے فلسفوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے تو تزکیہ و احسان کا فن بھی "تصوف" کی حادث اصطلاح کے ساتھ اسی طرح ایک مدون فن بن گیا، جس طرح عجمی قوموں کے اختلاط نے قواعد زبان (صرف و نحو) اور فن معانی و بیان کو (جن کے اصول و مبادی عربی اللسان قوموں کی فطرت میں داخل تھے) نحو و بلاغت کے وسیع و دقیق فن کی شکل میں منتقل کر دیا اور اس کے ماہرین خصوصی پیدا ہونے شروع ہو گئے، جنہوں نے مستقل "مدارس" و "جامعات" قائم کئے اور ان کے مستقل نصاب

وضوح کئے، اور ان کی طرف ان علوم کے طالبین اور ان مقاصد کے شائقین کا رجوع عام شروع ہوا۔

ابتدائی صدیوں میں اس طریقہ علاج (تزکیہ یا تصوف) کا مدار کتاب و سنت، اسوۂ رسول کی پیروی اور شائمل و اخلاق نبوی کے تتبع پر تھا، لیکن زمانہ کے اثرات عجمی اور نو مسلم قوموں کے اختلاط، عجمی زہاد و نساک کی صحبت و عقیدت کے نتیجے میں تصوف میں بدعات، زہد و عبادت میں غلو و تجرد و رہبانیت کے جراثیم، اشخاص و معتقد فیہ لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم و تقدیس کی رسم اور بہت سے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہونے شروع ہو گئے، یہاں تک کہ یہ غیر اسلامی اور سرتاسر اجنبی و بیرونی اعتقاد بھی بعض روحانی حلقوں اور سلسلوں میں بے پاؤں چلا آیا کہ "اخلاص و انہماک اور پوری دقیقہ رسی کے ساتھ ایک عرصہ تک عبادت میں مشغول رہنے اور فرائض و سنن کی پابندی کرنے اور عرفان کامل حاصل ہونے کے بعد ایک منزل ایسی آتی ہے، جب سالک ان فرائض شرعی اور عبادات راتبہ کا مکلف نہیں رہتا اور وہ ان کی پابندی سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے" اسی کا نام "سقوط تکلیف" ہے اور اس اعتقاد کے لوگ قرآن مجید کی مشہور آیت "وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ حَتَّىٰ يَأْتِيَكُمُ الْيَقِينُ" (اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو "یقین" آجائے) سے استدلال کرتے ہیں، یہ ایک عظیم فتنہ تھا، جو پورے نظام شریعت کو معطل اور سالک کو بے قید اور عبادت کی پابندیوں سے آزاد کر دیتا تھا۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کی ابتدا سے جب عباسی خلافت اپنے اوج شباب پر اور عظیم اسلامی شہر اپنے تمدن و ترقی کے نقطہ عروج پر تھے، بدعات و تحریفات کا یہ سلسلہ

یہاں یقین سے اتفاق مفسرین و اہل لغت موت مراد ہے۔ (الحجہ - ۹۹)

واضح طریقہ پر مشروع ہو گیا تھا، تصوف کی سب سے قدیم کتاب جو اس وقت تک زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے، شیخ ابوالنصر سراج (م ۳۷۸ھ) کی "کتاب اللع" ہے، اس کا ایک حصہ کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہے، اس کے بعد حضرت سید علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) کی کتاب "کشف المحجوب" میں غالباً اسی بنا پر اقامت حقیقت بے حفظ شریعت مجال و حقیقت بے شریعت نفاق" کے آگاہی دینے والے الفاظ آئے ہیں، امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ کا "رسالہ قشیریہ" تصوف کا سب سے قدیم ہدایت نامہ اور دستور العمل تھا، ان کے زمانہ ہی میں تصوف میں اتنا تنزل ہو گیا تھا کہ وہ "رسالہ قشیریہ" میں لکھتے ہیں :-

و اتحل عن القلوب حرمة الشریعة	دلوں سے شریعت کی حرمت رخصت ہو گئی
فعدوا قلة المبالاة بالدين اوثق	انہوں نے دین سے لاپرواہی کو ایک بڑا قابل
ذریعة واستحقوا بأداء	اعتماد ذریعہ سمجھ لیا، عبادات کے اداء کرنے کو
العبادات واستهانوا بالصوم والصلوة	کوئی اہمیت نہیں دی اور صوم و صلوة کو

معمولی چیز سمجھا۔

ان کی کتاب کے باب اول کا عنوان ہی تعظیم شریعت سے متعلق ہے، اور اس میں انہوں نے قدیم صوفیاء اور مشائخ کی تعظیم شریعت اور اتباع سنت کے حالات لکھے ہیں، آخری باب (۵۴) ہے جو "باب وصیۃ المریدین" کے عنوان سے ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ :-

بناء هذا الامر وملاکة علی حفظ آداب	اس معاملہ کی بنیاد اور دار و مدار آداب شریعت
الشریعة -	کی حفاظت پر ہے۔

۱۰۴-۹۳ مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ء ۲۵ پورا نام ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ہے

عام طور پر دانا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، لاہور میں مزار ہے۔ ۲۵ رسالہ قشیریہ ص ۱ مطبوعہ مصر۔

پوری کتاب حقائق شرعیہ و علوم صحیحہ کے مطابق ہے، اور محققین صوفیاء نے اس کو ایک مستند درسی کتاب کی سی اہمیت دی ہے۔

مشائخ طریقت و ائمہ حقیقت میں شریعت کے سب سے بڑے حامی و ناصر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ہوئے ہیں، ان کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی سنت و اتباع شریعت پر تھا، اور ان کی پوری زندگی اسی کا جلوہ اور نمود تھی، "غنیۃ الطالبین" لکھ کر انہوں نے طریقت کا پلو شریعت کے دامن سے باندھ دیا ہے، ان کے مواعظ "فتوح الغیب" کا مقالہ دوم اتباع سنت و ترک بدعت ہی سے مخصوص ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :-

اتبعوا ولا تبتدعوا پیروی سنت کرتے رہو اور راہ بدعت نہ اختیار کرو!

طریقت کو شریعت کا خادم و تابع بنانے کے کام میں ان کو مجدد کا درجہ حاصل ہے، وہ پہلے فراغ پھر سنن پھر نوافل سے مشغول ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں، اور اول کو چھوڑ کر دوسرے سے مشغول ہونے کو حتمی و رعوت بتاتے ہیں۔

تصوف کی مقبول ترین و مستند ترین کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کی "عوارف المعارف" ہے، جس کو محققین صوفیاء نے ہر دور میں حرز جان بنا کر رکھا، اور بہت سی خانقاہوں میں اس کا درس ہوتا تھا، اس کتاب کی جلد ثانی ارکان شریعت کے آداب و اسرار کے بیان میں ہے، شیخ نے کتاب میں نتیجہ یہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں اور شہی میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے، نویں صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تلامذہ کے برقی اثر سے جو

۱۰۴ تفصیل اور مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو، تصوف اسلام، از مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم۔

عالم اسلام میں ایک تیز لہر کی طرح پھیل رہا تھا، تصوف ایک فلسفہ بن گیا، جس میں یونانی فلسفہ الہیات کی بہت سی اصطلاحیں اور مسائل شامل ہو گئے، وحدۃ الوجود اہل تصوف کا شعار اور سرایۃ افتخار بن گیا، اور خانقاہوں سے لے کر مدرسوں تک اسی کا دم بھرا جانے لگا، کتاب و سنت سے عدم اشتغال اور فن حدیث سے ناواقفیت اور اس کی صحیح اور اس کی مستند کتابوں سے محرومی کی بنا پر خانقاہیں ایسے عقائد و اعمال کی آماجگاہ بن گئیں، جن کی سند دین کے اصلی ماخذوں سے ملنا مشکل اور جن سے قرون اولیٰ کے مسلمان یکسر نا آشنا تھے۔

ادھر ہندوستان میں جو ہزاروں برس سے جوگ اور سنیاس کا مرکز تھا، مسلمان صوفیوں کا واسطہ ان مرتاض جوگیوں سے پڑا جنہوں نے اپنے خیال اور نفس کی قوت جس دم اور آنسوؤں کے ذریعہ بہت بڑھالی تھی، بعض مسلمان صوفیوں نے ان سے یہ علم حاصل کیا، دوسری طرف (گجرات کو مستثنیٰ کر کے) جہاں علماء عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی، اور علامہ علی منقنی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر بیہقی پیدا ہوئے تھے، یہ ملک صحاح سنہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا، جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری کی مقبول کتاب "جو اہر خمسہ" میں دیکھا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوة العاشقین، نماز تنویر القبراؤ مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں، جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، جو ہر دور میں

اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں، جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حروف ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے، جس سے استعانت بخیر اللہ کا شبہ ہوتا ہے، ایک دعائے شمشیح بھی آتی ہے، جس میں عبرانی و سریانی اسماء حروف ندا کے ساتھ ہیں، ساری کتاب کی بنیاد دعوت اسماء پر ہے، ان اسماء کے موکل مانے گئے ہیں، جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں، حروف تہجی اور ان کے مؤکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور "ناد علیٰ مظهر العجائب" کی دعا بھی ہے۔

سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف (اسلامی) اور جوگ کے اس اختلاط کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا تجدیدی کام شروع ہوا، اس صورت حال کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ خود اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبدالشکر کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور	اس وقت عالم میں بدعات کا اس
بدعت در رنگ در بآئے ظلمات	کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ
بنظرمی در آید و نور سنت با غزبت و	ظلمات کا دریا منڈر رہا ہے اور سنت
ندرت در آں در بآئے ظلمانی در رنگ	کا نور اس موج دریا میں اس کے
کر کہ بآئے شب فروز محسوس می گردد	مقابلہ میں اس طرح ٹمٹا رہا ہے کہ معلوم
	ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں
	کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔

حضرت مجدد نے اس نازک دور میں کہ ہندوستان میں مسلمان سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی ناقدری کی جا رہی تھی، اور صاف صاف کہا جا رہا تھا کہ "طریقت و شریعت دو الگ الگ کوچے ہیں، جن کی راہ و رسم ایک دوسرے سے جدا اور

۱۰ مکتوب ۲۳ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبدالشکر۔

جن کا قانون ایک دوسرے سے الگ ہے اور جہاں کسی صاحب علم طالب حق کو جو کبھی کسی امر کا شرعی ثبوت پوچھنے کی جرأت کر دیتا تھا یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا تھا۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر معاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ "طریقت تابع و خادم شریعت ہے، کمالات شریعت احوال و مشاہدات پر مقدم ہیں، ایک حکم شرعی پر عمل ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے، تبارع سنت میں خواب نیمروز (قیلولہ) اجیائے لیل (شب بیداری) سے افضل ہے، حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں، کتاب و سنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہئے، اہل ضلالت کی ریاضتیں موجب قرب نہیں باعث بُعد ہیں، صورت و اشکال غیبی داخل ہو و لعب ہیں، تکلیف شرعی کبھی ساقط نہیں ہوتی!"

اب اس کے بعد مکتوبات کے وہ اقتباسات پڑھئے جو انھیں حقائق پر مشتمل ہیں:-

"شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے، کوئی مطلوب ایسا نہیں کہ اس کی تکمیل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی احتیاج واقع ہو، طریقت و حقیقت جو صوفیاء کا مابہ امتیاز ہے، دونوں شریعت کے خادم اور اخلاص کے حصول میں معاون ہیں، اس طرح طریقت و حقیقت کے حصول کا مقصد محض شریعت کو اس کی اصل روح کے ساتھ عمل میں لانے کا ذریعہ ہے، نہ کہ کوئی اور بات جو شریعت کے دائرہ سے خارج ہو، وہ حالات و بعد کی کیفیات اور علوم و معارف جو صوفیاء کو سلوک کے درمیان حاصل ہوتے ہیں، مقاصد میں داخل نہیں، وہ کچھ اشکال و خیالات ہیں جن کے ذریعہ اطفال طریقت کے دل بہلائے اور ان کی ہمت بڑھائی جاتی ہے، ان سب سے گزر کر مقام رضا پر پہنچنا چاہئے جو مقامات

سلوک و جذبہ کی انتہا ہے!

اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"کو تاہ اندیش احوال و مواجید کو مقاصد اور شاہدات و تجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہم و خیال کے زندان میں گرفتار رہیں اور کمالات شریعت سے محروم۔

كَلْبُ عَلَى الْمَشْرُوكَيْنِ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ
مُشْرِكِينَ كَوَّهَ بَاتِ بَرِي كِرَانِ كَزَلْمًا هَبَّ هَبَّ كِطْرًا كِبْرًا كَبْرًا
اَللّٰهُ يَجْتَنِبُ الْبَيْرَ مِنْ يَسَاءٍ وَيَهْدِي
بِلَا يَمِينِ الشَّرَاطِي طَرَفِ جَسْبٍ كَوَّابِ كَهْنِ كَلْبًا كَوَّابًا كَوَّابًا
اَلْبَيْرَ مِنْ يَسَاءٍ (الشورى - ۱۳) (خدا کی طرف) رُجْعِ كَرِّ اس كَوَّابِ كَلْبًا كَوَّابًا كَبْرًا

ایک دوسرے مکتوب میں نوافل پر فرائض کی تقدیم و ترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
"جن اعمال سے تقرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے، وہ یا تو فرائض ہیں یا نوافل، نوافل کی فرائض کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، اپنے وقت پر کسی فرض کی ادائیگی ایک ہزار سال کے نوافل سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نیت خالص سے ادا کئے جائیں!"

ایک دوسرے مکتوب میں کہ نفس کی اصلاح اور اس کے امراض کے ازالہ میں بھی احکام شریعت پر عمل ہزاروں ریاضتوں اور مجاہدوں سے کہیں زیادہ مفید ہے، فرماتے ہیں:-

"احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر عمل ہوائے نفسانی کے ازالہ میں ایک ہزار سال کی ان ریاضتوں اور مجاہدوں سے زیادہ اثر کرتا ہے جو اپنی طرف سے کئے جائیں، بلکہ یہ ریاضات و مجاہدات جو شریعت عزاء کے تقاضے سے واقع نہ ہوں، نفسانی خواہشات و امراض کو اور زیادہ قوت پہنچانے والے ہیں، برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضت و مجاہدہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن وہ ان کے لئے کچھ مفید نہ ہوئے، اور سوائے نفس کو اور موٹا کرنے اور اس کو

۱۷ مکتوب ۳۷ بنام ملا حاجی محمد لاہوری ۱۷ ایضاً ۱۷ مکتوب ۲۹ بنام شیخ نظام تھانی سیری۔

غذا پہنچانے کے کچھ اور کام نہ آئے۔

ایک دوسرے مکتوب میں کمالات شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”دنیا کے اکثر لوگ خواب و خیال میں مست اور بادم و اخروٹ پر اکتفا کئے ہوئے ہیں ان کو

کمال شریعت کی کیا خبر اور طریقت و حقیقت کی اصل حقیقت کا کیا علم؟ شریعت کو وہ

پوست (چھلکا) اور حقیقت کو مغز (گودا) سمجھتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ حقیقت حال کیا ہے

صوفیاء کی سطحی باتوں پر فریب کھائے ہوئے اور ان کے احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔

ایک مکتوب میں ایک سنت نبوی پر عمل کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”فضیلت تمام تر سنت سنیہ کی پیروی سے وابستہ اور امتیاز و اعزاز شریعت پر عمل کرنے سے

مربوط ہے، مثلاً دوپہر کا سونا جو اتباع سنت کی نیت سے واقع ہو کر وڑوں شب بیداریوں سے

افضل اور زکوٰۃ کا ایک پیسہ ادا کرنا سونے کے پہاڑ خرچ کر دینے سے جو اپنی طرف سے ہوا افضل ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:-

”صوفیائے نام ذکر و فکر کو اہم الہام سمجھ کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں تساہلی برتتے ہیں، چلوں و

ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک

فرض نماز کی ادائیگی، ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے، ہاں ذکر و فکر جو آداب شرعی کے مراعات

کے ساتھ ہوں بہت بہتر اور ضروری ہے، ناقص علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں

اور فرائض کو خراب و ابتر رکھتے ہیں۔

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس گروہ (صوفیاء) میں ایک جماعت ہے جو نماز کی حقیقت سے آگاہ اور اس کے کمالات

۱۱۷ مکتوب ۱۱۷ بنام صوفی قربان ۱۱۷ مکتوب ۲۶۱ بنام مخدوم زادہ شیخ محمد صادق

مخصوصہ سے واقف نہیں ہو سکی وہ اپنے امراض کا علاج دوسری چیزوں سے ڈھونڈتی اور اپنے

مقاصد کا حصول دوسرے امور سے مربوط سمجھتی ہے، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نماز کو دراز کا سمجھتے ہوئے

اور اس کو غیر وغیرت پر مبنی سمجھتے ہوئے روزے کو نماز سے افضل سمجھتے ہیں کہ اس میں صفت صمدیت کا

ظہور ہے اور ایک جم غفیر اپنے اضطراب کی تسکین سماع و نغمہ۔۔۔ وجد و تواجید سے تلاش کرتی ہے، اور

رقص و رقاصی کو بھی کمال سمجھ لیا ہے، کیا انھوں نے نہیں سنا کہ ما جعل اللہ فی الخلق شفاءً (الشرقا)

نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی، اگر ان پر ان کمالات کا جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں ایک شکر بھی منکشف

ہو جاتا تو وہ سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجید کو یاد نہ کرتے۔ ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ایک جگہ اس صفائی نفس کا ذکر کرتے ہوئے جو غیر مسلموں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے

والے مرتاضوں کو حاصل ہوتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”حقیقی تصفیہ و تزکیہ اعمال صالحہ کے کرنے پر موقوف ہے، جو مالک کی مرضیات میں شامل ہوں

اور یہ بات بعثت پر موقوف ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، پس بغیر بعثت کے حقیقی تصفیہ و تزکیہ میر

نہیں آسکتا، وہ صفائی جو کفار و اہل فسق کو حاصل ہوتی ہے، وہ نفس کی صفائی ہے، قلب کی صفائی

نہیں، صفائی نفس سوائے ضلالت کے کسی اور چیز کو نہیں بڑھاتی، اور سوائے خسارت کے کوئی اور راستہ

نہیں دکھائی، باقی بعض امور غیبی کا کشف جو کفار و اہل فسق کو صفائی نفس کے وقت کبھی حاصل ہو جاتا

ہے، وہ استدراج ہے جس کا حاصل بربادی اور خسارہ کے علاوہ اس جماعت کے حق میں کچھ نہیں۔

سالک و عارف سے تکلیف شرعی کے سقوط اور فرائض و احکام شریعت کی پابندی

اس کو چھٹی مل جانے کے خطرناک عقیدہ کی جو پوری شریعت کو ختم کر دینے کے لئے ایک آتش گیر مادہ

۱۱۷ مکتوب ۲۶۱ بنام میر محمد نعمان ۱۱۷ مکتوب ۲۶۱ بنام خواجہ عبدالشہ و خواجہ عبید اللہ

یا سزگ کا کام انجام دے سکتا تھا، کی تردید کرتے ہوئے، — ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”مذہبِ ختمِ خاتمِ اور محدثین بے سزا انجام اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی طوقِ غلامی سے آزاد اور احکامِ شرعیہ کو عوام کے ساتھ مخصوص بنا دیں، ان کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت کے مکلف ہوتے ہیں، جیسا کہ امراء و سلاطین محض عدل و انصاف کے مکلف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے کا مقصد حصول معرفت ہے، جب معرفت میرا آگئی تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں اور اپنے استدلال میں یہ آیت پڑھتے ہیں:—

”وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَإِلَيْهِ تُعْجَبُونَ“ اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کے ”یقین“ آجائے

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہوئے کہ حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سزا نہیں تحریر فرماتے ہیں:

”صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سزا نہیں کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور

ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس معاملہ میں تو امام ابو حنیفہؒ امام

ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی، ابو الحسن نوری کا عمل، اس زمانہ کے صوفیاء

خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سر و دور قص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے

اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے، ”اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا“ انہوں نے اپنے دین کو کھیل بنا لیا

رکھا ہے“

مجدد صاحب کی یہ حمایتِ شریعتِ حمیت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی اور جب وہ

کتابِ سنت اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیانہ تحقیق یا حال سنت اور

اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال و اقوال سے لائی جاتی تو ان کی رگ

فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایتِ شریعت اور غیرتِ سنت کا طوفان اٹھ پڑتا،

۱۷ مکتوب ۲۶۶ بنام میاں شیخ بدیع الدین ۱۸ مکتوب ۲۶۷ بنام خواجہ عبداللہ و عبید اللہ

کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبدالکبیر مہتمی) کا کوئی ایسا ہی شاؤ اور وحشت انگیز قول نقل

کیا تھا، مجدد صاحب اس کی تاب نہ لاسکے، اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے:—

”مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں

آجاتی ہے، اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر مہتمی ہوں یا شیخ اکبر

شامی، ہمیں کلامِ محمد عربی علیہ وآلہ و الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلامِ محی الدین بن عربی،

صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ نص سے

فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکہ سے مستغنی بنا دیا ہے“

حضرت مجدد کے نزدیک شریعتِ غزاء کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ داخل ذکر ہے

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:—

”تمام اوقات کو ذکرِ الہی جل شانہ میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی شریعتِ غزاء کے موافق

ہوگا، وہ داخل ذکر ہے، اگر چہ بیح و شراء ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کی مراعات

ہونی چاہئے تاکہ وہ سب ذکر ہو جائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا اور جب

تمام افعال میں ادا مروا ہوا ہی شریعت کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے

والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی امر و ناہی ہے، غفلت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور

اس کو دوامِ ذکر کی دولت میسر آئے گی“

۱۹ شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں، جن کا انتقال دمشق میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲۰ نص سے مراد نصِ شرعی ہے نص سے مراد شیخ اکبر کی کتاب ”فصوص الحکم“ کا کوئی حصہ (نص)۔

۲۱ مکتوب ۲۶۱ بنام ملا حسن کشمیری۔

۲۲ مکتوب ۲۶۲ بنام خواجہ محمد شرف الدین حسین۔

اس حمایت و حمیت شرعی کی بنا پر مجدد صاحب نے سجدہ تعظیم پر سخت نکیر کی، جو بعض مشائخ کے یہاں رائج ہونے لگا تھا، اور اپنے بعض اہل تعلق کو جن کے متعلق اس بارے میں تساہلی کی اطلاع ملی تھی سخت تنبیہ فرمائی^۱ نیز مشرکانہ اعمال و رسوم کی تردید و مذمت میں (جن میں اس زمانہ میں تساہل شروع ہو گیا تھا) مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد و طلبِ حوائج کے مشرکانہ عقیدہ، اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر و ذبح کرنے، پیروں، بیسیوں کی نیت سے روزہ رکھنے کی تردید و مذمت کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی کھلی تصریحات اور واضح تنبیہات اس طویل مفصل مکتوب میں ملاحظہ ہوں، جو ایک ارادت رکھنے والی نیک خاتون کے نام لکھا گیا ہے۔

یہ اصلاح عقائد و شرک و بدعت اور دین خالص کی دعوت کا وہ عظیم الشان تجدیدی کام تھا جو عرصہ دراز کے بعد حضرت مجدد نے ہندوستان کی سرزمین پر شروع کیا، (جس کی مسلمان آبادی غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہونے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بنا پر مشرکانہ جاہلیت کے خطرہ سے ہر وقت دوچار تھی) اور پھر اس کی تکمیل و توسیع انھیں کے سلسلہ کے نامور مشائخ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان اور حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت نے زبان و قلم، رسائل و تصنیفات ترجمہ قرآن و حدیث اور اپنے وسیع تبلیغی دوروں کے ذریعہ کی۔

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب ۹۲ بنام سیادت پناہ میر محمد نعمان، مکتوب ۲۹ بنام شیخ نظام الدین تھانیسری۔

۲۔ مکتوب ۴۱ بصاحبہ از اہل ارادت۔

۳۔ جن میں ان کے نامور پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۲۶ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہاں اس پر قدرے تفصیل و تعین کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے:-

ہندوستان میں جہاں اسلام کی بنیاد مختلف تاریخی اسباب کی بناء پر ہمیشہ سے کمزور ہے، اور جو دنیا کے چند بڑے مشرکانہ مذاہب و اقوام کا مرکز و وطن ہے، اسلام کا چشمہ صافی زیادہ مکر ہونے لگا تھا، اور اندیشہ تھا کہ یہ چشمہ حیواں اس بحر ظلمات میں اس طرح گم ہو جائے کہ کسی خضر طریق کو بھی اس کا نشان نہ ملے، الف ثانی کے مجدد نے جب اپنا سفر تجدید شروع کیا تو انبیاء کے کار نبوت کی عین ترتیب کے مطابق پہلا قدم یہیں سے اٹھایا، جہاں لگیر کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار آپ کی تاریخ تجدید کا روشن عنوان ہے، اپنے مکاتیب میں نہایت واضح اور جامع، حجے ثلے الفاظ میں توحید کی تشریح فرمائی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے نہا مستحق عبادت ہونے کے دلائل بیان کئے، جو آپ کے رسوخ فی العلم کا نمونہ ہیں، شرک کے مراسم و مظاہر کی تردید فرمائی، رسوم جاہلیت، اعمال مشرکانہ، تقلید کفار سے اپنے تبعین و معتقدین کو سختی سے منع فرمایا کہ تجدید کا کام اس کے بغیر شروع ہی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ مکمل ہو۔

تعظیم مراسم شرک

شرک کے مراسم، اور کفر کے میلہ اور تہوار کی تعظیم کا شرک میں بڑا پایہ ہے، دو دنیوں کو بیک وقت سچا ماننے والا اہل شرک میں سے ہے، اور اسلام و کفر دونوں کے احکام پر عمل کرنے والا مشرک ہے، کفر سے علیحدگی اور بیزاری اسلام کے لئے شرط ہے، اور شرک کے شائبہ سے نفرت توحید ہے۔

غیر اللہ سے استمداد و طلب حوائج

امراض اور بیماریوں کے دور کرنے میں بتوں اور طاعنوت سے مدد طلب کرنا، جس کا جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے، عین مشرک اور گمراہی ہے، تراشے ہوئے ناتراشیدہ پتھروں سے اپنی ضرورتیں مانگنا، حق تعالیٰ کا صاف صاف انکار اور عین کفر ہے، اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ فِى الدِّينِ لَعَنَ اللَّهُ مَن فَعَلَ ذَلِكَ مِنَ الظَّالِمِينَ
وَقَدْ أَمَرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا

وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنا مقدمہ سرکش کے

پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہوا ہے کہ

اس کو نہ مانیں، اور شیطان ان کو بھٹکا کر

(النساء - ۶۰) بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

اکثر عورتیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے غیر اللہ سے جس مدد کے طلب کرنے کی مانعت ہے، اس میں مبتلا ہیں، اور ان فرضی ناموں سے بلا دفع کرنے کی درخواست کرتی ہیں، اور مشرک اور مراسم مشرک کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔

سیتلہ

خصوصیت کے ساتھ اس مشرکانہ عقیدہ، اور مشرکانہ اعمال و رسوم کا مشاہدہ اور احساس اس وقت ہوتا ہے، جب چھپک کامرض (جو ہندوستان کی عورتوں میں سیتلہ کے نام سے مشہور ہے) پیش آجائے، اس وقت اچھی بُری عورتیں سب اس عام جہالت اور کفر میں مبتلا نظر آتی ہیں، مشکل سے کوئی عورت ہوگی جو اس مشرک کی باریکیوں سے

محفوظ ہو، اور اس کے رسوم میں سے کسی رسم کی طرف اس موقع پر وہ پیش قدمی نہ کرے، سوائے اس کے جس کو اللہ محفوظ رکھے۔

کافروں کے تہواروں کی تعظیم اور ان کی رسوم و عادات کی تقلید

اسی طرح ہندوؤں کے تہواروں کی تعظیم، اور یہودیوں کے مروجہ رسوم کے دنوں کا منانا بھی مشرک کا مستلزم، اور کفر کا مستوجب ہے، چنانچہ ہندوؤں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کفار کی رسمیں پوری کرتی ہیں، اور اپنی عید مناتی ہیں، اور کفار کے تحائف کی طرح اپنی طرف سے بھی اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بالکل مشرکین کے ہم رنگ تحفے تحائف بھیجتی ہیں، اور اپنے برتنوں کو (بالکل کفار کے رنگ میں) رنگین کرتی ہیں، اور سرخ فیرنی سے بھر کر بھیجتی ہیں، اور اس تہوار اور زمانہ کا بڑا اہتمام کرتی ہیں، یہ سب مشرک ہے، اور دین اسلام کے ساتھ کفر و انکار ہے۔

بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر اور ذبح کرنا

اسی طرح حیوانات کی پیروں اور بزرگوں کے لئے منت مانتے ہیں، اور ان کی قبروں پر لے جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، فقہی روایات میں اس عمل کو بھی مشرک میں شمار کیا ہے، اور اس بارہ میں بڑی صفائی اور سختی سے کام لیا ہے، اور ایسے جانوروں کو ذبح کرنے کو بھی انھیں ذبیحوں کے ذیل میں شمار کیا ہے، جو جثات کے نام پر اور ان سے طبع اور خوف کی بنا پر مشرکین ذبح کیا کرتے تھے، جو شرعاً ممنوع ہے اور مشرک میں

داخل ہے، اس عمل سے بھی اجتناب ضروری ہے، کیونکہ اس میں شرک کی بو پائی جاتی ہے، نذر کے طریقے اور صورتیں بہت ہیں، کیا ضروری ہے کہ جانور کے ذبح کی ہی نیت مانی جائے، اور اس عمل کے ساتھ جنات کے ذبیحوں میں شامل کر کے جنات کے پرتاروں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔

پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنا

اسی قبیل سے عورتوں کا روزہ بھی ہے، جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، اکثر اس کے نام اپنی طرف سے تراش کر ان کے ناموں پر اس کی نیت کرتی ہیں، اور افطار کے وقت ہر روزہ کے لئے خاص طریقہ اختیار کرتی ہیں، اور روزہ کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں، اور ان روزوں کے وسیلہ سے پیروں اور بیبیوں سے اپنی ضرورتیں طلب کرتی ہیں، اور یہ سمجھتی ہیں کہ انھیں کی طرف سے ان کی حاجت روائی ہوتی ہے، یہ عبادت میں شرک ہے، اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلہ سے اپنی ضرورتوں کو غیر اللہ سے طلب کرنا ہے، اس عمل کی قباحت اچھی طرح معلوم کرنی چاہئے، حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "روزہ میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، یعنی روزہ میرے لئے مخصوص ہے، اور کسی دوسرے کے روزہ کی عبادت میں کوئی شرکت نہیں، اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت جائز نہیں، لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کی اہمیت کی وجہ سے ہے، اسی لئے تاکید کے ساتھ اس عبادت میں شرک کی نفی کرتی ہے۔"

یہ محض ایک حیلہ ہے، جو بعض عورتیں (جب اس فعل کی قباحت بیان کی جاتی ہے) کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے اللہ کے لئے رکھتے ہیں، اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتے ہیں، اگر وہ اس بات میں سچی ہوتیں، تو روزوں کے لئے دنوں کا تعین کیوں ضروری ہوتا، اور کھانے کی تخصیص، اور افطار میں مختلف قبیح طریقوں اور آداب کی تعیین کی حاجت کیا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ افطار کے وقت محرمات کا از نکاب کرتی ہیں، اور کسی حرام چیز سے افطار کرتی ہیں، اور بے ضرورت سوال کرتی ہیں، اور بھیک مانگتی ہیں، اور اس سے روزہ کھولتی ہیں، اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل، اور حاجت روائی کو اس فعل حرام کے ساتھ وابستہ سمجھتی ہیں، یہ خود عین گمراہی ہے، اور شیطان لعین کا دھوکہ، اللہ تعالیٰ ہی ان تمام چیزوں سے حفاظت فرمانے والا ہے، (مکتوب ۴/۱۶۳ بصالحہ اذہل ارادت)۔

اسی طرح سجدہ تعظیمی کی ممانعت کے بارے میں آپ کے متعدد واضح اور طاقتور مکتوبات ہیں، جن میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

اپنے ایک مرید میر محمد نعمان کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"بعض فقہاء نے اگرچہ سلاطین کے لئے سجدہ تحیت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن سلاطین عظام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع و فروتنی سے کام لیں، اور اس انتہائی لپستی و شکستگی کو اللہ کے سوا کسی کے لئے جائز نہ کریں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عالم کو ان کے لئے مسخر کر دیا ہے، اور ان کا ضرورت مند بنا دیا ہے، اس نعمت عظمیٰ کو بجالایا جائے، اور اس طرح کی خاکساری کو جو کمال عاجز

اور شکستگی کو ظاہر کرتی ہے، اس بارگاہِ عالی کے لئے مخصوص رکھنا چاہئے، اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ شرکت نہیں ہونی چاہئے، اگرچہ ایک جماعت نے اس فعل کو جائز قرار دیا ہے، مگر ان سلاطین کو خود اپنی خاکساری اور ادب سے اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے، کیونکہ مطابق ارشاد ربانی:

“هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ” احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

(مکتوب ۲۹ بنام میر محمد نعمان)

اپنے ایک مرید شیخ نظام تھا میری کے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

”لوگوں نے بیان کیا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں، وہ زمین بوسی پر بھی اکتفا نہیں کرتے، اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے، ان کو منع کرو، اور منع کرنے میں پوری سختی اور تاکید سے کام لو، اس طرح کے افعال سے اجتناب کرنا ہر شخص سے مطلوب ہے، بالخصوص اس شخص سے جس نے اپنے کو خلاق خدا کی اقتداء کے لئے پیش کیا ہے، اس قسم کے افعال سے اس شخص کا اجتناب کرنا، سخت ترین ضروریات میں سے ہے، کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی اقتداء کریں گے، اور بلا میں گرفتار ہوں گے۔“

(مکتوب ۲۹ بنام شیخ نظام تھا میری)

سنت کی ترویج اور بدعتِ حسنہ کی تردید

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور

تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے، بدعت ہے، بدعت در حقیقت دین الہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے، اس شریعت کی الگ فقہ ہے اور مستقل فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الہی کے متوازی اور بعض اوقات تعدد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی، جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہو گیا، اور جس کو فرض و واجب بننا تھا، وہ فرض و واجب بنایا جا چکا، دین کی تکمیل بند کر دی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا، امام مالک نے خوب فرمایا:-

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها
حسنۃ فقد زعم ان محمداً اصلی اللہ
علیہ وسلم خان الرسالۃ،
فان اللہ سبحانہ یقول الْیَوْمَ
اکملت لکم دینکم فما لکم
بیمئذ دیناً فلا یكون الیوم
دیناً۔

جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کر دی
اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات
کا اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے (نعوذ باللہ) پیغام پہنچانے میں
خیانت کی، اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے
تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا پس جو
بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی،
وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزل من اللہ کی خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں
قابل عمل ہونا ہے، اس لئے کہ جو دین کا شاعر ہے، وہ انسان کا خالق بھی ہے، وہ انسان کی ضرورتوں

اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے۔

الَّذِينَ يَعْلَمُونَ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (اور کھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ

الْحَسْبُ (سورۃ الملک - ۱۴) باریکہ میں (اور) پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریح الہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے، مگر جب انسان خود شائع بن جائے گا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار پیدا ہوا اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قلابہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (خدا نے تمہارے لئے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جاسکتا ہے جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر کیسانی ہے، وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئیگی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کے برخلاف بدعات میں کیسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچے اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ خاص تاریخی اور مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے ہر ملک بلکہ اس کے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر کے بدعات اور پھپھو محلوں اور گھروں کی ذہنی ایجادیں انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، اور اس طرح شہر شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انہی ابدی و عالمی مصالح کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت سے

بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید فرمائی، آپ نے فرمایا:-

من احدث في امرنا هذا ما ليس

جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو

منه فهو رد۔ اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔

ايكروم والبدعة فان كل بدعة

بدعت سے ہمیشہ بچو! اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی

ضلالة وكل ضلالة في النار۔ ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیش گوئی بھی فرمائی :-

ما احدث قوم بدعة الا رفع بها

جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں

مثلا من السنة۔ تو اس کے بقدر کوئی سنت ضرور اٹھ جاتی ہے۔

صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ و فقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین اور علماء ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی اپنے مقدر بھر کوشش کی، ان بدعات میں عوام و خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مفناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے، اور ان سے ان پیشہ ور دنیا دار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں ان کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا كُنَّا قَوْمًا

اے ایمان والو! اکثر اجار اور رہبان

الْأَجْبَارِ وَالرَّهْبَانِ لِيَاكُونُوا

لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن

ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے

سَبِيلِ اللَّهِ (سورۃ توبہ - ۳۴) ہیں۔

اس کی بنا پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے اس کی پرواہ

نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جہاد اور شریعت کی حفاظت کا اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین بد اور حالمین لواء سنت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کا عوام سے "جامد" "روایت پرست" "مذہب دشمن" وغیرہ کے خطابات ملے، لیکن انھوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، ان کے اس سانی و قلمی جہاد احقاق حق اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا تمدن کی بعض تاریخوں ہی میں ذکر رہ گیا ہے اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علماء حقانی اب بھی صفت آ رہے ہیں۔

ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات
 اللہ علیہم منہم من قضیٰ نحبہم
 وہ ہیں جو اپنی مذہب پوری کر چکے اور بعضے ان میں مشاق
 (سورہ احزاب - ۲۳)

اس سلسلہ میں سب سے بڑا مغالطہ بدعت حسنہ کا مغالطہ تھا، لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں، بدعت سیئہ، اور بدعت حسنہ، وہ کہتے تھے کہ ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بہت سی بدعات بدعات حسنہ ہیں، جو حدیث کے اطلاق "کل بدعة ضلالة" سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت مجدد صاحب نے اس تقسیم اور بدعت حسنہ کے خلاف جس زور سے علم جہاد بلند کیا اور لے ان لوگوں کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمر کا قول ہے جو انھوں نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا تھا "نعمت البدعة هذا" (یہ بڑی اچھی بدعت ہے) حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں محض لغوی حیثیت سے اس کو بدعت کہا گیا ہے، ورنہ تراویح کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور متواتر ہے، بدعت کی تعریف کے لئے امام شاطبی کی کتاب الاعتصام بالنسۃ اور مولانا اسماعیل شہید کی کتاب ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح، جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے، مطالعہ کرنی چاہئے۔

جس اعتماد و قوت اور علمی استدلال کے ساتھ اس کا انکار کیا اس کی نظیر دوزنگ اور دیزنگ نہیں ملتی، اس سلسلہ میں مکتوبات کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں، اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں، عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے سنت مستور اور چونکہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے، بدعت راجح و مقبول ہو رہی ہے، کسی شہباز کی ضرورت ہے، جو سنت کی نصرت و حمایت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے، بدعت کی ترویج، دین کی تحریف کے مراد ہے، اور مبتدع کی تعظیم قصر اسلام کو منہدم کرنے کے ہم معنی، حدیث میں آتا ہے:-

من وقر صاحب بدعة فقد اعان
 علی ہدم الاسلام۔
 جو کسی بدعت والے کی توفیر کرے گا اس نے
 اسلام کے منہدم کرنے کے کام میں حصہ لیا۔

پوسے عزم و ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا، لیکن ضعف اسلام کے اس زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام، سنت کی ترویج اور بدعت کی تحریف کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے اور کبھی ضروری ہے!

اس کے بعد اسی مکتوب میں بدعت میں کسی قسم کے حسن و جمال ہونے اور بدعت حسنہ کی تعبیر و اصطلاح کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

گزشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو

انہوں نے مستحسن قرار دیا لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے انفاق نہیں، وہ کسی بھی بدعت کو
حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

كل بدعة ضلالة^۱ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں جو عربی میں میر محبوب اللہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:-

”سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حُسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام
کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ و مقبول مذہب میں اتنا نعمت کے بعد ایجاد کیا گیا ہو کیا ان کو
یہ موٹی بات معلوم نہیں کہ اتنا واکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو
اس میں حُسن نہیں ہو سکتا فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالَةُ (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے)۔
اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نوپیدا شدہ چیز کے حُسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو
مستلزم ہے اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے“

ایک دوسرے مکتوب میں اسی استثناء پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

”مجب (دین میں) ہر نوا ایجاد چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت تو کسی بدعت میں حُسن
پائے جانے کا کیا مطلب؟ اور جب حدیث سے صاف طریقہ پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت رافع
سنت ہوتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہے، حدیث میں آیا ہے:-

ماحدث قوم بدعة الا رضع مثلها جب کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے تو اسی کے

من السنة، فتمسك بسنة خير من بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے، پس سنت سے

امداد بدعة - وابستگی بدعت کی ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

۱۔ مکتوب ۲۳ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ۔ ۲۔ مکتوب ۱۹ بنام میر محبوب اللہ۔

حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ما ابتدع قوم بدعة في دينهم الا نزع جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت پیدا

الله من سنتهم مثلها، ثم لا يعيدها کرے گی تو ضرور اللہ تعالیٰ ان سنتوں میں سے جن پر

اليوم الى يوم القيامة - وہ عمل پیرا ہیں کوئی سنت ضرور سلب کرے گا

پھر قیامت تک وہ ان کو واپس نہ دے گا۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسنہ سمجھا ہے، جب ان پر اچھی طرح سے
غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں!

اسی مکتوب میں بدعت حسنہ کے وجود کا بالکل انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

”لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، اس نیک عمل کو
بدعت حسنہ کہتے ہیں جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو، اور اس سے
کوئی سنت نہ اٹھتی ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو، اس فقیر کو ان بدعات میں سے
کسی بدعت میں حُسن و نورانیت نظر نہیں آتی، اور اس میں سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس
نہیں ہوتا، فرض بھی کر لیا جائے کہ آج کسی عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے تازگی
اور صفائی نظر آتی ہے تو کل جب نظرتیز اور دور میں ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے
سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

بوقت صبح شود ہم چوروز معلومت

کہ باکہ باختر عشق در شب دیکجو ر

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

۱۔ مکتوب ۱۸ بنام خواجہ عبدالرحمن مفتی کابلی۔

من احدث في امرنا هذا ما ليس
 جوہاے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا
 منہ فہور^۱۔
 جو اس کے اصل میں نہیں ہے تو وہ رد ہے (مقبول نہیں)

ان بدعات حسنہ میں جو اس زمانہ میں رواج پذیر ہو رہی تھیں، ایک محفل میلاد بھی تھی اس کے مقصد اور عالی انتساب کی وجہ سے اس کا بدعت کہنا اور اس کی مخالفت بڑا نازک اور دشوار کام تھا، اور اس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہونے اور اس کو بے ادبی اور محبت کی کمی پر محمول کرنے کا خطرہ تھا، لیکن حضرت مجدد نے جن کو اس بارے میں کامل شرح صدر حاصل تھا، کہ جس چیز کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ہے، اس میں دین کی ترقی اور امت کی فلاح نہیں ہے، اور اس میں مرور زمانہ کے ساتھ مختلف مفسد کا اندیشہ ہے، آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفل میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا:-

مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقاً بند کر دیا جائے گا اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے، اگر ذرا بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ "قليلہ يفضي الى كثيرۃ"

اس طرح حضرت مجدد کے اس مبصرانہ و جرأت مندانہ اقدام (بدعات کی عمومی مخالفت اور بدعت حسنہ کے وجود سے اختلاف) سے ایک بڑے خطرہ کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سدباب ہو گیا، جو غیر محقق علماء کی تائید، خانقاہوں کی سرپرستی اور خوش اعتقاد امراء و رؤساء کی دلچسپی اور حمایت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمين خیر الجزاء۔

۱۔ مکتوب ۱۸۶۱ء بنام خواجہ عبدالرحمن مفتی کابلی۔ ۲۔ مکتوب ۱۸۶۲ء بنام خواجہ حسام الدین۔

بَابِ ثَمَم

وحدة الوجود یا وحدة الشہود؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدة الوجود کی تفصیل و تدوین

متقدمین صوفیاء کی زبان سے جو مغلوب الاحوال ہوتے تھے، اتحاد نامہ اقوال جو وحدة الوجود پر دلالت کرتے ہیں، صادر ہوئے ہیں، ان میں مشہور شیخ و عارف حضرت بایزید بسطامی کا (جو اکثر سلاسل طریقت کے مشائخ کبار میں ہیں) قول "سبحانی ما اعظم شأنی" اور "لیس فی جنتی الا اللہ" اور حسین بن منصور حلاج کا نعرہ "انا الحق خاص طور پر مشہور ہے۔

لیکن شیخ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) جو شیخ اکبر کے نام سے شہرہ آفاق ہیں اس ذوق اور مسلک کے مجدد و خاتم اور علمی طور پر بانی و مؤسس ہیں، اور انھیں کے زمانے سے اس کی شہرت و مقبولیت اس درجہ کو پہنچی کہ وہ اہل تصوف میں موسمی اثر کی طرح سرایت کر گئی جس سے قوی مزاج سے قوی مزاج بھی کلی طور پر محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ اہل ذوق و تحقیق کا شعار اور ان کا "کلمہ جامعہ" بن گیا، اور اس کا انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا یا بزم تصوف میں نامحرم و طفیلی ہونے کا اعلان کرنا تھا، بقول حضرت مجدد:-

"انھوں نے اس کے اس طرح البواب و فصول مقرر کئے جس طرح علم نحو و صرف

میں دستور ہے، شیخ اکبر کے نزدیک وحدۃ الوجود کی حقیقت کیا ہے، وہ اس کو کس طرح پیش کرتے ہیں، اس پر کیا دلائل قائم کرتے ہیں، اور اس کو کس طرح ایک بدیہی حقیقت، ایک عملی تجربہ اور کشف و مشاہدہ کا معاملہ بنا دیتے ہیں، پھر اس نے کس طرح ایک مستقل فلسفہ اور مدرسہ کی حیثیت اختیار کر لی، اور اس پر اتنا بڑا کتب خانہ تیار ہو گیا، جس کا اجمالی جائزہ لینے کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر درکار ہے، پیش نظر کتاب میں اس کا ضمنی و اجمالی تذکرہ بھی مشکل ہے، یہ مسئلہ چونکہ فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے جس کے لئے فلسفہ اور تصوف کی دقیق اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے، اور اس کا باطنی تجربات اور علمی سیر و سلوک سے بھی گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مختصر باب میں اس کا احاطہ مشکل ہے، قارئین میں سے جن حضرات کو اس کو علمی طور پر سمجھنے کا ذوق ہو، وہ شیخ اکبر کی مشہور تصانیف "فتوحات مکملہ" اور "فصوص الحکم" کی طرف رجوع کریں، حضرت مجدد صاحب نے وحدۃ الشہود کے اثبات میں طویل مکتوبات تحریر فرمائے ہیں، ان میں شیخ اکبر کے مسلک کو جس طرح پیش کیا ہے، اور اس کی جو تلخیص و ترجمانی فرمائی ہے، ان سے بھی اس مسلک اور اس کے مقصود و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، ان کے ضروری اقتباسات اس مضمون میں اپنی جگہ پر آئیں گے۔

ہم یہاں پر علامہ عبدالعلی بکر العلوم لکھنوی (م - ۱۲۲۵ھ) کے رسالہ وحدۃ الوجود کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، مصنف علوم حکمت و اصول کے بحر زخار ہونے کے ساتھ شیخ اکبر کے نظریہ وحدۃ الوجود کے شارح و ترجمان ہیں، اور ان کی تصنیفات بالخصوص "فتوحات مکملہ"

لے مکتوب ۹۹ بنام قاضی اسماعیل فرید آبادی۔ لے اس سلسلہ میں سید شاہ عبدالقادر مہربان فخری میلپوری (م ۱۲۰۵ھ)

کی کتاب "اصول فی بیان مطابقتہ الکشف بالمعقول والمنقول" (مطبوعہ مدراس یونیورسٹی ۱۹۵۹ء) کا

مطالعہ بھی مفید ہوگا، جو اس موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے۔

اور فصوص الحکم کے خواص و ثناور، ان اقتباسات سے کسی قدر شیخ اکبر کے منشا و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، اگرچہ ان میں بھی ایسے متعدد اصطلاحات و تعبیرات آئی ہیں، جن سے اہل فن اور وہی حضرات واقف ہیں جو اس سلسلہ کے عارفین کی زبان و طرز بیان سے مانوس ہیں، اس سے مختصر و واضح ترجمانی ہم کو نہیں مل سکی، اس لئے اس سے مدد لی گئی ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے، وہ عالم شیونات و تعینات ہے، تمام شیونات و تعینات

اس کے مظاہر ہیں، اور وہ ان میں ظاہر اور ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے طولی

قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں، بلکہ یہ سر بیان مثل اس سر بیان کے ہے، جو کہ گنتی کے اعداد

میں ایک کی ہے، گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں، عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی

ذات کا ظہور ہے، کثرت میں وہی ظاہر ہے، اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں ہے، اللہ کی

پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا ہے، اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے، اللہ ہی

اول ہے، اللہ آخر ہے، اللہ ہی ظاہر ہے، اللہ ہی باطن ہے، اللہ ان کے شریک بنانے سے

پاک ہے"

"اللہ تعالیٰ کے نام بغیر کسی منظر کے ظاہر نہیں ہوتے، وہ مبارک نام چاہے تشریحی ہوں

چاہے تشبیہی، اب جب کہ اسماء مظاہر پر موقوف ہوئے اور بغیر مظاہر کے ان کا کمال تصور

ہی نہیں ہو سکتا، تو اللہ تعالیٰ نے اعیان عالم کو موجود کیا، تاکہ وہ اعیان اس کے مظاہر ہوں

اور اس کے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں قطعاً غنی ہے، لیکن اسمائی کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجود

خارجی سے غنی نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:-

پرتو معشوق گرفتار عاشق چہ شد مابد و محتاج بودیم اوبہام شاق بود

یعنی اگر معشوق کا سایہ اور پر تو عاشق پر پڑ گیا تو کیا بات ہوئی ہم اس کے محتاج تھے اور وہ ہمارا مشاق تھا، یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے کنت کنتاً مخفیاً فأحببت ان اعرف فخلقت الخلق“ میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں لہذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات منظر ہو میرا اور میرے اسماء کا“

”جو دو وجود کا قائل ہو کہ ایک اللہ کا وجود ہے اور ایک ممکن کا تو وہ شرک کر رہا ہے اور اس کا یہ شرک، شرک مخفی ہے اور جو شخص صرف ایک وجود کا قائل ہو، اور اس نے کہا کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اس کی وحدت کے منافی نہیں تو یہ شخص موحد ہے“

”تم حق کے عین نہیں ہو کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور تم مقید اور متعین ہو اور متعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں ہو سکتا، ہاں تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو، حق تعالیٰ تم میں متعین ہوا ہے تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے آزاد اور تعین کی قید سے مقید پارہے ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو متعین میں ظاہر دیکھ رہے ہو،“ (موجود ولا الہ الا اللہ)

اللہ کے سوا کوئی موجود ہے، اور نہ کوئی معبود ہے“

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جاسکتا ہے کہ صوفیاء فلاسفہ اور شعراء میں نوٹھے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے ہیں، شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ ترمذی نین، فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے، ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابو حنیفہ ان مفسر،

لہ رسالہ ”وحدة الوجود“ تالیف بحر العلوم علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی، مترجم مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی

شیخ الاسلام عز الدین ابن عبدالسلام، حافظ ابو زرہ، شیخ الاسلام سراج الدین اہلبقین، ملا علی قاری علامہ سعد الدین تفتازانی، جیسے نامور علماء اور ائمہ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل، کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے، لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف و حقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق و علوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں اس لئے ان کی مخالفت کو الناس اعداء ما جہلوا“ (لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہو جاتے ہیں) کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید

مسئلہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کے سب سے بڑے علمبردار اور اس پر کتاب و سنت کی بنیاد پر اور ان اثرات و نتائج کی روشنی میں جو قریب عرصہ میں اس مسئلہ تحقیق کے اختیار کرنے کی وجہ سے تصوف کے حلقہ میں اور عوام میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے، تنقید و تبصرہ اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے میں شیخ الاسلام نقی الدین حافظ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، وہ شیخ اکبر کی وفات (۶۳۸ھ) سے تیس سال بعد پیدا ہوئے، شیخ اکبر کی وفات جس شہر (دمشق) میں ہوئی اور جس کو ان کی آخری آرامگاہ اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا، وہیں امام ابن تیمیہ نے ہوش سنبھالا، تعلیم و تربیت حاصل کی اور یگانہ علمی و ذہنی کمالات کو پہنچے، ان کا شعور جب بالغ ہوا اور وہ جب ماحول پر ناقدرانہ نظر ڈالنے کے قابل ہوئے تو شیخ اکبر کی وفات کو ۴۰-۴۵ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، مصر و شام کی فضا ان کی علمی نادر تحقیقات کے شور سے گونج رہی تھی، اور علم و معرفت کے خم خانے

ان کے ذوق توحید سے مخمور تھے، مصر میں شیخ ابوالفتح نصر المنجی، شیخ اکبر کمالی معتقدین میں تھے اور سلطنت کا مدار المہام اور سیاہ و سفید کا مالک رکن الدین بیبرس الجاشنکیر، شیخ نصر المنجی کا معتقد و مرید تھا، شام میں اور اسی طرح بیشتر عرب ممالک میں شیخ کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم عام طور پر متداول تھیں، اور لوگ ان کو پڑھ پڑھ کر سردھنتے تھے، خود امام ابن تیمیہ نے اعتراض کیا ہے کہ "فتوحات مکیہ" "کنہ المحکم المربوط" "الدرة الفاخرة" و "مطالع الجنح" وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد و نکات ملتے ہیں، شیخ اکبر کے مسلک کے حاملین میں ابن سبعین، صدر الدین قولوی، (جو شیخ اکبر کے براہ راست شاگرد تھے) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر شہرہ آفاق تھے، امام ابن تیمیہ نے اس پوری جماعت میں شیخ اکبر کو ان سب پر ترجیح دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انصاف و تحقیق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ پر عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

"ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے کہ وہ مظاہر..... اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں، امر و نہی اور شرائع و احکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں، مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تاکید کی ہے، ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لئے بہت سے عابد و صوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے ہیں، اور ان کی موافقت کرتے ہیں، ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔"

دوسری جگہ ایک بلند مرتبہ مسلمان سے حسن ظن اور اپنے حکم لگانے کی نازک فریاری کا احساس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لے مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجی مندرجہ جلاء العینین ص ۷۷

"اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی مغفرت فرمائے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ" (ہمارے پروردگار! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کھوٹ ڈرکھ لے ہمارے پروردگار تو بہت شفقت والا مہربان ہے)۔

عقیدہ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے خاص مزاج و مذاق، اس کی عمومی تبلیغ و اشاعت اور اس کی تعلیم و تلقین میں زیادہ جوش سے کام لینے اور احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے خود شام میں جو علوم دینیہ کا بڑا مرکز اور مصر کی مسلم ترکی النسل حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا، ایک طرح کا ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہونے لگا تھا، لوگ شریعت، عقل اور اخلاق کے حدود پھلانگنے لگے تھے، اور ایک بحرانی کیفیت اسلامی معاشرہ میں رونما تھی، ایک حکیم کے قول کے مطابق "درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" عقیدہ وحدۃ الوجود کا درخت جس طرح کے برگ و بار لانے لگا تھا، وہ ایک حامی شریعت اور غیور عالم و داعی کے لئے باعث تشویش اور موجب نقد تھے۔

امام ابن تیمیہ ناقل ہیں (اور وہ نقول میں عام طور پر محتاط ہیں) کہ تلمسانی (جو اس معرفت کے علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے) مسلک وحدۃ الوجود کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل بھی تھے، شراب پیتے تھے، اور محرمات کا از نکاب کرتے تھے (کہ جب موجود

لے ایضاً

ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی؟ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

”مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے اور اس کو اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انھوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں تو انھوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن کے خلاف ہے، تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، تو حید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے، جو صریح عقل کے خلاف ہے۔“

وہ مزید لکھتے ہیں:-

”ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا گذر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذات خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے، ہاں سب کے سب اسی کی ذات کے اندر ہیں۔“

وہ اپنی دوسری کتاب ”الرد الاقوام علی فصوص الحکم“ میں لکھتے ہیں:-

”بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں حرام ہے؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان مجبوبین نے (جو توحید حقیقی سے نا آشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (مجبوبین) پر حرام ہے۔“

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان بیباکانہ اقوال اور اباحت و فوضویت (اخلاقی انارکی)

کی ذمہ داری شیخ اکبر صیہ عارف و محقق پر یا ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے، جو باجماعت درجہ تبع سنت، عابد و زاہد، متراض و مجاہد اور نفس سے شدید مجاہدہ کرنے والے، مکاید شیطان اور غوائل نفس سے بدرجہ تمام واقف تھے، لیکن ان کے یہاں اس طرح کے غریب اور جوش اقوال ملتے ہیں، جن سے رائی کا پرست بنا لینے والوں کو سالہ ہا تھا آتا ہے، مثلاً یہ کہ ”عہد موسیٰ کے گو سالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰ نے ہارون کو جو ٹوکا تھا، تو اس بات پر کہ انھوں نے گو سالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰ ان عارفین میں سے تھے، جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسر حق تھا کہ ”أنا ربکم الاعلیٰ“ بلکہ وہ عین تھا، فرعون کو چونکہ تکوینی طور پر منصب حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحب حق تھا، تو اس نے بجا طور پر ”أنا ربکم الاعلیٰ“ کہا، اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت میں رب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیوں کہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جادو گرو کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ ”اقض ما أنت قاضٍ إنما تقضیٰ هذه الحیاة الدنیا“ (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ ”أنا ربکم الاعلیٰ“ وہ حضرت نوح پر تنقید کرتے ہیں، اور ان کی کافر قوم کی تصویب و تعظیم جنھوں نے پتھروں کی پرستش کی، وہ کہتے ہیں کہ ان بت پرستوں نے درحقیقت الشری کی

لے شیخ اکبر امام داؤد ظاہری کے مذہب ظاہری کے پیرو تھے، جو قیاس کے قائل نہیں اور ظاہر حدیث پر

عمل کرتے ہیں۔ لے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ان کا رسالہ ”روح القدس“۔

عبادت کی تھی، اور طوفانِ نوح دراصل معرفتِ الہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔

اسی بنا پر بہت سے ایسے مشائخ و عارفین جو شیخ اکبر کے علوم مرتبہ کے قائل تھے اور ان کو مقبولین میں سمجھتے تھے، وہ اپنے اہل تعلق کو ان کی کتابوں کے عام مطالعہ سے سختی سے منع کرتے تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی مصنف النور السافر اپنے شیخ علامہ بحرق سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مرشد شیخ وقت شیخ ابو بکر عیدروسی نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد (شیخ عبداللہ ابن ابی بکر حضرمی) نے مجھے کبھی مارا یا جھڑکا ہو، یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے میرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی "فتوحات مکیہ" کا ایک جز دیکھا، ان کو سخت غصہ آیا، میں نے اس دن سے ان کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد شیخ کی دونوں کتابوں، "فتوحات" اور "فصوص" کے مطالعہ شدت سے منع کرتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ شیخ سے حسن ظن رکھنے کی تاکید بھی کرتے تھے اور اس کا عقیدہ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ اور کبار عارفین میں تھے۔

عقیدہ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

آٹھویں صدی میں جب یہ عقیدہ ہندوستان آیا تو اس وجہ سے کہ ہندوستان خود

لے شیخ اکبر کے یہ سب اقوال "الرد الاقوم علی مانی کتاب فصوص الحکمہ اور الفرقان بین الحق والباطل" سے ماخوذ ہیں اور امام نے ان کو فصوص الحکمہ سے اقتباس کر کے لکھا ہے، یہاں اس بات کا بھی اظہار ضروری ہے کہ شیخ اکبر کے علوم سے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں باخصوص "فصوص الحکمہ"

میں کثرت سے احکامات و اضافات کئے گئے ہیں۔ لے النور السافر ص ۲۶۶

اس مسلک و ذوق کا قدیم ترین اور پر جوش ترین قائل و داعی رہ چکا تھا، اور بعض مورخین تصوف کے قول کے مطابق متصوفین اسلام نے جو ایران، عراق اور مغرب میں پیدا ہوئے توجید و جود کی کا سبق ہندوستان ہی سے لیا تھا، اسلام کی آمد کے بعد بھی بلا کسی انقطاع کے یہ ملک اس مسلک و عقیدہ کا علمبردار ہمارا وست" کا قائل ہے، اور آری نسلوں کے مزاج اور یہاں کے مذاہب اور فلسفوں کی (جو سامی اقوام اور انبیاء کے مرزوم میں پیدا ہونے والے مذاہب کے برخلاف تعینات و قیود سے گریزاں اور وحدت وجود اور وحدت ادیان کے ہزاروں برس سے قائل ہیں) اطلاق پسندی کی وجہ سے اس مشرب نے اور گہرا اور شوخ رنگ اختیار کر لیا، اور یہاں آکر اس فلسفہ کے مزاج نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ و ہم آغوش ہو کر ایک نیا جوش اور ایک نیا مکتب خیال پیدا کر لیا، یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کی حامی و حامل اور مبلغ و داعی نظر آتی ہے، ان میں خاص طور پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامی و گرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۲۴ھ) شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (م ۹۲۹ھ) شیخ عبدالعزیز دہلوی معروف بہ شکر بار (م ۹۷۵ھ) شیخ محمد ابن فضل اللہ برہان پوری (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ محب اللہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) میں سے ہر ایک اپنے عہد و عصر کا ابن عربی اور اپنے شہر و مصر کا ابن فارض تھا، ان میں سے اکثر حضرات حضرت مجدد سے کچھ پیشتر یا ان کے زمانہ سے قریب یا متصلاً مسند آراء کے تحقیق و ارشاد ہوئے۔

شیخ علماء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبر پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت و معرفت کے کوچہ ریاضت و مجاہدہ کی دنیا اور

معارف و حقائق اور عملی تجربات اور ذوق سے نا آشنا تھے، اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کر ناقابل اعتناء قرار دے دیتے تھے کہ - ع

لذتِ مے نشناسی بخدا تا پختشی

اور - ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

پہلے محقق اور مسلم صوفی اور عارف جنہوں نے خصوصیت و اہتمام کے ساتھ اس مشرب کی تنقید اور تردید کی وہ شیخ رکن الدین ابوالکلام علاء الدولہ سمنانی ہیں۔

علاء الدولہ السمنانی (۶۵۹-۵۳۶) خراسان میں سمنان کے ایک دولت مند اور مشہور گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے افراد حکومت و وزارت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے انہوں نے شیخ نور الدین عبدالرحمن الکسرقی الاسفرائینی سے کبروی سلسلہ میں باطنی استفادہ کیا اور اجازت پائی، شیخ اکبر کے وحدۃ الوجود کے نظریہ کے خلاف انہوں نے مسلسل مناظرات جاری رکھے اور اپنے خطوط میں بھی جا بجا ذکر کیا، ان کے نزدیک سالک طریقت کی انتہائی منزل "توحید" نہیں بلکہ "عبودیت" ہے ان کے ملفوظات ان کے مرید اقبال ابن سائق سیستانی نے مرتب کئے جس کے کئی نسخے "پہل مجلس" یا ملفوظات شیخ علاء الدولہ السمنانی وغیرہ کے ناموں سے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جامی کے "نفحات الانس" ص ۵۰۴-۵۱۵ کا بیشتر حصہ بھی انہی ملفوظات پر مبنی ہے۔

وحدة الشہود

ہمارے علم و مطالعہ میں دو نامور شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کے یہاں وحدۃ الوجود

لے مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۹۵ دفتر سوم لے مقالہ F. MEIER مندرجہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

کے متوازی وحدۃ الشہود کا ذکر اور اس کی طرف اشارات ملتے ہیں، ان دونوں میں اختلاف ذوق بلکہ تباہین راستوں کے باوجود صرف ایک (حسن نیت، سلامت ذوق اور اخلاص) کی وحدت ہے، جس پر ہدایت کے ابواب کے مفتوح ہونے کا وعدہ قرآنی "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے الفاظ ہیں، موجود ہے، ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ جو اصلاً محدث، فاضل و فقیہ تھے، دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین کبھی منیری جو اصلاً عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے، اول الذکر کی کتاب "العبودیت" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کے کوچہ سے آشنا ہیں، اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سالکین کو اتنا ہی سلوک میں یہ مقام پیش آتا ہے، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے تبعین کا ملین صحابہ کرام وغیرہم کی معرفت سے فروتر لیکن وحدۃ الوجود کے مقام سے بہتر و بلند تر ہے، لیکن چونکہ یہ ان کا اصل میدان نہیں اس لئے وہ صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

لیکن مخدوم بہاری (م ۱۸۲۷) نے اپنے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا کہتے ہیں کہ "عام طور پر جس کو وحدۃ الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنا کا سمجھا جاتا ہے، وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے، جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں "نالودن دیگر و نادیدن دیگر" کسی چیز کا معدوم و نالود ہو جانا اور چیز ہے، اور نظر نہ آنا اور چیز، اور فرماتے ہیں، یہ ایک ایسا نازک مقام ہے، جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑکے، اور توفیق الہی

لے ملاحظہ ہو رسالۃ العبودیت ص ۵۵-۵۸ واما النوع الثانی فهو الغناء عن شہود التوی (مکتبہ اسلامیہ، دمشق)

اور خضر کامل کے بغیر جادہ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کی تنقیح، اس سلسلہ میں اتمام حجت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سیر و سلوک کی ان پر خارا وادیوں اور ان اعلیٰ منازل سے گذر چکا ہو، دریاے حقیقت کا غواص ہو اور جو ان علمی تجربات کے موج اور طوفانی سمندر سے گذر کر ساحل حقیقت پر پہنچا ہو، وہ عدم علم کو عدم شئی کی دلیل نہ بنائے بلکہ ایک عینی مشاہد اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ یہ کہے کہ جہاں تک توجید و جودی کا تعلق ہے۔

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ

ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے۔ ع

تاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک اثبات و نفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں۔

۱- وحدۃ الوجود کا مکمل اثبات اور یہ کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے، اور تحقیق و معرفت کی آخری منزل ہے۔

۲- وحدۃ الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم و خیال، قوت متخیلہ کی کار فرمائی اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

لے ملاحظہ ہو مکتوب اول مکتوبات سرحدی اور اس کا اقتباس مندرجہ "تایخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۲۸۲-۲۸۶

۳- وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ اور یہ کہ حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے، اور جو حقیقت نفس الامری ہے، وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے، اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً متنفی و معدوم ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں، لیکن واجب الوجود کے وجود حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں اور جس طرح ستارے آفتاب کے طلوع کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ کاذب نہیں ہوگا، اسی طرح موجودات اس وجود کامل حقیقی کے سامنے ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ

مجدد صاحب نے ان تین مسلکوں کے مقابلہ میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ وحدۃ الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے، اس کو عیناً و مشاہدۃً نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی وجود ہے، باقی سب اس کی "تلوبینات و تنوعات" ہیں، یا شیخ اکبر اور اس مشرب و جودی کے عارفین کے بقول "تنزلات" ہیں

لیکن اگر توفیق الہی شامل حال اور شریعت کا چرخ رہتا ہوتا ہے، اور سالک کی ہمت بلند ہوتی ہے، تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے، اور وہ وحدۃ الشہود کی منزل ہے۔

اس طرح حضرت مجدد وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سا لیکن عارفین اور دقیقہ رس حکماء اور خواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار و شجاع

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (جن کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالات روحانی کا انکار مکارہ ہے) کے علوم مقام، مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کئے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں، اور ایک نئی یافت و دریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف عقیدہ جمہور مسلمین، کتاب و سنت اور شریعت حقہ کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات پر خط نسخ پھیرنے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس سے نصوص شرعیہ اصول قطعیہ اور سیر النفس و آفاق کے آخری کمشوفات و تحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذاتی تجربہ و مشاہدہ

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد کے چند بلند پایہ مکتوبات کے (جو زیادہ واضح اور سہل الفہم ہیں) اقتباسات پڑھئے۔۔۔
اپنے روحانی ارتقاء اور وحدۃ الوجود کے مشرب و وحدۃ الشہود تک پہنچنے کا حال اپنے ایک اہل تعلق "شیخ صوفی" کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"مخدوم مکرم! کسی سے اس فقیر کا اعتقاد اہل توحید کا مشرب تھا، فقیر کے والد قدس سرہ ظاہر اسی مشرب پر تھے، اور مستقلاً اسی طریق سے اشتغال رکھتے تھے،.....
بحکم ابن الفقیہ نصف الفقیہ "فقیر کو بھی اس نسبت سے علمی طور پر حظ وافر حاصل تھا، او وہ اس میں بڑی لذت پاتا تھا، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ مؤید الدین شیخ راشد رہنمائے راہ خدا محمد الباقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا، اور آں جناب نے اس فقیر کو طریقہ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم دی، اور اس کے

حال پر توجہ ملیغ ملحوظ رکھی، اس طریق علیہ کے اشتغال و ممارست کے بعد تھوڑی مدت میں اس پر توحید و ہودی کا انکشاف ہوا، اور اس انکشاف میں ایک طرح کا غلو پیدا ہو گیا، اس مقام کے علوم و معارف کا بکثرت فیضان ہوا، اور اس مرتبہ کے دقائق میں شاید ہی کوئی بات رہی ہو جو منکشف نہ کر دی گئی ہو۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے نازک و دقیق علوم جیسا چاہئے تھا، سامنے آئے اور تجلی ذاتی جس کو صاحبِ فصوص نے بیان کیا ہے، اور اس کا وہ انتہائی عروج حاصل ہوا جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ما بعد هذا الا عدم المحض، یعنی مشرف کیا گیا، اور اس تجلی کے وہ علوم و معارف جس کو شیخ خاتم الولاہیت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، تفصیل علم میں آئے، اس توحید میں شکر و غلبہ حال اس حد تک پہنچا کہ اپنے بعض غرائض میں جو حضرت خواجہ کو لکھے تھے، ایسے سکر کے اشعار لکھ دیئے۔

اس حال نے مدت مدید تک طول کھینچا اور مہینوں سے برسوں کی نوبت آئی کہ ناگاہ حضرت حق کی عنایت بے غایت نے دریکہ غیب سے منہ نکالا، وہ عرصہ ظہور میں آئی اور بے چونی و بے چگونگی "لیس مکتدہ شئی" کے چہرہ پر جو پردہ پڑا تھا، اس کو ہٹا دیا اور سابق کے وہ علوم جو اتحاد اور وحدۃ الوجود کی خبر دیتے تھے، رو بزوال ہوئے، اور احاطہ اور سر بیان اور قرب معیت ذاتی جو اس مقام میں منکشف ہوئی تھی، رو پوش ہو گئی، اور یقین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ صانع جل شانہ، اس عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، اس کا احاطہ و قرب علمی ہے، جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے، "شکر اللہ سبحانہ" وہ پاک ذات کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں، وہ بے چون و بے چگون ہے، اور عالم سراسر اس داغ سے داغدار ہے، جو بے کیف ہے، وہ باکیف کا عین اور مثل کیسے کہا جاسکتا ہے، واجب کو عین ممکن کیسے کہہ سکتے

ہیں؟ قدیم عین حادث کبھی نہیں ہو سکتا، ممتنع العدم عین جائز العدم نہیں ہو سکتا، انقلاب حقائق مجال ہے عقلاً و شرعاً اور ایک کا دوسرے پر محمول کرنا کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، اصلاً و رسماً، تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور ان کے تابعین، ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں، اور اس کو کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں سمجھتے، پھر اس کے باوجود احاطہ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی کو ثابت کرتے ہیں، اس بارے میں صحیح بات وہی ہے، جو علماء اہل سنت نے کہی ہے کہ سارا معاملہ قرب علمی اور احاطہ علمی کا ہے۔

مشرک توحید و جود کی منافی ان علوم و معارف کے حصول کے زمانہ میں اس فقیر پر سخت اضطراب کا زمانہ گذرا اس لئے کہ وہ اس توحید سے بالاتر کسی اور امر کو نہیں سمجھتا تھا وہ بڑے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو، یہاں تک کہ سارے جاتا جو اس حقیقت پر پڑے ہوئے تھے، اٹھ گئے اور حقیقت نفس الامری منکشف ہو گئی، اور معلوم ہوا کہ عام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن منظر (آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے) وہ عین ظاہر (صاحب عکس) نہیں اور سایہ اپنی اصل کا (جس کا وہ سایہ ہے) عین نہیں ہو سکتا، جیسا کہ توحید و جود کی قائلوں کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے، مثلاً ایک جامع علوم و فنون عالم کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے کمالات گونا گوں کو عرصہ ظہور میں لائے، اور اپنے مخفی محاسن و کمالات کو منظر عام پر لائے، تو اس نے حروف و اصوات کی ایجاد کی تاکہ ان کے آئینوں میں اپنے کمالات مخفی کو ظاہر کرے، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حروف و اصوات جو ان کمالات مخفی کی جلوہ گاہ اور آئینہ ہیں، ان کمالات کا عین یا ان کمالات کو محیط ہیں، یا ان کے قریب ہیں، یا معیت ذاتیہ رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوگی جو دال و مدلول کے

درمیان ہوتی ہے، حروف و اصوات ان کمالات کی دلیل ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں، اور جو نسبت پیدا ہوئی ہے، وہ وہی اور تخلیقی ہے، فی الحقیقت ان نسبتوں (عینیت، اتحاد، احاطہ قرب، معیت بالذات) میں سے کوئی بھی نسبت ثابت نہیں، لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حروف و اصوات کے درمیان ظاہر و منظر اور مدلول و دال ہونے کی نسبت متحقق ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں کو بعض عوارض کی بنا پر ان وہی نسبتوں کا حصول ہو جاتا ہے، لیکن نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے معرّ اور مبرا ہیں، حتیٰ اور خلق کے درمیان بھی اس دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و منظریت کے سوا کوئی علاقہ نہیں.....

بعض حضرات کو مراقبہ توحید کی کثرت ان وہی احکام کے لگانے کے باعث ہو جاتی ہے، ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں منقش ہو جاتی ہے، بعض دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کے اعادہ و تکرار سے ان احکام کا ایک طرح کا ذوق حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا سبب (اور وحدۃ الوجود کے قائل ہونے کا باعث) غلبہ محبت ہے، اس لئے کہ محبوب کی محبت کے غلبہ کی بنا پر محب کی نظر سے غیر محبوب نکل جاتا ہے اور وہ محبوب کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، واقعہ یہ نہیں ہے کہ نفس الامر میں غیر محبوب کا وجود نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مخالف حس و عقل و شرع ہے، اور کبھی یہی محبت احاطہ و قرب ذاتی کا حکم لگانے پر آمادہ کرتی ہے،..... اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور احوال کے دائرہ میں داخل ہے، اگرچہ نفس الامر کے مطابق اور عقل کے موافق نہیں ہے، شریعت اور نفس الامر کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوشش تکلف محض ہے، غایت مافی الباب یہ خطائے کشفی ہے، جو خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے، ملامت و عقاب اس سے اٹھ جاتا ہے، بلکہ ایک حیثیت سے حال و مغلوبیت ہونے کی وجہ سے اس کی تصویر کیا جاسکتی ہے،

۱۰ مکتوب ۳۱ بنام شیخ صوفی۔

توحید شہودی

ایک دوسرے مکتوب میں جو شیخ فرید بخاری کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-
 ”وہ توحید جو سلوک کے دوران حضرات صوفیاء کو حاصل ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں،
 توحید شہودی و توحید وجودی، توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے
 ایک کے نہ ہو، اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔“
 آگے چل کر فرماتے ہیں:-

”مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین پیدا ہو گیا، اس یقین کا غلبہ اس بات کو
 مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت متفق و معدوم جانے لگیں جس وقت کہ وہ آفتاب کو
 دیکھے گا، ستاروں کو نہ دیکھے گا، اس کا مشہود سوائے آفتاب کے کوئی نہ ہوگا، اور جس وقت وہ
 ستاروں کو نہیں دیکھے گا، اس وقت بھی وہ جانے گا کہ ستارے معدوم نہیں ہیں، بلکہ وہ جانے گا کہ
 وہ ہیں لیکن ستور ہیں، اور آفتاب کی روشنی کے پرتو اور غلبہ سے مغلوب ہیں۔“
 آگے لکھتے ہیں:-

”حضرت قبلہ کا ہی حضرت خواجہ باقی باللہ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب
 رکھتے تھے، انھوں نے اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار بھی فرمایا ہے، لیکن آخر میں کمال
 عنایت خداوندی نے ان کو اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور ایسی شاہراہ پر ڈال دیا، جس سے
 اس معرفت کی تنگی سے خلاصی حاصل ہو گئی۔“
 ایک مکتوب میں شیخ اکبر اور ان کے تابعین کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

لے مکتوب ۳۳ بنام شیخ فرید بخاری۔ لے ایضاً۔

”وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ خارج میں ایک ہی موجود ہے، اور بس! اور وہ
 ذات حق ہے، عالم کا خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں، البتہ وہ اس کے ثبوت علمی کے قائل ہیں،
 اور کہتے ہیں کہ الأعیان ما شمت رائحة الوجود“ (یعنی اشیاء خارجی نے ہستی اور وجود کی
 بو بھی نہیں سونگھی ہے) وہ عالم کو حق سبحانہ تعالیٰ کا ظل سمجھتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک
 یہ وجود ظلی محض مرتبہ حس میں ہے، نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔“

اسی مکتوب میں وحدۃ الوجود سے اپنی ترقی کی حکایت سناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
 ”راقم سطور اولاً توحید وجودی کا عقیدہ رکھتا تھا، زمانہ طفولیت سے اس کو اس توحید کا
 علم حاصل تھا، اور اس کے دل میں اس کا یقین راسخ تھا، اگرچہ اس معاملہ میں اس وقت
 صاحب حال نہ تھا، اس نے راہ سلوک پر قدم رکھا تو اول (توحید وجودی) کا طریق منکشف ہوا
 اور اس نے مدت تک اس مقام کے منازل و مراتب میں جولانی کی، اور بہت سے علوم جو اس
 مقام کے مناسب تھے، اس پر فائز ہوئے، اور وہ مشکلات و واردات جو ارباب توحید پر
 وارد ہوتے ہیں، وہ ان مکاشفات اور علوم فیضانی سے حل ہوئے، ایک مدت کے بعد دوسری
 نسبت کا اس فقیر پر غلبہ ہوا، اور اس غلبہ کی حالت میں اس کو توحید وجودی کے بارے میں
 توقف لاحق ہوا، لیکن یہ توقف حسن ظن کے ساتھ تھا، انکار کے ساتھ نہیں، مدت تک وہ
 متوقف رہا، آخر الامر معاملہ انکا تک پہنچ گیا، اور اس کو دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (وحدت وجود
 کی منزل) فروتر ہے، اور وہ مقام ظلیت تک پہنچا جو اس سے بالاتر ہے، اس انکار کے
 معاملہ میں وہ بے اختیار تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر نکلے، اس لئے کہ بڑے
 بڑے مشائخ اسی مقام پر طرح اقامت ڈال چکے تھے، لیکن جب وہ مقام ظلیت تک

لے مکتوب ۱۶ بنام یار محمد ابجدید البخش الطالقانی۔

پہونچا، اور اس نے اپنے کو اور عالم کو ظل پایا تو اس کو یہ آرزو ہوئی کہ اس کو اس مقام سے جدا نہ کیا جائے، اس لئے کہ وہ کمال وحدۃ الوجود ہی میں سمجھتا تھا، اور یہ مقام فی الجملہ اس سے مناسبتر رکھتا ہے لیکن تقدیری بات کہ کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس کو اس مقام سے بھی اوپر لے جایا گیا، اور مقام عبدیت تک پہونچایا گیا، اس وقت اس مقام کا کمال نظر میں آیا، اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور وہ مقامات گذشتہ سے توبہ واستغفار کرنے لگا، اگر اس عاجز کو اس راستہ تک نہ لے جاتے اور ایک مقام کی دوسرے مقام پر فوقیت نہ ظاہر کرتے، تو وہ اس مقام میں اپنا تنزل سمجھتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک توحید و جود ہی سے بالاتر کوئی مقام نہ تھا، **وَاللّٰهُ يَمُوْلُ الْحَيِّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ** (الاحزاب-۴)

شیخ اکبر کے بارہ میں منصفانہ و معتدل مسلک

اس اختلاف کے باوجود شیخ اکبر کے بارے میں اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
”یفتقر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے، لیکن ان کے وہ علوم (جو جہور کے عقائد اور کتابت سنت کے ظواہر کے خلاف ہیں) ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے..... لوگوں نے ان کے بارے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں، ایک جماعت شیخ پر زبان طعن و ملامت دراز کرتی ہے، اور ان کے معارف و حقائق کی بھی تغلیط کرتی ہے، دوسری جماعت نے شیخ کی مکمل تقلید اختیار کی ہے، اور ان کے تمام معارف و حقائق کو برسرِ حق سمجھتی ہے اور دلائل و شواہد سے ان کی حقیقت ثابت کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں..... عجیب معاملہ ہے کہ

۱۔ مکتوب ۱۶، بنام شیخ یار محمد الحدید البخشیشی الطالقانی۔

شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں، اور ان کے اکثر معارف و تحقیقات جو اہل حق کے خلاف ہیں خطا و ناصواب نظر آتے ہیں۔

ایک جگہ اپنا اور توحید و جود ہی کے منکرین و مخالفین کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-
”اس فقیر کا توحید و جود ہی کے قائلین سے اختلاف کشف و شہود کی راہ سے ہے، علماء ان امور (وحدۃ الوجود اور غیر اللہ کے وجود کی مطلق نفی) کی قباحت کے قائل ہیں، اس فقیر کو توحید و جود ہی کے ان اقوال و احوال کے حسن میں کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ ان سے عبور واقع ہو جائے۔“

توحید و جود ہی کی مخالفت کی ضرورت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توحید و جود ہی سلوک کی ایک منزل اور سالک کے لئے ایک عبوری مرحلہ ہے، جس پر سالکین مستہلکین کا ایک جم غفیر ہر زمانہ میں پہونچا ہے، ان میں سے ایک بڑی جماعت اس مرحلہ پر پہونچ کر رک گئی، اور کسی کو توفیق الہی نے اس سے آگے بڑھا کر توحید شہود ہی تک پہونچا دیا، تو اس میں کیا قباحت ہے، اور حضرت مجدد اس شہود سے اس کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں اس زور و شور سے توحید شہود ہی کے اثبات اور اس کی ترویج پر کیوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توحید و جود ہی کے قائلین اور اس کے مبلغوں اور داعیوں میں (حضرت مجدد صاحب کے زمانہ میں بھی) ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی تھی، جس نے اپنے کو قیود شرعی اور فرائض و واجبات اسلامی سے آزاد سمجھ لیا تھا، اور یہ سمجھ کر کہ جب سب

۱۔ مکتوب ۲۶، بنام حضرت خواجہ عبداللہ و خواجہ عبداللہ اللہ مکتوب ۴۲، بنام خواجہ جمال الدین حسین۔

حق کی طرف سے ہے، بلکہ سب حق ہے، تو پھر حق و باطل کی تفریق اور کفر و ایمان کے امتیاز کا کیا سوال؟ انہوں نے شریعت اور اس پر عمل درآمد کو عوام کے درجہ کی ایک چیز سمجھ لیا تھا، ان کے نزدیک مقصود اصلی (توحید و جود) اس سے بلند تر مقام اور اس سے آگے کی منزل تھی جو کالمیلین راہ اور اصلین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے، دسویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدد کے ذہنی و روحانی ارتقاء کا زمانہ ہے اس توحید و جود کا رنگ ہندوستان پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ عارفانہ ذوق رکھنے والے شعراء سب اسی کے گیت گاتے تھے اور کفر و ایمان کو مساوی قرار دیتے تھے، بلکہ بعض وقتاً کفر و ایمان پر ترجیح دینے کی سرحد میں داخل ہو جاتے تھے، اس زمانہ میں ایسے بہت سے اشعار زبان زد خلایق تھے، جن میں صاف صاف یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً:

کفر و ایمان قرین یک دگرند

ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک کتاب میں لکھا گیا ہے:

”پس ازین معنی اسلام در کفرست و کفر در اسلام، یعنی تَوَجُّحِ النَّهَارِ فِي النَّهَارِ وَ تَوَجُّحِ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ“ مراد از لیل کفرست و مراد از نہار اسلام۔

دوسری جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں:

عشق را با کافری خویشی بود

کافری در عین درویشی بود

۱۷ تیرہویں صدی ہجری کے اردو کے مشہور و مقبول شاعر مرزا غالب نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے۔ ہم موقد ہیں ہمارا کیش ہے ترک روم
تلتیں جب مٹ گئیں اجرائے ایمان ہو گئیں

۱۷ رسالہ عشقیہ ص ۱۷

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”العلم حجاب اکبر گشت، مراد ازین علم عبودیت کہ حجاب اکبرست، اس حجاب اکبر اگر از میان مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد و عبارت خدائی و بندگی بر خیزد۔“
مجدد صاحب کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی اور غیرت فاروقی کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا، اور جن کی ذات سے حدیث مشہور کی پیش گوئی کا ظہور ہونا مقدر ہو چکا تھا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:-

يحمل هذا العلم من كل خلف

عدوله ينفون عنه تحريف

الغالين وانتحال المبطلين

وقتاويل الجاهليين

اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل

دوارت ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند

لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب

اور دعویٰ اور جاہلوں کی دورانگازاویا

کو دور کرتے رہیں گے۔

یہی چیز اس عقیدہ اور دعوت کی علمی و دینی احتساب کا باعث ہوئی جس کی تبلیغ

و اشاعت میں اس عصر میں اور خاص طور پر ہندوستان میں پورے ہوش و خروش اور

عمومیت اور اطلاقیت سے کام لیا جا رہا تھا اور مجرب شاہد فرما رہے تھے کہ اس کے اثر سے

شریعت کی گرفت طبیعتوں پر سے ڈھیلی اور اس کا تقدس و احترام نگاہوں میں کم ہوتا جا رہا تھا، مجدد صاحب خود اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

اکثر ابناءے اس وقت بعض تقلید
اکثر ابناءے زمانہ بعض تقلید کی
بعض مجرور علم و بعض دیگر بعلم ممتزج
بنا پر بعض محض اپنے علم کے زور پر

۱۷ رسالہ عشقیہ ص ۱۷

۱۷ مشکوٰۃ فصل ثانی۔ (کتاب العلم)

بذوق و لونی الجملہ و بعضے باحاد و
زندقہ دست بدامن این توحید و ہودی
زده اند وہمہ را از حق میدانند بلکہ
حق میدانند و گرد نہائے خود را
از ربقہ تکلیف شرعی با حیلہ میکشاید
و مداہنات در احکام شرعیہ مینمایند
و باین معاملہ خوشوقت و نورند اند
و اتیان او امر شرعیہ را اگر اعتراض
دارند طفیلے میدانند مقصود اصلی
و رائے شریعت خیال می کنند حاشا و
کلام حاشا و کلا، نحوذبا اللہ سبحانہ
من هذا الاعتقاد السوء۔
اور بعض ایسے علم کی بنا پر جس میں ذوق
کی شمولیت ہے (خواہ کسی محدود مقدار
میں) اور بعض نے احاد و زندقہ کی
بنا پر اس توحید و ہودی کا دامن تھما
لیا ہے، اور وہ ہر چیز کو حق کی طرف سے
جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور
وہ اپنی گردنوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے
تکلیف شرعی کے طوق سے آزاد کر لیتے
ہیں، اور احکام شرعیہ کے بارے میں
تساہل و مداہنت سے کام لیتے ہیں
اور اس معاملہ میں بڑے مسرور اور
مطمئن نظر آتے ہیں، یہ لوگ و امر شرعیہ
پر عمل کرنے کی ضرورت کا اگر اعتراض
بھی کرتے ہیں تو اس کو ضمنی اور تبعی بات
سمجھتے ہیں، وہ مقصود اصلی شریعت
کے ماوراء خیال کرتے ہیں، حاشا و کلا
ثم حاشا و کلا ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے
اعتقاد فاسد سے پناہ مانگتے ہیں۔

لہ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۴ بنام شیخ فرید بخاری۔

اسی مکتوب میں ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا ہے:-

دریں زمان بسیارے ازین طائفہ کہ
نبری صوفیاں خود را و امی نمایند
توحید و ہودی را شائع ساختہ اند
کمال داجز آں نمی دانند و بعلم از عین
بازماندہ اند و آں اقوال مشائخ را
بمعانی متخیلہ خود فرود آورده مقتدا
روزگار خود ساختہ اند و بازار کاسد
خود را باین تخیلات رائج داشته
اند۔
اس زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے
ایسے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے
کو ظاہر کرتے ہیں توحید و ہودی کا بزرگ نام
اعلان کرنے لگے ہیں، اور اس کے سوا
وہ کسی چیز کو کمال نہیں جانتے، علم کے
ذریعہ حقیقت سے دور رہ گئے ہیں،
مشائخ کے اقوال کو اپنے ذہن کے
پیدا کئے ہوئے مضامین پر اتار لائے
ہیں، اور ان کو اپنا مقتدی بنا رکھا
ہے، اور ان تخیلات سے اپنے بازار
کاسد کو گرم کر رکھا ہے۔

مجدد صاحب کی انفرادیت و امتیاز

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ محض یہ نہیں ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے
مقبول عام نظریہ اور سکہ رائج الوقت کے متعلق ثابت کر دیا کہ وہ نقد کامل عیار اور
سلوک و معرفت کی منزل آخری نہیں ہے، بلکہ اس باب میں ان کی انفرادیت و امتیاز کا
راز یہ ہے کہ انھوں نے اس پر اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تنقید کی اور

لہ ایضاً۔

یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اور اس کی تہ تک پہنچ کر ابھرے ہیں، اور
تائید الہی سے انہوں نے اپنے زورق معرفت و تحقیق کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے،
اور اس باب میں مشکل سے ان کا کوئی ہمسر اور ہم سفر ملے گا، مغربی مصنف پیٹر ہارڈی
(PETER HARDY) نے جو ان مسائل میں سند کا درجہ نہیں رکھتا بہر حال یہ صحیح لکھا
ہے کہ:-

”شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اسلام کو
متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ
جس نظریہ کی انہوں نے تردید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی
طور پر عمیق ادراک تھا“

مجدد صاحب کے بعد توحید و جود کی بارے میں مشائخ و علماء کا ”مصالحانہ“ رویہ

قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جائے، ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے
اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے بعد (ان کے اس
خاص سلسلہ کو چھوڑ کر جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے ذریعہ ہندوستان اور ہندوستان
کے باہر پھیلا) وحدۃ الوجود کے بارے میں وہ واضح قطعی اور فیصلہ کن رجحان او
وحدۃ الشہود پر وہ یقین و اذعان باقی نہیں رہا، جس کا مجدد صاحب نے علم بلند
کیا تھا، اور جس پر وہ علی وجہ البصیرۃ قائم اور اس کے داعی تھے، ان کی رحلت کے
بعد ہی سے تصوف و معرفت کے حلقوں میں اور بعض ان حلقوں میں بھی جو اپنا

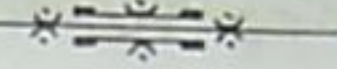
ان کی طرف انتساب کرتے تھے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان مفاہمت
و مطابقت کا رجحان نمایاں ہو گیا، اور بعض بلند پایہ علماء اور محققین نے یہاں تک
لکھ دیا کہ ”یہ اختلاف محض نزاع لفظی تھا“ بعض حضرات نے یہاں تک لکھا کہ ”مجدد صاحب
سے اس بارہ میں تسامح ہوا اور شیخ اکبر کی تمام تصنیفات ان کی نظر سے نہیں گذریں“
اسی بنا پر سلسلہ مجددیہ کے نامور شیخ حضرت مرزا منظر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے
ایسے پران کے مرید رشید مولانا غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۰ھ) نے کلمۃ الحق کے نام سے
ایک کتاب لکھی جس میں مجدد صاحب کی تحقیق اور مسلک کو واٹنگاٹ طریقہ پر
بیان کیا، اور اس تطبیقی رجحان کی تردید کی جو خود سلسلہ مجددیہ کے بعض حلقوں میں
نظر آنے لگا تھا۔

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر

اس سلسلہ عالیہ میں مجدد صاحب کے بعد اگر کسی شیخ طریقت اور عارف و محقق
کے یہاں وحدۃ الشہود کا واضح اور بے آمیز نظریہ اور تلقین پائی جاتی ہے اور وہ
اس بارے میں حضرت مجدد کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں، تو وہ سلسلہ مجددیہ احسنیہ
کے مشہور شیخ طریقت داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہید
راعے بریلوی (ش ۱۲۴۶ھ) ہیں، جن کے یہاں وحدۃ الوجود کی کوئی پرچھائیں اور
لے حضرت سید آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد کا مخصوص سلسلہ جو سلسلہ آدمیہ اور سلسلہ احسنیہ کہلایا
جاتا ہے۔

لے یہ ان کے خاندانی ذوق کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے جد راج حضرت شاہ سید علم اللہ، (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاویل و اعتذار کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔



باب ہفتم

اکبر سے جہانگیری تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جدوجہد

عہد اکبری و جہانگیری کے جراثیم اور حق گو علماء و مشائخ

قبل اس کے کہ ہم حضرت مجدد کی ان مساعی جمیلہ کا تذکرہ کریں جنہوں نے سلطنت کا

رخ موڑ دیا، اس حقیقت کا اظہار ضروری اور قرن قیاس سمجھتے ہیں کہ دور اکبری کے متعلق

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا تھا، اور

اکبر کو اس کے طرز عمل پر ٹوکنے والا اور حدیث:-

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ ببیدۃ تم میں سے جو کوئی خلاف شرع کام یا امر منکر

فان لم یستطع فیلسانہ، فان دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دینا چاہئے، اگر

لم یستطع فبقلبہ وذلک ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (اس کا انکار و تردید

اضعت الایمان لہ کرنی چاہئے) اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو دل سے اس کو بُرا

بھنا چاہئے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

لہ صحیحین

(باقی صفحہ ۲۸۹ کا) حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ ارشد ہیں اور خود ان کے مقام تحقیق و اجتہاد کا بھی نتیجہ

ہو سکتا ہے جس پر وہ فائز تھے۔

لہ ملاحظہ ہو صراط مستقیم ہدایت راہیہ در بیان ثمرات حب عشقی افادہ ص ۱۲

مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور۔

کے دوسرے اور تیسرے درجہ پر بھی کسی نے عمل نہیں کیا۔

عہد اکبری کے حسب ذیل حضرات کے متعلق تاریخ اور تذکروں میں شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اور اپنے امکان بھر اس صورت حال پر اپنی ناگواری اور اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کیا۔

شیخ ابراہیم محدث اکبر آبادی (م سن ۱۰۰۰ھ) ایک مرتبہ اکبر کے عبادت خانہ میں اس کی دعوت پر آئے اور بادشاہ کے لئے غیر شرعی آداب و تعظیم بجا نہیں لائے انھوں نے اپنی تقریر میں ترغیب و ترہیب کے کام لیا اور جلال شاہی سے ذرا مرعوب نہیں ہوئے، شیخ حسین بھٹی جنھوں نے ۹۰۰ھ کے بعد وفات پائی، اکبر کے اجیر آنے پر ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے، اکبر نے ان کو خانقاہ اور درگاہ کی تولیت سے معزول کیا اور حجاز چلے جانے کا حکم دیا، ہندوستان واپسی پر بھی انھوں نے سجدہ تعظیمی نہیں کیا، بادشاہ ناراض ہو گیا اور ان کو بکھر کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں وہ کئی سال تک رہے، رہائی پر بھی وہ آداب شاہی سے محترز رہے اور انھوں نے عطیہ سلطانی قبول کرنے سے انکار کیا، شیخ سلطان تھانیسری جو مغربین دربار میں سے تھے اور جنھوں نے بادشاہ کے حکم سے مہا بھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ذبح گاو کے الزام میں بادشاہ کے معتوب بنے اور ان کو بکھر جلا وطن کر دیا گیا، پھر عبدالرحیم خان خانان کی سفارش پر ان کو تھانیسری قیام کی اجازت دی گئی اور کروڑگری (تحصیل وصول) پر مامور کیا گیا، کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو پھر ان کی شکایات پہنچیں جو ان کے اسلامی طرز عمل پر مبنی تھیں اور اس نے سزائے موت کا حکم دیا یہ واقعہ سن ۱۰۰۰ھ کا ہے۔

لے منتخب التواریخ، آپ حضرت مجدد کے خسر تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے جرات مند انہ اور مردانہ اقدام شہباز خاں کنبوہ (م سن ۱۰۰۰ھ) کا ہے جو اکبر کے امراء کے کبار میں تھے اور آخر میں میر بخش کی عہدہ سے سرفراز ہوئے، وہ بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہے، نہ انھوں نے دارِ طہی کترائی، نہ شراب کے قریب گئے نہ اکبر کے ایجاد کردہ دین الہی کی طرف میلان ظاہر کیا، شاہ نواز خاں مصنف "مآثر الامراء" کی روایت ہے کہ بادشاہ ایک دن عصر و مغرب کے درمیان فتح پور سیکری میں ایک تالاب کے کنارے سیر کر رہا تھا، شہباز خاں حاضر تھے، بادشاہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چہل قدمی اور ان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا، لوگوں کا خیال تھا کہ شہباز خاں بادشاہ سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑا سکتے، اور آج ان کی مغرب کی نماز ضرور قضا ہوگی، ان کا یہ بھی معمول تھا کہ عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے، شہباز خاں نے جب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے تو انھوں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت مانگی، بادشاہ نے ازراہ بے تکلفی کہا، مجھے تنہا نہ چھوڑو نماز قضا کر لینا، شہباز خاں نے اپنا ہاتھ چھوڑا لیا اور اپنی چادر زمین پر بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہو کر اپنے روزمرہ کے اوراد میں مشغول ہو گئے بادشاہ ان کے سامنے کھڑا رہا اور سخت الفاظ کہتا رہا، امیر ابو الفتح اور حکیم علی گیلانی اس موقع پر موجود تھے، انھوں نے موقع کی نزاکت محسوس کی، وہ آگے بڑھے اور بادشاہ کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ "آخر ہم بھی تو توجہات شاہانہ کے مستحق ہیں؟ بادشاہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ شہباز خاں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر اچھی بھی انہی جبری لوگوں میں تھے، جنھوں نے خلافت شرع امور میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، ایک دن بادشاہ نے ایون ان کو پیش کی انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا، اس سے بادشاہ کو ناگواری ہوئی، ایک دن وہ عبادت خانہ میں نماز فرض کے بعد

نوافل میں مشغول تھے کہ بادشاہ محل سے برآمد ہوا اس نے کہا کہ آپ کو نفلیں اپنے گھر میں پڑھنی چاہئیں، مولانا عبد القادر نے جواب دیا کہ حضور والا! (یہاں عبادت خانہ میں) آپ کی سلطنت نہیں ہے، بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ آپ کو میری سلطنت گوارہ نہیں تو یہاں سے چلے جائیے وہ اسی وقت شہر اُج کی طرف روانہ ہو گئے اور عبادت اور افادہ خلائق میں مشغول ہو گئے، انہی کے ہم نام شیخ عبدالقادر لاہوری (م ۱۰۲۲ھ) کو بھی اکبر کے حکم سے جو ان سے ان کی دینی صلاحیت کی بنا پر ناراض تھا، حجاز کا سفر کرنا پڑا، مرزا عزیز الدین ہلوی کو کہ (م ۱۰۲۳ھ) جو اکبر کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی تھے اور جن سے اکبر کو بڑی محبت تھی... بشرع اور دینی مسائل میں اکبر کا بالکل لحاظ نہیں کرتے تھے، اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، اسی بنا پر اکبر نے ان کو گجرات کی صوبیداری سے معزول کیا پھر بنگالہ اور بہار کی صوبیداری دی، اور خان اعظم کا خطاب دیا، لیکن اس تقرب کے باوجود انہوں نے سجدہ عظیمی ریش تراشی وغیرہ میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، انہی لوگوں میں شیخ منور عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۵ھ) بھی تھے، جن کو اکبر نے ۹۸۵ھ میں صدارت کے عہدہ پر مقرر کیا، لیکن وہ بھی اپنی دینی استقامت کی وجہ سے بادشاہ کے معتوب اور مورد غضب بنے، بادشاہ نے ان کے مال و املاک یہاں تک کتابوں تک کے لوٹ لینے کا حکم دیا، پھر اگرہ طلب کر کے ان کو سخت قید میں رکھا، اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

جہانگیر کی جانشینی عمل میں آئی تو عرصہ تک عہد اکبری کے رسوم و آئین جاری رہے، اسلام کی علانیہ مخالفت چھوڑ کر باقی وہی طور طریقے سلطنت میں رائج تھے اور اس وقت تک رائج رہے، جب تک کہ جہانگیر کا خود میلان شرع محمدی کی تعظیم اور شعائر اسلام کے احترام کی طرف لے یہ سب نام اور اکبر کی مخالفت کے واقعات "نزہۃ الخواطر" ج ۵ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا، اس دور میں بھی متعدد علماء و مشائخ نے خطرہ مول لے کر ان خلاف شرع بلکہ منافی دین و شریعت، آداب و رسوم کے ادا کرنے سے انکار کیا، شریعت کے حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے، اور کلمہ حق کہنے سے دریغ نہیں کیا، انہی میں ہندوستان کے شمال مغربی حدود کے ایک صاحب طریقت بزرگ احمد بن محمد بن ایساں حسینی غرغشتی تھے، جن کو جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، انہوں نے آداب و رسوم کے مطابق سلام و آداب بجالانے سے انکار کر دیا، جہانگیر نے ان کو قلعہ گو ایار میں قید کر دیا، جہاں وہ تین سال تک رہے، پھر ۱۰۲۲ھ میں ان کو آزادی کا پروانہ ملا، اور جہانگیر ان کو اپنے ساتھ آگرہ لایا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطنت کی بے راہ روی کی منظم مخالفت اور اس کو راہ راست پر لانے کی مکمل اور حکیمانہ کوشش کا سہرا حضرت مجدد کے سر ہے، اور حفاظت دین اور نصرت اسلام و مسلمین کا کارنامہ انہی کے لئے مقدر تھا، اور انہی نے اس کو تکمیل تک پہنچا کر ہندوستان میں وہ خاموش انقلاب برپا کیا، جس کی نظیر دوسرے اسلامی ملکوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اور جس کے نتیجے میں اکبر کے بعد سلطنت مغلیہ کے تخت پر جو فرمانروا آیا وہ اپنے پیشرو سے بہتر، اسلام کی مخالفت کے جرائم سے محفوظ اور دین کے احترام اور حمیت اسلام میں فائق و ممتاز تھا، یہاں تک کہ اس سلسلہ زریں کی تکمیل محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی ذات پر ہوئی۔

جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحب کے اصلاح سلطنت کے کام کا آغاز جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال (۱۰۱۳ھ کو) ہوا، اس وقت حضرت مجدد کی عمر

تینتالیس سال کی تھی، اکبر کی سلطنت کا آخری دور جس میں ہندوستان میں اسلام کی باعزت زندگی، آزادی اور اس ملک میں غالب و بااقتدار رہنے کے لئے کھلا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، مجدد صاحب کے روحانی تکمیل و ارتقاء کا زمانہ تھا، ارکان سلطنت سے ان کے کوئی مراسم و تعلقات نہیں تھے اور نہ ابھی وہ وقت آیا تھا کہ وہ ان کے علوم مرتبہ، اخلاص و للہیت اور باطنی کمالات سے واقف ہوں، اس لئے حقیقت میں وہ سر ہاتھ میں نہیں آیا تھا، جس سے وہ دربار شاہی تک اپنے احساسات و تاثرات پہنچا سکتے، یا دین و آئین کے بارے میں حکومت کی عام پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے، اس وقت فرمانروائے سلطنت کے مزاج و مذاق سرکار دربار اور نظم و نسق پر وہ لوگ حاوی تھے، جو کسی مخلص و دیندار کو بادشاہ کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، اور انھوں نے اس کے گرد ایک ایسا آہنی حصار قائم کر رکھا تھا، جس سے باہر کی تازہ اور بے آمیز ہوا کا کوئی جھونکا اور اہل ملک کی پسند و ناپسند کا کوئی اندازہ اندر نہیں آ سکتا تھا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا اس وسیع ملک میں جہاں ان کی آزاد سلطنتیں تسلسل کے ساتھ قائم رہ چکی تھیں وہی حال تھا، جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

صَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَصَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا
أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ
(التوبہ - ۱۱۸)

زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور
وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے، اور انھوں نے
سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں
مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے

لیکن جہانگیر کی تخت نشینی (۱۶۰۶ء) پر یہ صورت باقی نہیں رہی، جہانگیر کے اندر اگر
(اس مخصوص تعلیم و تربیت کی بنا پر جو اس نے باپ کے زیر سایہ پائی تھی) کوئی نمایاں ذہنی صلاح

تشریح، فرائض اسلام کی پابندی اور کھلا ہوا دینی رجحان نہیں پایا جاتا تھا تو اس کے اندر
اسلام سے کوئی بُجو و وحشت کسی دوسرے مذہبی فلسفہ یا قومی تہذیب سے مرعوبیت اور تنگی اور
کسی نئے دین و آئین کے اجراء کا شوق بھی نہیں پایا جاتا تھا، دوسرے مفسدوں میں اگر وہ حاجی
اسلام نہیں تھا تو حاجی اسلام بھی نہیں تھا، عام طور پر جو صاحب تخت و تاج فرمانروا عیش و
عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ کسی مقبول عام نظام کے ازالہ اور یخ اور کسی نئے نظام کے
اجراء کا درد سہمول نہیں لیتے، وہ صرف کام و دین کی لذت اور حکومت و اقتدار کی عزت
سے سروکار رکھتے ہیں، عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے اندر ان ہستیوں کے ساتھ
ایک مخفی عقیدت اور احترام پایا جاتا ہے، جو اس بادی سطح سے بلند اور ان دنیاوی مظاہر
مناصب سے مستغنی ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کسی منصب کے مدعی یا کسی نئی تحریک
و فلسفہ کے داعی ہوتے ہیں، ان میں قبول حق کی زیادہ استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے۔
جہانگیر فرمانروایان سلطنت کی اسی قسم سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ جب تخت سلطنت
پر تکیں ہو تو اوائل نظر نے سمجھ لیا کہ اب سلطنت کا رخ بدلنے اور تدریجی طور پر اس کو راہ راست
پر لانے کا وقت آ گیا ہے۔

صحیح طریق کار

اس وقت حضرت مجدد اور ان سب حضرات کے لئے جو علم دین اور کمال باطن سے
آراستہ، خود مشغول اور سیر فی اللہ کی دولت سے مالا مال اور دینی حمیت و غیرت کے نشہ سے
سرشار تھے، اس صورت حال کے سامنے جو اس وقت قلم و سلطنت پر سایہ فگن تھی، تین
راستے تھے:-

۱۔ سلطنت اور ملک کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لئے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب، جہاں اطمینان کے ساتھ یا خدا میں مشغولی، طالبین کی تربیت اور ذکر و عبادت کی کیسوئی اور سرگرمی میسر آسکتی تھی، یہ وہ طرز عمل تھا، جو حضرت مجدد کے عہد میں بیسیوں بلکہ صد ہا علماء و مشائخ نے اختیار کیا، ملک کے چمپے پران کی خانقاہیں تھیں، اور وہ پوری کیسوئی اور خاموشی کے ساتھ کام کر رہے تھے، اور خلق خدا کو ان سے بیش بہا روحانی و ایمانی فوائد پہنچ رہے تھے۔

۲۔ ہندوستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے فرمانروا کو (جس کو صرف مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کا شرف حاصل تھا) اسلام کا مخالف اور معاند سمجھ کر (جس کے ثبوت کے لئے بہت سے آئین و ضوابط اور ذاتی اعمال و اخلاق مل سکتے تھے) اس کی اصلاح سے یکسر مایوس ہو جانا اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لینا اور اسلام کا اس کو مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی۔ اور اگر اس سے کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورت حال سے سبزار، معتقدین و مریدین و رفقاء کو مجتمع کرنا اور کسی فوجی و سیاسی کارروائی کے ذریعہ سلطنت میں انقلاب لانا اور تخت سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو (خواہ وہ خاندان مغلیہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور بابر کی اولاد میں ہو) بٹھانے کی کوشش کرنا جو پوری سلطنت کا رخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی ہو جائے۔

۳۔ ارکان سلطنت و امراءے دربار سے تعلقات پیدا کر کے اور جن سے پہلے سے تعلق ہے، اور وہ آپ کی ذات سے عقیدت اور آپ کے خلوص اور دلسوزی پر پورا اعتماد رکھتے ہیں، ان میں دینی جذبہ اور حمیت ابھار کر اور ان کے دلوں کے خاکستر میں جو ایمانی چنگاریاں

دلی ہوئی ہیں ان کو فروزاں کر کے بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرنا اس کی رگ سلامت کو جو اپنے باایمان اسلاف و اجداد سے اس کو ورثہ میں ملی ہے، جنبش میں لانا، اس کو اسلام کی حمایت، مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنا، مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا، سلطنت کو اہل سلطنت اور مناصب و مراتب کو اہل مناصب و مراتب کے حوالہ کرنا ایسی عالی نظری اور بے لوثی کا اظہار کہ کوئی شدید سے شدید مخالفت اور حاسد بھی جاہ طلبی یا حصول اقتدار کی تہمت نہ لگا سکے اور کوئی مخالفانہ سازش بھی اس سلسلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جہاں تک پہلے نمبر کا تعلق ہے، وہ حضرت مجدد کی افتاد طبع، ان کی شان عزیمت اور اس رفیع منصب سے جس سے اللہ نے ان کو سرفراز کیا تھا، کوئی مناسبت نہیں رکھتا، حضرت مجدد کو اپنی باطنی تکمیل و تربیت کے بعد ہی اس بات کا اذعان پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دوسرا ہی کام لینا منظور ہے، اور وہ محض لازمی و انفرادی عبادات و ترقیات اور پیری و مریدی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، انہوں نے اپنے سلسلہ ہی کے ایک رفیع المرتبت شیخ اور امام سلسلہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کا یہ مقولہ نقل کر کے "حدیث دیگران" میں "ستر دلبران" کہہ دیا ہے کہ حضرت خواجہ احرار فرماتے تھے:-

اگر من شیخی کنم، ہیچ در عالم مرید نیابد
اگر میں خالی پیری مریدی کرنے پر
امام مرا کار دیگر فرمودہ اند، و آن ترویج
آجاؤں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید
شرعیّت و تائید ملت است۔
نہ ملے لیکن خدا نے مجھے کچھ اور ہی
کام سپرد کیا ہے، اور وہ ترویج شرعیّت
اور تائید ملت ہے۔

شیرشاہ سوری جیسے اولوالعزم بادشاہ کا جانشین سلیم شاہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا مختلف وقتوں میں ملک میں رونما ہونے والی بغاوتیں سب ناکام ہو چکی تھیں، پھر اگر مغل فرمانروا کو تخت سلطنت سے اتارنے کی کوشش کامیاب بھی ہو جاتی تو اس کا قوی اندیشہ تھا کہ راجپوت جھنوں نے اکبر کے زمانہ میں خاص طور پر اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے، اور جن کی فوجی طاقت خود فرمانروا کے سلطنت کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سرمایہ تھا، حکومت پر حاوی ہو جاتے اور اس ملک میں مسلم اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا تھا۔

پھر یہ تجربہ اس سے پہلے ناکام ہو چکا تھا، اکبر کے زمانہ میں شیخ بایزید کی جو سپر روشن اور پیرتاریک کے متضاد ناموں سے مشہور ہیں، قیادت میں ایک بڑی دینی تحریک اور تنظیم فرقہ روشنائیہ کے نام سے شروع ہوئی تھی، اس نے ساہا سال سلطنت مغلیہ کی افواج قاہرہ کا پامردی سے مقابلہ کیا اس نے کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درہ خیبر پر بھی قبضہ جمایا اور قرب جوہار کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہوئی، اکبر نے ان کے مقابلہ کے لئے راجہ مان سنگھ اور راجہ بیرل اور زین خاں کو بھیجا، لیکن وہ سب ناکام رہے، بیرل ایک مقابلہ میں مارا گیا، روشنائیوں نے ایک بڑے لشکر کی مدد سے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا، یہ فتنہ جہانگیر کے عہد ہی میں فرو ہو سکا اور اس کا پورا خاتمہ شاہجہاں کے زمانہ میں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود اس بغاوت کا سوا انتشار کے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر اس کو منظم و مستحکم مغل سلطنت کے سامنے سپر ڈالنی پڑی اور تاریخ میں صرف اس کا نام رہ گیا۔

اس طرح کے فوجی اقدامات جو کسی اصلاح کے نام سے کئے جاتے ہیں سلطنتوں اور اصحاب اقتدار کی مختلف بدگمانیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں اور وہ دین کو اپنا حریف و رقیب سمجھ کر اس کے استئصال اور اس کے ہم خیالوں اور پیرووں کی تلاش و جستجو کر کے

پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لاجرم بصحبت سلاطین می رفتند و
آپ بادشاہوں کی مجلسوں میں تشریف
بتصرف خود ایساں را منقاد می
لے جاتے تھے اور اپنی قوت باطنی اور
ساختند و بتوسل ایساں ترویج
تاثیر روحانی سے ان کو اپنا مطیع و
شرعیت می فرمودند
منقاد بنا لیتے تھے، پھر ان کے ذریعہ
شرعیت کو رواج دیتے تھے۔

جہاں تک نمبر دو کا تعلق ہے، یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی یا قائد کا طرز عمل ہو سکتا ہے، جو اپنا کام شک و بدگمانی سے شروع کرتا ہے اور اپنی عجلت پسندی، حکمت دعوت اور جذبہ خیر خواہی و نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دینے کے نتیجہ میں حکومت و اقتدار کو اپنا حریف اور مد مقابل بنا لیتا ہے، اور دین کے غلبہ کے امکانات اور میدان کو اور زیادہ تنگ کر لیتا ہے، ایک داعی الی اللہ اور مؤید من اللہ کا طریق کار نہیں ہوتا جس کا مقصد اپنی ذات یا جماعت کے لئے حصول اقتدار نہیں صرف دین کا غلبہ اور احکام شریعت کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے، خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

جہاں تک عملی اقدام کا تعلق ہے، وہ سخت خطرات سے بھرا ہوا تھا، اور ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی نقشہ اور ماحول میں اسلام کے بارے میں ایک طرح سے خودکشی کا اقدام تھا، سلطنت مغلیہ میں جس کو بابر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے قائم کیا تھا، ہمالیوں نے اس کے لئے ایران کا ہفت خواں طے کیا تھا، اور اکبر نے اپنی پے در پے فتوحات اور تسخیر ملک سے اس کو مستحکم کیا تھا، ابھی تک صنعت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے،

لے مکتوبات دفتر اول مکتوب ۶۵ بنام خان اعظم

ان کا قلع قمع کرنے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں ایک روایت کے مطابق اسی بنا پر گوالیار کی اسیری اور لشکر کی ہمراہی سے رہائی پانے کے چار پانچ سال بعد ۱۳۵ھ میں عہد جہانگیری کے مشہور امیر و وزیر بہاوت خاں نے بغاوت کی تو اہل بصیرت نے اس کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی، مجدد صاحب کی فراست ایمانی کی بہت بڑی دلیل اور توفیق الہی کا یہ روشن ثبوت تھا کہ انھوں نے حالات میں انقلاب لانے کے لئے پُرخطر اور مشتبہ راستہ اختیار نہیں کیا، اور تخریب کے بجائے تعمیر نفی کے بجائے اثبات و ایجاب اور ازالہ کے بجائے امارہ کا راستہ اختیار کیا جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور ایک بے ضرر راستہ تھا۔ اب مجدد صاحب کے سامنے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا، اور وہ یہی کہ ان ارکان سلطنت کے رابطہ قائم کریں جو بہر حال مسلمان تھے، حضرت مجدد صفا کو اپنی گہری واقفیت اور خداداد ذہانت سے معلوم تھا کہ دور اکبری کے مخالف اسلام منصوبہ میں وہ شریک نہیں تھے، وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے، لیکن مجبور تھے، ان میں متحد اسلام کی محبت اور دین کی حیثیت کبھی خالی نہ تھے، ان میں سے کئی ان کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ اور خود ان سے اگر ارادت کا نہیں تو محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے، وہ حضرت مجدد کے اخلاص بے غرضی اور اسلام کے لئے دسوزی اور درد مندی سے واقف تھے، ان میں حسب ذیل حضرات ممتاز تھے، نواب بید مرتضیٰ عرف شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) خان اعظم مرزا کو کہ (م ۱۰۳۳ھ) خان جہاں لودھی (م ۱۰۲۴ھ) صدر جہاں پہاڑی (م ۱۰۲۴ھ) لالہ بیگ جہانگیری۔

ہرچہ از دل بر خیزد بر دل ریزد
مجدد صاحب نے انھیں امراء کبار اور ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا،

لے لیکن یہ روایت اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرت مجدد کی ۱۰۳۲ھ میں وفات ہوئی۔

ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحہ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے، یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر زور قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے مجموعہ میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دلآویزی پائی جاتی ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا، حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصدان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے سختہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔

امراء سلطنت کے نام تحریری و دعوتی خطوط

ان تحریری و دعوتی خطوط کی ایک بڑی تعداد نواب سید فرید کے نام ہے جو ارکان سلطنت

لے مکتوبات کے ادبی پایہ اور حیثیت کے متعلق مصنف کا وہ تبصرہ دوبارہ پڑھ لیا جائے جو اس نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصہ سوم میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ میری کے مکتوبات رصدی اور مکتوبات امام ربانی کے ذیل میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۲۳۵-۲۳۸

۱۰ امیر کبیر نواب مرتضیٰ ابن احمد بخاری معروف بید فرید کی شخصیت عجیب جامع کمالات و مختلف ابجہات تھی، سیاست و انتظام، سخاوت و کرم، تواضع و اخلاق، دین و اہل دین سے محبت اور عالی ہمتی اور بلند نظری کا عجیب نمونہ، عہد اکبری ہی میں میر بخشی گری کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے، جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو ان کے منصب میں اضافہ کیا اور صاحب سیف و قلم اور مرتضیٰ خاں کا لقب دیا اور پہلے ہجرت کا پھر نیاب کا صوبیدار بنایا (باقی صفحہ ۳۱۶)

لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

اپنے آباء کے کرام اور خاص طور پر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جادہ مستقیم ثبوت قائم رہنے کی دعا دینے کے بعد لکھتے ہیں:-

«بادشاہ کو عالم سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن سے ہے، اگر دل صحیح و صالح ہے تو بدن بھی صحیح و صالح ہوگا، اور اگر وہ فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہوگا، بادشاہ کا صلاح عالم کا صلاح ہے، اور اس کا فساد عالم کا فساد ہے۔»

آپ کو خوب معلوم ہے کہ قرن ماضی (عہد اکبری) میں اہل اسلام کے سر پر سے کیسا مصیبت گذر گئی، اس سے پہلے کی صدیوں میں غربت اسلام کے باوجود اہل اسلام کی ذلت و خواری اس سے زیادہ نہ ہوئی تھی، اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور اہل کفر اپنے طریق پر لکھ دیں، لیکن قرن ماضی میں اہل کفر غالب آکر بر ملا دارالاسلام میں احکام کفر کا اجراء کرتے تھے، اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے بھی مجبور تھے، اگر کوئی ہمت بھی کرتا تھا تو موت کی سزا پاتا تھا، «واذنبنا، واذنبنا، واذنبنا»

«واذنبنا، واذنبنا، واذنبنا» محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (جو محبوب رب العالمین ہیں) ماننے والے ذلیل و خوار تھے، اور آپ کے نبوت کا انکار کرنے والے باعزت و باعتبار مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی نوحہ خوانی میں مصروف تھے، اور معاندین تمسخر و استہزاء کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے، آفتاب ہدایت گمراہی کے پردہ... میں مستور اور نور حق باطل کے حجابات میں مخفی اور روپوش تھا۔

آج جبکہ اسلام کے غلبہ و اقبال سے جو چیز مانع تھی، اس کے دور ہو جانے اور بادشاہ اسلام کے سر پر آئے سلطنت ہونے کا مزہ خاص و عام کے قانون تک پہنچا ہے، اہل اسلام

اور صوبیداران مملکت میں نمایاں مقام رکھتے تھے، اور اکبر کے عہد سلطنت سے سلطنت کے مقرب و معتمد علیہ تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ان کی سیادت اور دینی حمیت سے حضرت مجدد نے فائدہ اٹھا کر اور اس کا واسطہ دے کر ان کو اپنا فرض دینی و خاندانی ادا کرنے پر آمادہ کیا اور یہ کہ وہ جہانگیر کو نیک مشورہ دے کر سلطنت کا رخ اکبر کے ڈالے ہوئے راستے پر چلتے رہنے اور اسلام کے تقاضوں سے چشم پوشی اور بے تعلقی، اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی سے حمایت دین اور شعائر و احکام اسلام کے احترام کی طرف موڑنے کی کوشش کریں۔

افسوس ہے کہ ان مکاتیب پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے، ورنہ حکمت دعوت اور تدریجی ارتقاء کے کئی اہم گوشے سامنے آتے اور معلوم ہوتا کہ آپ نے کس طرح اپنے مکتوب الیہ اور مکتوب الیہ نے کس طرح بادشاہ کو پھر بادشاہ نے کس طرح سلطنت کے رخ کو حمایت اسلام کے راستے پر ڈالا، اور پھیلی حکومت کے اثرات کس طرح بتدریج مضمحل ہونے اور ان کی جگہ اسلام دوستی اور اسلام شناسی نے لینا شروع کیا، ہم اپنے اندازہ کے مطابق ان خطوط کے اقتباسات کو کسی قدر ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نواب سید فرید بخاری کے ایک مکتوب میں جو غالباً جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی

(باقی صفحہ ۳۱۶ کا) جس پر وہ مدۃ العمر فائز رہے، جو دو دن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، کبھی اپنے کپڑے تک تار کر سائلوں کو دے دیتے تھے، بیواؤں، یتیموں اور اہل حاجت کے روزیہ اور سالانہ مقرر کر رکھے تھے، یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح شفقت کرتے، شادی کے قابل غریب لڑکیوں کی شادی اور جہیز کا انتظام کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، ان کے دسترخوان پر ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے قریب روزانہ کھانا کھاتے، شہر فرید آباد انہی کے نام سے منسوب ہے، ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی (نزہتہ النواظر ج ۵، مختصراً)۔

نے اپنی ذمہ داری سمجھا کہ وہ بادشاہ کے مدد و معاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کا راستہ دکھائیں، یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔

پھر چند سطروں کے بعد گذشتہ عہد کے مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”قرن ماضی میں جو مصیبت بھی سر پر آئی وہ علماء سوء کی جماعت کی نحوست سے پیش آئی، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں، ملت میں جو بہتر فرقے بنے اور انہوں نے جو راہ ضلالت اختیار کی ان کے مقتدی یہی علماء سوء تھے، علماء میں سے کم ایسے گمراہ ہوں گے جن کی ضلالت دوسروں پر اثر کرے، اس زمانہ کے اکثر جہلاء صوفی ناما بھی علماء سوء کا اثر رکھتے ہیں، ان کا فساد بھی متعدی فساد ہے، اگر کوئی شخص اس کا خیر (اعانت دین) میں اعانت دین کی استطاعت رکھتا ہے، اگر اس میں کوتاہی سے کام لیتا ہے، اور کارخانہ اسلام میں فتور واقع ہوتا ہے وہ کوتاہی کرنے والا بھی قابل شکایت ہوگا، اس بنا پر یہ حقیر قلیل البصاعت بھی چاہتا ہے کہ وہ سلطنت اسلام کی مدد کرنے والوں کے جرگہ میں شامل ہو، اور اپنی بساط بھر ہاتھ پاؤں مارے کہ ”من کثر سواد قوم فهو منهم“ کیا عجب ہے کہ اس بے استطاعت کو اس عالی جماعت میں شامل کر لے، وہ اپنی مثال اس ضعیفہ کی طرح سمجھتا ہے جس نے کچھ رتیاں بٹ کر اپنے کو خریداران یوسف کے سلک میں منسلک کرنا چاہا تھا، امید ہے کہ جلد ہی یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، آپ سے اس کی توقع ہے کہ چونکہ آپ کو بادشاہ کا قرب خاص حاصل ہے، اور ان باتوں کے گوش گزار کرنے کے مواقع میسر ہیں، خلوت و جلوت میں شریعت محمدی کی ترویج کی کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو اس غریبت و بیکسی سے نکالیں گے۔“

لے مکتوب ۱۷۲ دفتر اول۔

سید فرید کے نام ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس وقت غریب اہل اسلام جو اس گرداب میں گرفتار ہیں، نجات کی امید اہل بیت ہی کے سفینہ سے لگائے ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”مثل اہل بیتی مکمل سفینۃ نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك“ ہمت عالی کو اس مقصد عالی پر مرکوز کر دیں کہ یہ سعادت عظمیٰ ہاتھ آئے، اللہ کی عنایت سے ہر طرح کا جاہ و جلال اور عظمت و شوکت آپ کو میسر ہے، اس شرف ذاتی (سیادت خاندانی) کے ساتھ اگر یہ سعادت بھی شامل ہو جائے تو سب سعادت مندوں سے بازی لے جائیں، یہ حقیر اسی طرح کی باتوں کے عرض معروض کے لئے جن کا مقصد تائید و ترویج شریعت ہے، آپ کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

ایک تیسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:-

”سیادت پناہا کرم! آج کے دن اسلام بڑا بیکس اور غریب الوطن ہے، ایک پیڑھی جو اس وقت اسلام کی تقویت میں صرف کیا جائیگا، کروڑوں میں خریداجائے گا، دیکھا چاہئے کہ کون شہباز ہے، جس کو اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرمائیں گے، ترویج دین و تقویت ملت کا کام جس زمانہ میں جس شخص سے بھی وقوع میں آئے مستحسن ہے اور خوشنما، لیکن اس وقت... اسلام غریب الوطن ہے، اور آپ جیسے سادات سے زیبا تر و رعنا تر ہے کہ یہ دولت آپ کے خاندان کے لئے خانہ زاد ہے، آپ کے لئے وہ بالذات ہے، اور دوسروں کے لئے بالواسطہ، اس سعادت کے حصول میں اپنے جدا مجد کا وارث ہونا بڑی قیمت رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ایسے زمانہ

لے مشکوٰۃ عن ابی ذر از مسند احمد لے مکتوب ۱۷۳ دفتر اول۔

میں ہو کہ اوامر و نواہی کا دسواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ، تمہارے بعد ایک گروہ ایسا آئے گا کہ اگر اوامر و نواہی کے دسویں حصہ پر عمل کریں گے تو نجات پائیں گے، یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ گروہ وہی گروہ ہے

گوئے توفیق وسعدت دریاں افگندہ اند

کس بہ میدان درنی آید سواراں را چہ شد

سید فرید کے بعد حضرت مجدد کی نظر انتخاب سلطنت مغلیہ کے دوسرے رکن رکن خان ^{عظمت} پری پڑی جو شاہی خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، جہانگیر کو بھی ان کی اہمیت و قدر و منزلت کا احساس تھا، مشائخ نقشبندیہ سے بھی ان کو عقیدت و محبت تھی، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ہی غالباً حضرت مجدد نے ان کو مکتوب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

”أیدکم اللہ سبحانہ ونصرکم علی أعداء الاسلام فی إعلاء الاسلام“ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ”الاسلام بدأ غریباً وسیعود کما بدأ فطوبی للغریاء“ (اسلام کا آغاز مسافرانہ بیکسی سے ہوا، اور پھر وہ اسی مسافرانہ بیکسی کو پہنچ جائے گا تو مبارک ہو

لے مرزا عزیز الدین نام اکبر کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے کو کا خطاب تھا، غزنی پھر دہلی وطن تھا، ۹۸۰ھ میں گجرات کے صوبیدار تھے ان کو محمد حسین مرزا کے محاصرہ سے چھڑانے کے لئے اکبر نے آگرہ سے احمد آباد ایک ہزار چار سو میل کا سفر نو دن میں کیا، گجرات کے بعد بنگال و بہار کے صوبیدار ہوئے، خان اعظم خطاب ملا، دوبارہ ۹۹۶ھ میں گجرات کی صوبیداری ملی، اس قرب و اختصاص کے باوجود اکبر کے غیر شرعی امور پر صاف صاف نکیر کرتے تھے، اس کے باوجود مہر شاہی مہر لوزک ان کے سپرد کی گئی، اور ان کو وکیل مطلق کا عہدہ دیا گیا، جہانگیر نے بھی اہم مناصب حکومت سپرد کئے اور گجرات کی صوبیداری عطا کی، ۱۰۳۳ھ

میں انتقال کیا (نزہۃ النواظر مختصراً)۔

ان لوگوں کو جو اس کے شریک حال ہوں) اسلام کی بیکسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار بر ملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے تکلف احکام کفر کے اجراء اور کوچہ و بازار میں اس کی مدح و ثنا سے نہیں شرماتے اس کے مقابلہ میں مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے مجبور اور اگر ان پر عمل کر لیتے ہیں تو مذموم و مطعون ہوتے ہیں

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بواجبی است

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”آج کے دن جناب کی ہستی کو ہم مغنم سمجھتے ہیں اور ہاری ہوئی بازی میں آپ کے سوا

کسی کو مرد میدان نہیں پاتے، اللہ آپ کا مؤید و ناصر ہو“ بحرمۃ النبی وآلہ الأجداد علیہم وعلیہم

الصلوات والتیمات والتسلیمات والبرکات“ حدیث میں آتا ہے ”لن یومن احدکم حتی یقال

انہ مجنون“ اس وقت وہ جنون جس کا مبنی فرط غیرت اسلام ہے آپ ہی کی طبیعت میں

محسوس ہوتا ہے ”الحمد لله سبحانہ علی ذلك“ آج کا دن وہ دن ہے کہ عمل قلیل کو اجر جلیل

کے بدلہ میں بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں، اصحاب کہف سے سوائے علمی ہجرت کے

کوئی اور نمایاں عمل ثابت نہیں، جس کو اتنی اہمیت دی جائے، دشمنوں کے غلبہ کے وقت

اگر وفادار سپاہی تھوڑی سی مستعدی دکھائیں تو بڑی عزت پاتے ہیں، بخلاف اس وقت کہ

جب امن کا زمانہ ہوتا ہے، اور دشمن اپنی جگہ پر ہوتے ہیں، جہاد قوی کا یہ موقع جو آج

آپ کو میسر ہے، جہاد اکبر ہے، اس کو غنیمت سمجھئے اور ”ہل من مزید“ کہئے، اس جہاد

لسان کو جہاد سیف و سنان سے بھی اس وقت افضل سمجھیں، ہم فقیر لوگ بے دست و پا

اس دولت سے محروم ہیں۔

هنيئاً الأثر باب النعيم نعيمها وللعاشق المسكين ما يتجرع

دايم تراز گنج مقصود نشاں گرمانه ز سيديم تو شاید برسي

پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

”سلطنت سابقہ میں دین مصطفوی کے ساتھ جو عناد نظر آتا تھا اظاہراً اس سلطنت میں وہ عناد نہیں ہے، اگر ہے بھی تو لاعلمی کی وجہ سے ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں یہاں بھی معاملہ اس عناد تک پہنچ جائے اور مسلمانوں پر عرصہء حیات تنگ ہو جائے۔ ع۔ جو بید بر سر ایماں خویش می لرزم“

دربار جہانگیری کے ایک دوسرے اعلیٰ عہدہ دار خان جہاں کے نام یہی مضمون مختصراً لکھتے ہیں:-

”آپ جس خدمت پر فائز ہیں، اگر اس کو شریعت مصطفوی پر عمل کرنے کے ساتھ جمع کر لیں تو انبیاء علیہم السلام والا کام کریں گے، علیہم الصلوٰات والتسلیمات، اور دین مبین کو منور و معمور کر دیں گے ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تو اس عمل میں آپ جیسے شہبازوں کے گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افکنده اند

کس بہمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

۱۷ مکتوب ۶۵ دفتر اول ۱۷ ایبر کبیر خان جہاں ابن دولت خاں لودھی، جہانگیر کو ان پر بڑا اعتماد تھا، اور وہ ان سے بڑی محبت کرتا تھا، بڑے علم دوست اور علماء پرور تھے، عام لوگوں سے بھی اچھا سلوک تھا، شاہ جہاں کے عہد میں بغاوت کی اور ۱۶۵۸ء میں قتل کر دیئے گئے (نزہتہ انخواطرح ۵)۔

۱۷ مکتوب ۵۵ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مفصل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”وہ دولت جس سے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے، اور لوگ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف (اور اندیشہ ہے کہ آپ بھی اس سے پورے طور پر آگاہ نہ ہوں) ہیں، یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آ رہا ہے، وہ اہل سنت میں سے ہے، اور حنفی المذہب ہے، اگرچہ چند سال سے اس زمانہ میں کہ قرب قیامت ہے، اور عہد نبوت سے بعد ہو چکا ہے، بعض لکھے پڑھے لوگوں نے طمع کی نحوست سے جو خرابی باطن کا نتیجہ ہے، حکام و سلاطین سے تقرب حاصل کر کے ان کی خوشامدیں آ کر دین مبین میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے ہیں، اور سادہ لوح لوگوں کو راستہ سے ہٹا دیا ہے، جہانگیر جیسا بادشاہ عظیم الشان جب آپ کی بات غور و التفات کے ساتھ سنتا ہے، اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیسا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃ کلمۃ حق (کلمۃ اسلام) کو جو اہل سنت و اجماعت کے اعتقاد کے مطابق ہے، (شکراً اللہ تعالیٰ سعیدہم) گوش گزار کر دیں، اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کے جو یا اور نگرہاں رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب و ملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان و شناعیت کے اظہار کا موقع ملے“

ان ارکان سلطنت کے علاوہ آپ نے ایک دوسرے عہدہ دار سلطنت لالہ بیگ کو بھی اسی مضمون کے خط لکھے جو اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بھتیجے تھے، اور بہار کے گورنر بھی رہے تھے، تحریر فرماتے ہیں:-

۱۷ مکتوب ۶۷ دفتر دوم۔

اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بلاد اسلام میں اہل کفر محض احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے، چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل زائل ہو جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانوں کا کوئی اثر باقی نہ رہے، معاملہ کو اس سرحد تک پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار (مثلاً ذبح بقر) کا اظہار کرتا ہے تو قتل کی سزا کو پہنچ جاتا ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”ابتداءے بادشاہت میں اگر مسلمان رواج پا جائے اور مسلمان کچھ عزت پیدا کر لیں، اور اگر عیاذ باللہ سبحانہ اس معاملہ میں توقف ہو تو معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیات الغیات ثم الغیات الغیات“ دیکھئے کون صاحب اقبال اس سعادت سے سرفراز ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے؟ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

سلطنت جہانگیری کے ایک اور امیر صدر جہاں تھے، ان کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:-

”یقین ہے کہ مقتداءے اسلام، سادات عظام، علماء کرام.... بحقیقہ و علانیہ دین متین کی ترقی و تقویت اور اس صراط مستقیم کی تکمیل میں مشغول ہوں گے، یہ بے سرو سامان اس معاملہ میں کیا دراز نفسی سے کام لے؟“

اس مکتوب کے دفتر اول ۱۹۵۴ء مئی میں صدر جہاں پیمانی (حال ضلع ہردوئی) کے رہنے والے تھے، علوم عربیت میں خاص امتیاز رکھتے تھے، پہلے شکر شاہی میں مفتی مقرر ہوئے، پھر صدارت کے عہدہ پر ان کا انتخاب ہوا، جہانگیر کو ان سے تلمذ حاصل تھا، اور اس نے پہل حدیث ان سے حفظ کی تھی، جہانگیر نے چار تہذیبی منصب اور وسیع جاگیر عطا کی تھی، ایک سو بیس سال کی عمر پائی اس باوجود ہوش و حواس سلامت تھے، ۱۹۵۴ء میں وفات پائی (نزدہتہ انخواط ج ۵) ۱۹۵۴ء مکتوب دفتر اول۔

گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے

آخر وہ مبارک وقت آگیا کہ جہانگیر کو غلطی کا احساس ہوا اور اس نے (اپنی حکومت و انتظام کے عام اصول کے مطابق) یہ چاہا کہ علماء کی ایک جماعت دینی امور میں مشورہ دینے اور غلطیوں سے بچانے کے لئے دربار میں موجود رہے، اس نے دیندار ارکان سلطنت سے فرمائش کی کہ چار دیندار علماء کو تلاش کر کے دربار میں ہر وقت حاضر رہنے پر آمادہ کر دیں، جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں، اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے، مجدد صاب جن کو اللہ تعالیٰ نے فراست صادقہ اور اعلیٰ دینی بصیرت عطا فرمائی تھی، اور سابق سلطنت کے انحراف کی تاریخ اور اس کے اسباب پر ان کی گہری نظر تھی، یہ اطلاع سن کر بجائے مسرور ہونے کے فکر مند اور پریشان ہو گئے، اور انھوں نے ایک خط شیخ فرید کو اور ایک خط نواب صدر جہاں کو اس مضمون کا لکھا کہ:-

”خدارا... ایسی غلطی نہ کریں، بجائے متعدد علماء سے ظاہر کے ایک مخلص بے لوث

عالم ربانی کا انتخاب کریں“

شیخ فرید کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بیتکم اللہ سبحانہ علی جادة آباءکم اللہم، ناگیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے

اپنے حسن فطرت اور اسلامیت کی بنا پر اس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے، آپ سے

فرمایا ہے کہ چار علماء سے دیندار کی خدمات حاصل کریں جو دربار میں رہیں اور مسائل شرعیہ کو

بیان کریں تاکہ بادشاہ کا کوئی حکم یا عمل خلاف شرع واقع نہ ہو، الحمد للہ سبحانہ

علی ذلک“ مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کیا خوشخبری اور ماتم زدوں کے لئے اس سے

بہتر کیا نوید مسرت ہو سکتی ہے، لیکن یہ فقیر ضرورتاً اور مجبوراً اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے امید ہے کہ معذور قرار دیں گے کہ صاحب الغرض مجنون۔

عرض یہ ہے کہ ایسے علماء دیندار اول تو خود ہی اقل قلیل ہیں، جو حب جاہ و حُب اقتدار سے بلند ہو چکے ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے سوا کوئی غرض نہ رکھتے ہوں، اگر حُب جاہ کی بنا پر ان علماء میں سے کوئی ایک پہلو اختیار کر لے گا اور اپنی فضیلت و برتری کا اظہار کرے گا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کے ذریعہ سے بادشاہ کا قرب اور اس کے یہاں امتیاز و اعزاز حاصل کرنا چاہے گا لامحالہ دین کا کام اتر ہوگا، قرن سابق میں علماء کے اختلافات ہی نے عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا، اور اب پھر وہی خطرہ درپیش ہے، ترویج دین کا کیا ذکر یہ امر تخریب دین کا باعث ہوگا، العیاذ باللہ سبحانہ من ذلك ومن فتنۃ العلماء السوء“ (اگر بجائے ان چار کے) ایک عالم کا اس مقصد کے لئے انتخاب کیا جائے تو بہتر ہوگا، اگر وہ علماء آخرت میں سے ہوگا تو کیا کہنا کہ اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے اور اگر علماء آخرت میں سے کوئی نہ ملے تو اس طبقہ علماء میں سے بہتر سے بہتر آدمی کا انتخاب کیا جائے کہ ”مالا یدرک کلمہ لا یتدرک کلمہ“ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

”سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے، جیسے کہ خلائق کی خلاصی علماء کے ساتھ وابستہ ہے، عالم کا نقصان بھی انہی کے ساتھ مربوط ہے، علماء میں جو بہترین ہیں وہ عالم میں بہترین ہیں اور جو ان میں بدترین ہیں وہ مخلوقات میں بدترین ہیں، ہدایت و اضلال کو اسی گروہ کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے، کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار بیٹھا ہوا ہے، انھوں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگا کہ اس وقت کے علماء ہمارا کام کر رہے ہیں،

اور اغواء و اضلال کا کام کر رہے ہیں۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند

او غولیشن گم است کرار ہیری کند

عرض کہ اس معاملہ میں پورے غور و تأمل اور فکر صحیح سے کام لے کر قدم اٹھائیں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا مجھے شرم آتی ہے کہ ایسی باتیں زیرک و دانا (جیسے کہ آپ ہیں) حضرات کے سامنے کی جائیں، لیکن اس کو اپنے لئے وسیلہ سعادت سمجھ کر باعث تصدیق ہوا!

عقیدہ تمندارکان سلطنت اور ان سے خط و کتابت

ان مکتوب الیہم کے علاوہ جن کے نام کے مکاتیب میں حضرت مجدد اسلام کی عزت و بکسی، احکام و شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مجبوری پر خون کے آنسو روئے ہیں اور ان کو اپنے قرب و اعتماد، خدمات جلیلہ اور منصب و عہدہ کے اثر سے کام لیتے ہوئے، بادشاہ کو صورت حال کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی موروثی و خاندانی رگ سلامت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی طرف توجہ دلائی ہے، کچھ امراء کبار اور اراکین سلطنت کے نام آپ کے مکاتیب کی ایک بڑی تعداد ہے، جو اصلاحی و تربیتی ہیں، اور جن میں سلوک و تصوف کے بعض غوامض کو حل فرمایا گیا ہے، دنیا سے دنی کی طرف سے بے رغبتی اور نعیم اخروی اور ترقیات باطنی کے حصول کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ خطوط امیر الامراء عبدالرحیم خان خانانا (م ۱۰۳۶ھ) قلیج خاں اندجانی اکبری (م ۱۰۲۳ھ) خواجہ جہاں لہ مکتوب ۵۳ دفتر اول، صدر جہاں کے نام مکتوب ۱۹۵ دفتر اول میں بھی اسی مضمون کو مختصراً تحریر فرمایا ہے۔

(م ۲۹) مرزا داراب ابن خان خانان جہانگیری (م ۳۴) اور شرف الدین حسین بدخشی کے نام ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان امراء کبار کو حضرت سے گہری عقیدت و محبت تھی، یہ خطوط ایسے ہی ہیں جیسے ایک شیخ اپنے زیر تربیت مریدین کو لکھتا ہے، ان کی لغزشوں پر متنبہ بھی کرتا ہے، ان کو وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے، اور ان کی دینی ترقی اور روحانی استعداد و مناسبت پر خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قوی تعلق اور گہری عقیدت کے بعد ان امراء کے کبار نے حضرت مجدد کے اصلاح سلطنت کے منشاء کے مطابق بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور اسلام کی خیر خواہی اور ہمدردی میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی اور انھوں نے اس کام میں اپنے مخدوم و شیخ کی تمنا پوری کرنے اور دوسرے امراء سلطنت کے ساتھ (جن کو آپ نے اس مقصد عظیم کے لئے خطوط لکھے تھے) تعاون کرنے سے دریغ نہ کیا ہوگا۔

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر اور فیض

ابھی تک جو کچھ تفصیل بیان کی گئی اس کا تعلق حضرت مجدد کی بالواسطہ کوششوں سے تھا، یعنی انھوں نے امراء کبار اور ارکان سلطنت کو دین کی نصرت و حمایت بادشاہ کو احترام دین و شریعت اور اصلاح حال پر اپنے مکاتیب کے ذریعہ جن میں حمیت اسلامی کی بجلیاں کوندتی نظر آتی ہیں، کس طرح پے در پے خطوط لکھے اور ان سے اس مقصد کی تکمیل میں کس طرح کام لیا، یہ سب یقیناً رائیگاں نہیں گئی، اور ان مکتوب الہیم نے اور خاص طور پر نواب سید فرید نے حکومت کا رخ بدلنے میں بنیادی و مرکزی کردار ادا کیا۔

لیکن ابھی فرمانروائے سلطنت جہانگیر کے مزاج و طبیعت میں وہ تبدیلی نہیں پیدا

ہوئی تھی جس کی اس عظیم الشان اور دشوار کام کے لئے ضرورت تھی، شخصی و موروثی سلطنتوں میں بادشاہ کی ذات وہ مرکزی نقطہ ہوتی ہے جس کے گرد حکومت کا سارا نظام گردش کرتا ہے، اس کا کسی بات کے لئے ارادہ کر لینا اور اس کے ذہن کا کسی امر کو قبول کر لینا خدا کے کسی مخلص اور بے لوث بندے سے اس کے دل میں عقیدت و محبت کا پیدا ہو جانا اور اس کے اخلاص پر اعتماد کر لینا ہزاروں میل کے فاصلہ کو گھنٹوں اور منٹوں میں طے کر دیتا ہے، اور بعض اوقات بظاہر ناممکن العمل چیز کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیتا ہے، ابھی تک جہانگیر حضرت مجدد کے روحانی و علمی مقام سے نا آشنا تھا، وہ ان اہل علم و اہل مشیخت میں نہیں تھے، جو درباروں میں آتے جاتے ہیں، اب اس کی کیا صورت تھی کہ جہانگیر کو براہ راست ان سے واسطہ پڑے، وہ ان کے علوم مقام سے (اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق) واقف ہو، حکمت الہی نے اس کا بھی عجیب و غریب طریقہ پر انتظام کیا جو عسلی **اَنْ تَلْكُهُمْ وَاشْتِئَاءُ وَهُوَ حَبِيْبٌ لِّكُلِّ** (ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) کی تفسیر ہے۔

جہانگیر کا تاثر

باب سوم میں قارئین قلعہ گوالیار کی اسیری اور لشکر شاہی کی نظر بندی کی داستان پڑھ چکے ہیں، لشکر شاہی کے ساتھ حضرت مجدد ۳۱ سال تک رہے، بادشاہ سے صحبتیں رہیں، مسائل دینیہ پر مذاکرہ و گفتگو رہی، بادشاہ نے حضرت مجدد کی دینی صلابت اور لے قلعہ گوالیار سے رہائی جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ میں ہوئی تھی، اور لشکر شاہی سے رخصتی ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ میں ہوئی اس طرح ساڑھے تین سال بنتے ہیں۔

استقامت کا نمونہ سجدہ تعظیمی اور آداب شاہی سے انکار اور گواہی کی اسیری میں پوری خودداری اور عزت نفس کے ساتھ رہنے اور معافی نہ مانگنے کی شکل میں دیکھا حضرت مجدد کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی صحبت کی تاثیر کو سیکڑوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کی شکل میں دیکھا پھر لشکر شاہی کی طویل رفاقت میں ان کے زہد و استغناء اور ان کی عبادت و عموالات کی پابندی کو بھی دیکھا، مجلس کی گفتگو میں ان کے رسوخ فی العلم کا بھی تجربہ کیا اور یقیناً وہ ایک سلیم الطبع، ذہین اور ہوشمند فرمانروا کے سلطنت کی حیثیت سے جس کو امراء و علماء و مشائخ، دنیا داروں اور دینداروں کی ایک بڑی تعداد کے حالات کا اپنے والد اکبر کے دور سے اس وقت تک مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اس سے اس میں مردم شناسی کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جن کو کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا اتنا طویل موقع نہیں ملتا، مجدد صاحب کے متعلق ضرور سمجھ گیا ہو گا کہ وہ ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو ابھی تک دربار کی زینت یا پوری بے فقر کے مسند نشین تھے۔

واقعہ ذیل میں جو جہانگیر نے خود تفصیل اور ایک حد تک شکر و مخز کے اظہار کے ساتھ لکھا ہے، حضرت مجدد کی صحبت و جذبات کا اثر صاف جھلکتا ہے، جہانگیر کے اس اقدام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اگر یہ واقعہ سامنے رکھا جائے کہ قلعہ آزمودہ کا مسلمان سپہ سالاروں کے بجائے راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ جہانگیر لکھتا ہے:-

بتاریخ بست و چہارم ماہ مذکور توجیر قلعہ کا گزہ
شدم حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علماء اسلام
در کاب بودہ آنچه شعار اسلام و شرائط دین محمدی
است در قلعہ مذکور عمل آزند با بخلہ قریب یک گزہ

ماہ مذکور (دی) کی ۲۴ تاریخ کو قلعہ کا گزہ کی پیر کے
ارادہ سے نکلا میں نے حکم دیا کہ قاضی و میر عدل و دیگر
علماء اسلام بھر کاب میں جو اسلامی شعار اور دین محمدی
کے شرائط ہیں وہ اس قلعہ مذکور میں عمل میں لائیں مختصراً

طی نمودہ بر فراز قلعہ برآمد شد بتوفیق ایزد سبحان
بانگ نماز و خواندن خطبہ و کشتن کاؤ و غیرہ کہ از ابتدا
بناء این قلعه تا حال نشدہ بود ہمہ ادر حضور خود
بعل آورد، سجدات شکر این موہبت عظمی کہ هیچ
بادشاہی توفیق برآں نیافتہ بود بتقدیم رسانیدہ
حکم فرمود کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند۔

ایک کوس کی مسافت طے کر کے قلعہ کی بلندی پر پہنچا
توفیق الہی سے اپنی موجودگی میں اذان لوائی خطبہ پڑھا
گیا اور ذبیحہ کاؤ پڑھ کر اس قلعہ کی تعمیر کے وقت کبھی
عمل نہیں ہوا تھا اپنے سامنے عمل کرایا، اس نعام الہی پر کئی
بادشاہ کو کبھی اس کی توفیق نہیں ہوئی تھی، لشکر کے سجدے
لایا میں نے حکم دیا کہ ایک بلندی بالاسجدہ قلعہ کے اندر تعمیر کی جائے۔

اس بالواسطہ اور بلاواسطہ کوشش سے اولاً سلطنت کا رخ اسلام کی طرف سے
تغافل بلکہ تجاہل (اور اس سے آگے بڑھ کر مخالفت) سے ہٹ کر اسلام کے احترام اور
شعائر اسلام کی بلندی اور بادشاہ اسلام کی اسلام سے دلچسپی کی طرف تبدیل ہوا، جس کا
سلسلہ جہانگیر کے آخری دور سے شروع ہو کر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد سلطنت پر سایہ لگن ہوا۔
شاہجہاں کا دور

صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی (۱۰۲۵-۱۰۴۰ھ) کا دور جس کا
عہد سلطنت ۱۰۳۶ھ سے شروع ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ ۳۱ سال رہا اور جو حضرت
مجدد کی وفات کے دو سال بعد تخت سلطنت پر بیٹھا ایک غیر محسوس ندریکی اصلاح و
بہتری کا دور تھا، شاہجہاں کے متعلق اس بات کا کوئی قابل اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ
وہ حضرت مجدد یا ان کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم سے باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق
رکھتا تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دل میں ہمیشہ حضرت مجدد کے لئے نرم گوشہ
اور احترام و اخلاص رہا، چنانچہ جب حضرت مجدد نے بادشاہ کی طلبی پر دربار میں آنے کا
ارادہ کیا، اور یہ معلوم تھا کہ حضرت مجدد سجدہ تعظیمی اور دربار کے آداب قبول نہیں کریں گے

نوشاہجہاں نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمن کو (جو شاہزادہ کے مصاحبین و متوسلین میں تھے) بعض کتب فقہیہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ "سجدہ تعظیمی سلاطین کے لئے جائز ہے اور فقہاء نے خاص حالات میں اس کی اجازت دی ہے اگر آپ ملاقات کے وقت بادشاہ کے لئے یہ آداب بجالائیں تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آپ کو قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا" حضرت مجدد نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ رخصت ہے عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو کسی حال میں سجدہ نہ کیا جائے۔

شاہجہاں کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک نیک دل بادشاہ شریعت کا احترام کرنے والا، عظیم مساجد کی تعمیر کا خاص شوق رکھنے والا، اور اپنی ذات سے فرائض شرعی کا پابند تھا، علماء اور صلحاء کو اپنے قریب رکھتا تھا، اور ان پر اعتماد کرتا تھا، اس کے وزیر باندیر جملہ الملک سعد اللہ خاں علامی (م ۱۶۶۱ء) اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب درس تھے، اس ذاتی دینداری و خداترسی کے ساتھ (جو ایک وسیع سلطنت رکھتے والے خود مختار بادشاہ کی زندگی میں غنیمت سمجھی جانی چاہئے) شاہجہاں نے عہد پیشین کی بعض خلاف شرع رسوم و آداب کو بھی بند کیا، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب فارسی کی معاصر تاریخوں بادشاہ نامہ وغیرہ کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں:-

"جب شاہجہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو اس کو مر اسم ملت مصطفوی اور شریعت محمدی کا جس میں کچھ خلل پڑ گیا تھا، ایسا پاس و محافظ تھا کہ اول اس نے حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم کا معبود حقیقی سزاوار ہے، اب آئندہ کوئی دوسرے کے لئے اپنی پیشانی کو خاکِ مذلت پر نہ رکھے، مہابت خاں کے کہنے سے اس کی جگہ پر زمین بوس مقرر کیا، مگر اس میں بھی سجدہ کے ساتھ مشابہت

لے تفصیل کے لئے کتاب کا باب سوم ملاحظہ ہو۔ مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ النواظر" جلد ۵

ہوتی تھی، اس کو بھی موقوف کر کے تسلیم چہارم مقرر کی ہے۔
سر رچرڈ برن (SIR RICHARD BURN) لکھتا ہے کہ:-

"شاہجہاں اسلامی عقائد کو سختی سے دوبارہ نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے متعرض بھی نہیں ہونا چاہتا تھا، اس نے جلد ہی تخت شاہی کو سجدہ کرنے کی رسم دربار سے اٹھادی..... الہی سنہ بھی جسے اکبر نے رائج کیا تھا، اس کا سرکاری کاغذات اور سکوں پر استعمال شاہجہاں کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہو گیا..... ۱۶۳۲ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناکحت جو پنجاب و کشمیر میں عام تھی ممنوع قرار دے دی گئی۔"
مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

"سرکار خاصہ سے قاضی و معلم مقرر ہوئے کہ احکام شریعت و آداب عبادت کی تعلیم کریں..... شیخ محمود گجراتی مقرر ہوا کہ تحقیق و ثبوت کے بعد مسلمان عورتوں کو ہنود کے تصرف سے نکالے اور ان کی عمارات و مساجد کو جدا کرے اس نے حکم مذکور کے مطابق عمل کیا کئی ایک مسجدوں کو جو ہنود کے زیر تصرف تھیں ان کو جدا کیا اور ہنود سے جرمانے کران کو تعمیر کرایا، جن ہنود نے قرآن شریعت کی یاد دہانی کی تھی ان کو بے ثبوت..... عبرتناک سزا دی، پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام ولایت پنجاب میں جس جگہ یہ صورت ہوئی ہو اس کو مہات شرعی کے متکفل تحقیق کریں۔"

لیکن اس احترام شریعت اور قدسے دینی حمیت کے ساتھ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہجہاں اپنے متشرع، صاحب علم اور صاحب صلاحیت فرزند اور نگ زیب کے مقابلہ میں اپنے صلح کل، آزاد مشرب بڑے بیٹے داراشکوہ کو ترجیح دیتا تھا، اور اسی کو تخت و تاج کا وارث اور اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اور یہی شخصی و موروثی سلطنتوں اور دین و سیا کی تفریق

کے اصول پر کاربند فرمانروایان سلطنت کی وہ خصوصیت ہے، جہاں ان کی ذاتی دینداری اور سلطنت پر اثر انداز اور کسی غلط یا مضر جانشین کے انتخاب میں مانع نہیں بنتی۔

شاہزادہ داراشکوہ

عہد عالمگیری میں جو تاریخیں مرتب کی گئیں ہیں، محض ان کے اعتماد پر ہم داراشکوہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے نہ اس کے قطعی طور پر بے دین و بد عقیدہ ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخت و تاج کے لئے بھائیوں کی یہ جنگ خالصتہ دو فلسفوں، دو طریق فکر اور دین و لادینیت کی جنگ تھی، لیکن غیر مسلم اور غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پردادا اکبر کے رنگ سے قریب تر، اور وحدت ادیان کے نظریہ سے متاثر اور شریعت و ویدانت میں مطابقت ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھا، فرانسیسی ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے کہ یوزی صاحب فلمیش پادری کے مواعظ دینیہ کو بہت رغبت سے سنتا تھا، ہندو مسلمان کو ایک مذہب کرنا چاہتا تھا، دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول:-

”وہ تصوف سے خاصی دلچسپی رکھتا تھا، اور ہندو فلسفہ کے زیر اثر تھا، اس نے مسلمان صوفیا

اور ہندو سنیوں سے گہرے تعلقات قائم کر لئے تھے، ان میں مسلمان صوفیوں اور علماء

کے ساتھ) سرمد شہور آزاد مشرب و بودی اور بابا لال داس بیراگی، کبیر کا پیر بھی تھا“

”دارا کی بعض متاخر تصانیف سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ وحدۃ الوجود کا پیر و تھا، وہ

ہندو فلسفہ اور صنمیات سے متاثر تھا، جس کی وجہ سے وہ متعدد ایسے لمبی اند خیالات کی طرف

مائل ہو گیا جن کے واضح مماثل ہندو فلسفہ میں پائے جاتے ہیں، اور جن کی اسلام میں کوئی

گنجائش نہیں..... دارا اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ویدانت اور تصوف جن کے ذریعہ ”حق“

کا ادراک کرنا چاہئے، وہ باہم مخالف نہیں، فرق صرف لفظوں کا ہے، ”اوپنشدوں“ کے ترجمہ میں جسے وہ ”وحدت“ کا حتمیہ بیان کرتا تھا، دارا نے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندومت کے پیروؤں کے مشترک نظریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی نیز اس نے یہ چاہا کہ ہندوؤں کے اعتقادات سے مسلمانوں کو شناسا کرانے لے

دارا کے ان افکار و خیالات، رجحانات و جذبات کی بنا پر جو اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرے سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے، اور جس کا بیدار مغز شہزادے اور رنگ زیب نے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، ذرا بھی محل استعجاب نہیں کہ ہندوستان کے دیندار حلقے علماء دین اور تابع شریعت شیوخ طریقت اور ان کے تابعین نے جو اکبر کے دور میں اسلام کی بے بسی و بے دخلی کا منظر دیکھ چکے تھے یا انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا، اس جنگ برادران میں داراشکوہ کے مقابلہ میں، حامی اسلام، پابند مذہب و شریعت شاہزادہ اور رنگ زیب کی نصرت و حمایت اور اپنی دعاؤں اور ترغیب و تحریض سے اس کی پوری مدد کی ہو۔ اس کشمکش کا نتیجہ سب کو معلوم ہے کہ اورنگ زیب نے داراشکوہ پر فتح پائی اور ۱۶۵۷ء میں سر ریائے سلطنت ہو اور پوری نصف صدی بڑے کروفر کے ساتھ حکومت کی۔

محمی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حمیت و حمایت

اورنگ زیب عالمگیر نے (جس کو حضرت مجدد کے خاندان سے عقیدت اور ان کی

لے مقالہ داراشکوہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۹ مقالہ نگار (ستیش چندر [ادارہ]) نیز ملاحظہ ہو "AURANGZEB" از

ظہیر الدین فاروقی ۳۵-۳۶ء تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد اسلم کا مقالہ "اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و

مشائخ کا کردار" مشمولہ "تاریخی مقالات" از پروفیسر محمد اسلم ۲۲۶-۲۲۳ء

دعوت و مسلک سے شروع سے مناسبت تھی) حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کر لیا تھا، اس بات کے متعدد شواہد و قرائن ہیں کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سے محض غائبانہ عقیدت اور عام نیاز مندی کا نہ تھا، بلکہ اس نے باضابطہ اصلاح و تربیت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کر لیا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم کی اورنگ زیب کی شہزادگی کے وقت سے اُس پر نظر خاص تھی اور وہ اس کو شہزادہ دین پناہ (جو ایک پیشین گوئی اور فال نیک تھی) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

”بادشاہ (اورنگ زیب) دین پناہ را
در خدمت حضرت اخلاص بہ نوع
دیگر است از ذکر لطائف و ذکر سلطانی
گزشتہ بذکر نفی و اثبات مفید است
و ظاہری سازد کہ بعضے اوقات خطرہ
مطلقاً نمی آید و گاہے کہ می آید استقرأ
نمی کند ازین راہ خیلے محفوظ است
ومی گوید کہ پیش ازین من از ہجوم
خواطر دل تنگ بودم و شکر این نعمت
بجای آرد“

بادشاہ دین پناہ کا حضرت کے ساتھ
اخلاص اور ہی طرح کا ہے لطائف ستہ
اور سلطان الاذکار کے ذکر سے گذر کر
اس وقت نفی و اثبات کے ذکر کی منزل
پر ہیں ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات
وسوسہ مطلق نہیں آتا اور کبھی آتا بھی
ہے تو اس کو استقرأ نہیں ہوتا، وہ اس چیز
سے بہت محفوظ ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سے
پہلے میں وساوس و خطرات کے ہجوم
سے پریشان ہو جاتا تھا، وہ اس نعمت
کا شکر بجالاتے ہیں۔

۱۷ مکتوبات سیفیہ مکتوب ۱۷ بنام صوفی سدا الشرفغانی ۱۷ ایضاً مکتوب ۲

خواجہ سیف الدین کے اس خط کے جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم نے جو مکتوب تحریر فرمایا، اس میں آپ نے خدا کا شکر ادا کیا ہے جس نے بادشاہ کو روحانی مراتب عطا فرمائے اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فناء قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا، جو سلوک میں ایک بلند مقام ہے۔

ابوالفتح آداب عالمگیری میں لکھتا ہے کہ:-

”اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجہ محمد معصوم اور ان کے برادر بزرگ خواجہ محمد سعید

دربار شاہی میں تشریف لائے اورنگ زیب نے اس موقع پر تین سو طلائی مہر میں نذر کیا“

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنے مضمون ”اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار“ میں ”مرآت العالم“ اور ”فتوحات عالمگیری“ کے حوالہ سے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اس خاندان اور حضرت مجدد کے فرزندوں سے گہرے روابط تھے، یہ حضرات بادشاہ سے ملاقات کرتے تھے، اور بادشاہ ان کی خدمت میں

۱۷ مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب ۲۲ ۱۷ ابوالفتح آداب عالمگیری قلمی نسخہ انڈیا آفس لاہور بریلی لندن ۱۹۷۷ء

ورق ۳۱، محمد کاظم عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸ء ص ۲۹۳ (منقول از تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم)

۱۷ یہ دونوں کتابیں انڈیا آفس لاہور اور برٹش میوزیم لندن کے کتب خانہ میں ہیں۔ ۱۷ حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات

کا جو بادشاہ عالمگیر کے نام میں، اور مکتوبات سیفیہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، اگر نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بادشاہ

کا تعلق حضرت خواجہ سیف الدین سے علی الخصوص اور خاندان مجددی سے علی العموم محض احترام و عقیدت کا نہیں تھا جیسا کہ دیندار اور

خوش اعتقاد بادشاہوں کا اپنے عہد اور مملکت کے علماء و مشائخ سے رہا ہے، بلکہ تعلق ضابطہ سے زیادہ رابطہ عقیدت سے زیادہ

تربیت و استفادہ کا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد زادار کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جو ترتیب میں تیسرا مکتوب ہے:-

حضرت سلامت دین روز با صحبتہائے طولانی واقع می نمود حضرت سلامت ان نون طویل طویل صحبتیں و مجلسیں میں آتی ہیں

(باقی ص ۳۳۶ پر)

قیمتی تحائف پیش کرتا تھا، دہلی سے لاہور جاتے اور واپس آتے وقت وہ کئی بار سرسند میں حضرت خواجہ محمد معصوم اور خاندان مجددی کے دوسرے افراد سے ملا۔

مفتی غلام سرور صاحب، خزینۃ الأصفیاء کی روایت کے مطابق بادشاہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے متعدد بار استدعا کی کہ وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا کریں، لیکن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت کے مطابق بادشاہ کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمایا، اور اپنی جگہ اپنے فرزند گرامی قدر خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا، مکتوبات معصومیہ میں دو مکتوبات ایک ۲۲۱ء و دوسرا ۲۲۲ء بادشاہ کے نام ہیں اور ان سے صفا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا حضرت خواجہ سے ارادت و تربیت کا تعلق ہے، ان کے اور بادشاہ کے روابط اور بادشاہ کے ان سے اثر پذیر

(باقی ۳۲۵ کا)
و بعضے مکاتیب غامضہ مذکورہ گورو باخلاص تمام بعض ذیق مکاتیب کا ذکر بھی ہوتا ہے اور بادشاہ می شنود۔ پورے اخلاص کے ساتھ سماعت فرماتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۲ میں جو شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

بادشاہ دین پناہ شب شبہ کہ شب سوم اس ماہ باشند بمنزل
فقرا آذاتم اطعمہ بے تکلف ازاں چہ حاضر بودنناول
فرمودند صحبت طولانی گشت مجلس سکوت نیز در میان آمد
..... بالجملہ ترویج طریقہ عالیہ امید است کہ موافق خواہش
مخلصانہ لظہور آید - ۱۶۵-۱۶۹

بادشاہ دین پناہ شبہ کی را کو جو اس مہینہ کی تیسری رات
تھی عزیز خانیہ پر تشریف لائے، جو بے تکلف کھانے حاضر تھے
ان کو تناول فرمایا، صحبت طویل کھینچا در میان میں سکوت کی
مجلس بھی پیش آئی، مختصر آید کہ امید ہے کہ مخلصین کی
خواہش کے مطابق طریقہ عالیہ کی ترویج بھی ظہور میں آئے گی۔

تعلقات و اثرات کا یہ سلسلہ عالمگیر کی وفات کے بعد تک جاری رہا، جتنی نظامی سلسلہ کے مشہور شیخ جن سے اس طریقہ کو جیتا تو حاصل ہوئی شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۳۳ھ) نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ نظام الدین اوزنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں بعض خطوط میں ہدایت کی ہے کہ چونکہ اس وقت بادشاہ کے ساتھ اوزنگ آبادی مجذبی خاندان کے صاحبزادے بھی ہیں اس لئے سماع و قوالی کی مجلسیں منعقد کرنے میں احتیاط برتی جائے کہ مبادا ان حضرات کو گرانی اور تکذیب ہو، جس صاف پتہ چلتا ہے کہ دکن کی تہا اور وہاں کے طویل قیام میں خاندان کے عالی مرتبہ افراد وقتاً فوقتاً بادشاہ کے شریک صحبت اور دعا و توجہات سے معاون و شریک حال رہا کرتے تھے۔

لہ تاریخ مشائخ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ۲۱۵-۲۱۹

ہونے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کا تذکرہ باب ہشتم میں خواجہ سیف الدین کے تذکرہ میں آئے گا۔ خواجہ سیف الدین بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویج شریعت و احیاء سنت کے کام میں برابر ساعی و سرگرم رہے، ان کے خطوط کے مجموعہ مکتوبات سیفیہ میں بادشاہ کے نام اٹھارہ مکتوبات ہیں، جن میں بادشاہ کی توجہ ازالہ بدعات، احیاء سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

کسی فرمانروا کے سلطنت اور خود مختار بادشاہ کے پورے اعمال و اخلاق اس کے فیصلوں اور اقدامات کی ذمہ داری یعنی مشکل ہے اور ان سب کو اسلامی تعلیمات اور احکام شریعت کے مطابق ثابت کرنا ممکن نہیں، یہ بات تو صرف خلفائے راشدین اور ایسے چند حکمرانوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے، جو اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح خلافت علی منہاج النبوة کے قائل و عامل تھے، پھر یہ تنازعہ فیہ اقدامات اور سیاسی و انتظامی کارروائیاں کن مجبور یوں اور مصلحتوں کے پیش نظر عمل میں آئیں، اور عرصہ میں ان کی جو تصویر کشی کی ہے وہ کس حد تک واقفیت پر مبنی تھی، طویل زمانہ گزر جانے کے بعد اور صحیح شہادتوں کی غیر موجودگی میں ان کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان نہیں، پھر بھی عالمگیر کے متعلق جو مستند تاریخی مواد موجود ہے، اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ حضرت مجدد صاب کی اصلاحی و تجدیدی تحریک، سلطنت کو ہادم اسلام کے بجائے خادم اسلام بنانے کی انقلاب انگیز مگر خاموش کوششوں اور ان کے فرزندوں اور خاندان کی گہری بے لوث روحانیت اور دل آویز شخصیتوں سے پورے طور پر متاثر تھا، اور اس نے حضرت مجدد کی دعوت و مقاصد سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، وہ نظام سلطنت اور معاشرہ میں جرأت مندا

۱۰ مکتوب نمبر ۲۰-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴

اور دور رس تبدیلیاں لانا چاہتا تھا، اور اس نے پہلی مرتبہ بعض ایسی اصلاحات نافذ کی تھیں جن سے اگرچہ حکومت کا مالیہ متاثر ہوتا تھا، لیکن شریعت کے بعض صریح احکام کا نفاذ ہوتا تھا جو دونا تھ سرکار لکھنے ہیں:-

”سال جلوس کے دوسرے سال (جون ۱۶۵۹ء) کے شروع میں حسبِ نیل حکام جاری کئے جن کا مقصد انتظامیہ میں اسلامی قوانین کا نفاذ اور لوگوں کی زندگی کو قرآن کی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا تھا، شعائرِ دین کے خلاف ہر عمل کو بدعت اور کفر تصور کر کے اس کی مذمت کی گئی۔

(۱) اُس سے پہلے مغل بادشاہ مسلمانوں کے کلمہ شہادت کو اپنے سکوں پر کندہ کراتے تھے، اورنگ زیب نے اس کی اس لئے ممانعت کر دی کہ کہیں غیر مسلموں کے پیروں کے نیچے پڑ کر یا کسی اور طریقے سے اس کی بے حرمتی نہ ہوتے پائے۔

(۲) ایران کے قدیم بادشاہ اوران کی پیروی میں اُس ملک کے مسلمان حکمراں و نیز ہندوستان کے مغل بادشاہ برج محل میں سورج کے داخلہ کے وقت یعنی پہلی فروردین کو جشن مناتے تھے، کیونکہ زرتشتی سال کا یہ پہلا دن تھا، اور روایت یہ تھی کہ نوشیرواں اسی دن تخت نشین ہوا تھا، دربار شاہی اور پوری مملکت میں کھیل تماشے ہوا کرتے، لیکن عوام اسے مذہبی اہمیت دینے اور عیدین کی طرح مقدس تصور کرنے لگے تھے، اسلام کی نظر میں یہ ایک بدعت تھی، اس لئے اورنگ زیب نے اس کی ممانعت کر کے اس جشن کو رمضان میں اپنے تخت نشینی کے دن منتقل کر دیا۔

(۳) عوام کی زندگی کو شعائرِ اسلام کے نزدیک لانے کے لئے محتسب مقرر کئے گئے عاقل خاں لکھتا ہے کہ بدعتی، لاندہب اور کفار جو اسلام کی صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے تھے

اور وہ بے دین و منافقین جو سارے ہندوستان میں پھیل گئے تھے، انھیں سزا دی گئی انھیں اعمالِ فاسقہ چھوڑ کر علما کی پیروی کرنے اور نماز و روزہ پابندی سے ادا کرنے پر مجبور کیا گیا..... اپنی حکومت کے آخری زمانے میں اورنگ زیب ان حکام کو امر و نواہی کے متعلق قوانین پر عمل کرانے کی ضرورت پر براہِ زور دیتا رہتا تھا۔

(۴) ایک شاہی حکمنامہ مورخہ ۱۳ مئی ۱۶۵۹ء تمام صوبجات کو بھیجا گیا جس میں مملکت کے ہر حصہ میں بھنگ کی کاشت پر پابندی عائد کرنے ہوئے حکام سے کہا گیا کہ وہ کاشتکاروں کو اس حکم کی تعمیل پر آمادہ کریں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیں۔

(۵) سبھی قدیم مساجد و خانقاہوں کی مرمت کر کے انھیں مثلِ نئی عمارت کے تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ پچھلے بادشاہوں کی لاپرواہی اور زمانے کے ہاتھوں شکستہ ہو چکی تھیں، ان میں امام، مؤذن، خطیب اور خدام سرکاری خرچ پر مقرر کئے گئے، دہلی اور اس کے اطراف میں دینی علوم کے طلباء کو ان کی صلاحیت کے بموجب وظائف مقرر کئے گئے۔

(۶) سال جلوس کے گیارہویں سال دربار کے گویوں کو بادشاہ کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی، اسی طرح کشمیری بھانڈوں کے متعلق اورنگ زیب نے اپنے آخری ایام میں کشمیر کے گورنر کو نقالی کا پیشہ بند کرانے اور ان کے آلاتِ طرب ضبط کرنے کا حکم دیتے ہوئے لکھا کہ ”خدا کے حکم سے ہم پر یہ فرض ہے کہ حلال کا حکم دیں اور حرام پر پابندی لگائیں“

(۷) بادشاہ کو اس کی دونوں سالگرہوں (شمسی و قمری تاریخ پیدائش) کے

مواقع پر سونے اور چاندی میں تولنے کی رسم اسی سال بند کر دی گئی تھی، بعد میں شاہزادوں اور بیماری کے صحتیاب ہونے پر اس کی اجازت اس لئے دے دی گئی کہ غریبوں کو مساکین جھینس یہ مال تقسیم کیا جاتا تھا، ان کی دعاؤں سے نفع ہوگا۔

(۸) اکتوبر ۱۶۷۸ء میں پوری مملکت کے اندر منجھوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ وہ پیدائش کے مواقع پر کسی کا زائچہ نہیں بنائیں گے۔

(۹) بادشاہوں کا دستور تھا کہ راجہ کا خطاب عطا کرتے وقت ہاتھ پر اپنے ہاتھ سے ٹیکہ لگاتے تھے، اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے شروع میں یہ رسم وزیر اعظم کو انجام دینے کا حکم دیا مگر ۱۶۷۹ء میں اسے بالکل بند کر کے راجہ کا خطاب پانے والوں کو صرف تسلیم بجالانے کا حکم دیا۔

(۱۰) اورنگ زیب کے پیشرو تمام حکمران اور سال جلوس کے گیارہویں سال تک اورنگ زیب بھی صبح کے وقت محل کے چھرو کے میں آکر رعیت کو درشن دیتے تھے، ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق دن کا کام شروع کرنے سے پہلے دیوتا کے درشن کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا چنانچہ ہندوؤں کا ایک طبقہ جھینس درشنیہ کہتے تھے، بادشاہ کو اوتار تصور کرتا تھا، اور اس وقت تک کچھ نہیں کھاتا پیتا تھا جب تک کہ بادشاہ کے درشن نہ ہو جائیں، اورنگ زیب نے اس عمل کو غیر اسلامی قرار دے کر اسے بند کر دیا۔

(۱۱) اورنگ زیب نے قبروں کے اوپر بنی ہوئی عمارتوں کی چھت بنانے، قبروں پر سفیدی کرنے اور قبرستان میں عورتوں کے جانے کی ممانعت کر دی تھی۔

لے جادو ماتھ سرکار بہٹری آن اورنگ زیب - SARKAR JADU NATH, HISTORY OF

AURANGZIB, VOL. III (CALCUTTA, 1928), pp. 81-90. جلد سوم کلکتہ ۱۹۲۸ء ص ۸۱-۹۰

ہم اس کی ذاتی زندگی کو اس وقت چھوڑتے ہوئے جس کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک تشریح، پابند مذہب بلکہ متقی مسلمان کی زندگی تھی، اور جس کے لئے بطور مثال کے چند نمونے کافی ہیں:-

”رمضان کا مہینہ تھا، تو میں چلتی تھیں، دن بڑے ہوتے تھے، پادشاہ دن کو روزہ رکھتا وظائف پڑھتا، تلاوت و کتابت اور حفظ کلام مجید کرتا، اور اپنی عدالت و سلطنت کے کاموں کو انجام دیتا، شام کو افطار کر کے ”مسجد سلخانیہ“ (مونی مسجد) میں نماز تراویح اور نفل پڑھتا، آدھی رات کو کچھ قلیل غذا کھاتا، رات کو بہت کم سوتا، اکثر عبادت کرتا، بعض متبرک راتوں کو ساری رات عبادت ہی میں گزارتا، اسی طرح سارا مہینہ گزارا۔“

انتقال کا حال بیان کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”سال پنجاہ ویک (جلوس) ۱۱۱۸ھ تپ بڑی شدت سے چڑھی چار روز تک باوجود اشتداد مرض بسبب کمال تقویٰ کے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ایک وصیت نامہ تھا کہ جس میں اس نے اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق لکھا تھا کہ ساڑھے چار روپیہ جو میرے ہاتھ کی محنت کی ٹوپوں کی سلائی سے بچے ہیں، اس میں تجہیز و تکفین ہو، اور آٹھ سو پانچ روپے جو قرآن نویسی کی اجرت سے حاصل ہوئے ہیں، مساکین میں تقسیم ہوں، روز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ جلوس مطابق ۱۱۱۸ھ کو پادشاہ نے صبح کی نماز پڑھ کے کلمہ توحید کا ذکر شروع کیا،

لے ”تاریخ ہندوستان“ جلد ششم، از شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم ص ۲۱۴

(ماخوذ از آثار عالمگیری وغیرہ)

ایک پہر دن چڑھے اس دار فنا سے روضہ جنال کو تشریف فرما ہوا! ہم یہاں پر عالمگیر کے صرف ان احکام و فرامین کا ذکر کریں گے جن کا تعلق شعائر اسلام کے احترام اور احکام شریعت کے نفاذ و اجراء سے ہے۔

۱۰۶۹ء اور جلوس کے سال دوم کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”جلال الدین محمد اکبر شاہ کے عہد سے دفتر و جلوس کے سال و ماہ کی بناغہ فروردی پر رکھی گئی

تھی، اس تاریخ میں آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے، بہار کا موسم ہوتا ہے، اس بادشاہ کے

جلوس کی تاریخ بھی اس تاریخ کے قریب تھی، تو اس نے سارا حساب فروردی سے لے کر اسفندار

کے ہینوں تک مقرر کیا تھا، اور ہینہ کا نام ماہ الہی رکھا تھا، چونکہ یہ طریقہ آتش پرست بادشاہوں

اور مجوسیوں کے مشابہ تھا، اس لئے بادشاہ نے شریعت کا پاس کر کے جلوس و جشن اور دفتر کے

حسابوں کے لئے سال و ماہ قمری عربی کا حساب مقرر کیا، اور حکم دیا کہ سال شمسی پر عربی سال ماہ

مقدم ہوں، اور جشن نوروز بالکل موقوف ہو.....

سب جانتے ہیں کہ ہمیشہ موسموں میں قمری ماہ بدلتے رہتے ہیں، قمری سال و ماہ کے حساب

رکھنے میں بڑی دقیق پیش آتی ہیں، لیکن اس دیندار بادشاہ نے کچھ حساب کی آسانی پر خیال

نہیں کیا، فقط آتش پرستوں اور مجوسیوں کی مشابہت کی وجہ سے نوروز کے جشن کو موقوف

کیا اور جلوس ثانی کی تاریخ غزہ رمضان مقرر کر کے اس نے جلوس کا نیا سال مقرر کیا، اور جشن

نوروز کی جگہ جشن عید الفطر مقرر کیا!

ایک بڑی سرکاری آمدنی کے ذریعہ کی جو نام شروع تھی، موقوفی کا ذکر کرتے ہوئے

مؤرخ لکھتا ہے:-

۱۰۶۵ء ایضاً ۱۰۶۵ء فروردی اسفندار قدیم ایرانی تقویم کے مہینے ہیں۔ ۱۰۶۳ء ایضاً ۱۰۶۳ء

”بادشاہ نے راہداری کی معافی کا حکم کیا، یہ راہداری ہر سرگند و سرحد مختبر سپہی جاتی تھی، اور...

اس آمدنی کا سب روپیہ خزانہ میں داخل ہوتا تھا، پاندری جس کو تہ بازاری کہتے ہیں..... اور

یہ آمدنی لاکھوں روپے سے زیادہ خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی، اور ابواب مشروع و نامشروع

سکرات و خرابات خانہ و جرمانہ و شکرانہ وغیرہ وغیرہ جن کی آمدنی کاروڑوں روپیہ خزانہ سرکار میں

داخل ہوتا تھا، ان سب کو قلم و ہندوستان سے معاف کرایا!

مختب کا عہدہ شرعی حکومتوں کا ایک اہم عہدہ اور خلافت الہامی کا ایک شعار تھا، بہت سے

علماء نے اس عہدہ کی نوعیت، اس کے فرائض پر ”الحسبۃ فی الاسلام“ کے نام سے کتابیں

لکھی ہیں، ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں عرصہ سے یہ عہدہ موقوف اور یہ کام محفل تھا،

بادشاہ نے اس سنت کو بھی زندہ کیا، مؤرخ لکھتا ہے:-

”بادشاہ نے ایک عالم عوض وجبہ کو مختب مقرر کیا، اس کو حکم تھا، کہ وہ خلق کو منہیات و

محرمات سے خصوصاً شرب خمر اور بنگ بوزہ اور تمام سکرات و فواحش سے منع کرے، اور

حتی المقدور بڑے کاموں سے خلق کو روکے!

سال یازدہم لغایت بیست و یکم ۱۰۶۵ء کے واقعات درج کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”روز بروز امور شرعی کے اجراء اولو ام و نو اہی الہی کی پاسداری میں بادشاہ کی تعین و تہمتی جاتی

تھی، مفصل احکام جاری ہوتے تھے کہ راہداری و پاندری وغیرہ موقوف کی جائے جس سے لاکھوں

روپے کی آمدنی ہر سال سرکار کو حاصل ہوتی تھی، وہ سکرات کے رواج و خرابات خانوں کو

موقوف کرتا تھا!

۱۰۶۵ء ایضاً ۱۰۶۵ء صاحب ”زہرۃ الخواطر“ نے فارسی تاریخوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عالمگیر نے ۱۰۶۹ء میں قہم

کے ناجائز حاصل (ٹیکس) موقوف کر دیے جس سے خزانہ شاہی کو تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔

آگے چل کر لکھتا ہے:-

”بادشاہ نے مفرد قاضی کے منہ کا حکم صادر کیا..... جھروکہ درشن کو بھی نامشروع جان کر

جھروکہ میں خود بیٹھنا اور جھروکہ کے نیچے آدمیوں کے جمع ہونے کو موقوف کر دیا۔“

اہل ہند کے قدیم دستور و اعتقاد کے مطابق مسلمان بادشاہ بھی علم نجوم اور منجموں پر بہت زیادہ اعتبار کرتے تھے، اور انھیں کے حسابات اور فیصلوں کے مطابق کاموں کے لئے دن مقرر کرتے تھے، عالمگیر نے اس کو بھی موقوف کیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدالتی فیصلوں کا تمام تر انحصار امراء و حکام کی عدالتوں اور ان کے فیصلوں پر تھا، عالمگیر نے شرعی قاضی مقرر کئے، اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

”شاعر و منجم جو بہت زیادہ اعتبار رکھتے تھے، خصوصاً شاہجہاں کے عہد میں موقوف ہوئے،

امور ملکی و مقدمات جزئی و کلی میں قضاہ مقرر ہوئے اور وہ ایسے مستقل ہوئے کہ امیران عہدہ

صاحب مدار سلطنت کو ان پر رشک و حسد ہوا۔“

پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے کے لئے اور قضاہ کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا نیا بیڑہ اٹھایا، اور مستند علماء کی ایک جماعت کو اس کے لئے مامور کیا کہ وہ آسان عبارت میں مسائل جزئیہ کو ایک جگہ جمع کر دیں، اور ظاہر الروایہ پر اکتفا کریں، اور سوائے خاص حالات کے ”نوادر“ کی طرف توجہ نہ دیں، اور جو عبارت جہاں سے لی جائے اس کا حوالہ دیں، اس کے لئے اوائل سلطنت ہی میں مولانا نظام الدین برہانپوری کو ذمہ دار بنایا، انھوں نے ان علماء کبار سے مدد لی جو فقہ حنفی میں

۱۷۲۵-۱۷۲۶ باختصار ۱۷۲۷ نیز ملاحظہ ہو ظہیر الدین فاروقی صفا کی کتاب ”اورنگ زیب“ کا باب ۵۶۲-۵۵۹ A REFORMER

انتیاز رکھتے تھے، یہ کام ۶ جلدوں میں مکمل ہوا اور اس پر شاہی خزانے کے دو لاکھ روپے (جو اس زمانے کے لحاظ سے خطیر رقم ہے) صرف ہوئے، یہ ہندوستان میں ”فتاویٰ عالمگیری“ کے نام سے اور مصر و شام و ترکی میں ”الفتاویٰ الہندیہ“ کے نام سے مشہور ہے اور اس کو بعض خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس سے زیادہ جرأت مندانہ اقدام یہ تھا کہ بادشاہ نے اپنے خلاف بھی رعیت کو استغاثہ کرنے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کی اجازت دی اور اس کام کے لئے وکیل شرعی مقرر کئے، مؤرخ ہندوستان لکھتا ہے:-

”۱۰۸۲ھ میں بادشاہ نے حکم فرمایا کہ حضور میں اور شہروں میں منادی کریں کہ جس کسی کا

دعویٰ شرعی بادشاہ پر ہو وہ حاضر ہو کر وکیل بادشاہ سے رجوع کرے، اور اثبات کے بعد

اپنا حق لے لے، اور حکم دیا کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل شرعی حضور میں اور بلاد نزدیک و دور

میں مقرر ہو، تاکہ جو حضور میں آنے کی دسترس نہیں رکھتے وہ ان کے ذریعہ سے اپنی حق رسی کا

دعویٰ کریں۔“

مغل دربار میں اور شاہان مغلیہ کے لئے عام طور پر کورٹس و آداب کے طریقے رائج تھے، جن میں مباغہ آمیز تعظیم اور خلوص شریعت اعمال شامل تھے، سلام مسنون کا تو درباروں کا کیا ذکر امراء و رؤساء بلکہ بہت سے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بھی رواج نہیں رہا تھا، بادشاہ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی، اور سلام مسنون پر اکتفا کرنے کی تاکید کی، مؤرخ لکھتا ہے:-

”مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف ”نہجۃ السخا طر“ نے اپنی ”گراں قدر کتاب“ الثقافة الاسلامیہ فی الہند میں بڑی تحقیق و تلاش سے

ان لوگوں کے نام جمع کئے ہیں جو علماء کے اس بورڈ میں شامل تھے، انھوں نے بیش ایسے نام لکھے ہیں جو پورے ہندوستان کے علمی حلقے

کی نمائندگی کرتے تھے، ملاحظہ ہو الثقافة الاسلامیہ فی الہند مطبوعہ دشن اکیڈمی ص ۱۱۱-۱۱۲ ایضاً ص ۲۰

انہیں دنوں میں حکم ہوا کہ جب مسلمان بادشاہ سے ملاقات کریں تو سلام شرعی سلام علیک پر اکتفا کریں کفار کی طرح سر پر ہاتھ نہ رکھیں، حکام بھی خاص و عام کے ساتھ یہی طریقہ برتیں!

انہیں جذبات و اقدامات کی بنا پر ہندوستان کے دینی حلقوں نے بادشاہ عالمگیر کو "محمی الدین" کا لقب دیا، علامہ اقبال کے نزدیک بھی (جن کی ہندوستان کے رجحانات اور فلسفوں اور ویدانت اور شریعت کی صف آرائی، اور ہندوستان کے مستقبل کی صورت گیری میں قسمت آزمائی پر گہری نظر تھی) عالمگیر کا شمار ان چند شخصیتوں میں تھا جن کے سراسر ملک میں اسلام کی حفاظت کا سہرا ہے، راقم سطور نے اپنی ایک طویل ملاقات کی (جو ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو لاہور میں ان کے دولت خانہ پر مولیٰ تھی) روداد قلمبند کرتے ہوئے اپنے مضمون "عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے" میں لکھا تھا:-

"ہندوستان میں اسلام کے تجدید و احیاء کی بات نکلی تو علامہ نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اور سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی، اور فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جدوجہد نہ ہوتی تو ہندو تہذیب و فلسفہ اسلام کو اپنے اندر تحلیل کر لیتے"

انہوں نے اسی یقین و تحقیق کی بنا پر عالمگیر کی شان میں حسبِ ذیل پرچوش اور فکر انگیز شعر کہے:-

شاہ عالمگیر گردوں آستان	اعتبار دو دمان گورگاں
پایۂ اسلامیات بر ترازو	احترام شرع پیغمبر ازو
در میان کارزار کفر و دین	ترکش مارا خدنگ آخریں
تخم اتحادے کہ اکبر پرورید	باز اندر فطرت دارا دید

۱۔ عالمگیر کے کھلے ہوئے دینی رجحان اور مملکت میں دور رس تبدیلیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جاوید ناظم سرکار کی کتاب HISTORY OF AURANGZIB VOL III - نیز اسٹینلی لین پول کی کتاب AURANGZIB (OXFORD) P. 64-66 pp. 91-90

شمع دل در سینہ ہا روشن نبود
ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را
آن فقیر صاحب شمشیر را
از پئے اجیائے دیں مامور کرد
بہر تجدید یقین مامور کرد
برق تیغش خرمن اتحاد سوخت
شمع دیں در محفل ما بر فروخت
کور ذوقاں داستا نہا ساختند
وسعت ادراک اونشناختند
شعلہ توجید را پروانہ بود
چوں براہیم اندرین بتخانہ بود
در صف شاہنشہاں یکتا ستے
فقاو از تریش پیدا ستے

بالآخر حضرت مجدد کے دو خلیفہ اجل اور جانشین برحق، حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری اور ان کے مخلص و با عظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں اس ملک میں بار آور ہوئیں اور رفتہ رفتہ بارہویں صدی ہجری میں یہ ملک پوری دنیا کے اسلام (جس پر فکری و علمی اضمحلال کے بادل چھائے ہوئے تھے) کا روحانی و علمی مرکز بن گیا، اور دنیا کے اسلام کے دور دراز گوشوں سے لوگ یہاں اپنی روحانی و علمی پیاس بجھانے، تزکیہ و احسان کی منزلیں طے کرنے اور حدیث کا درس لینے کے لئے آنے لگے، یہاں جا بجا مجددی خانقاہیں اور کتاب و سنت کی تعلیم اور درس حدیث کے مرکز قائم ہو گئے، اور ایک عالم نے ان سے فیض اٹھایا۔

۱۔ روز بخودی کلیات فارسی ص ۹۵

حضرت مجددی مخالفت و تفسیل کی تحریک

اور اس کے نمایاں افراد

یہ باب نامکمل رہے گا اور ناظرین کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آئے گا (جو اگرچہ بہت درخشاں اور روشن ہے اور مجدد صاحب کی سیرت و تاریخ میں یہی پہلو غالب اور نمایاں ہو کر رہا) اگر ہم اس مخالفانہ تحریک اور مہم کا ذکر نہ کریں، جو مجدد صاحب کی زندگی کے آخری دور ہی میں شروع ہو گئی تھی، اور جو ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہو کر مین ٹھہرنے تک پہنچی، اور جس کی بنیاد مجدد صاحب کی بعض تحریرات، اور مکتوبات کی بعض عبارتوں اور مضامین پر تھی۔

الہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کو ان کی زندگی میں جو قبول عام اور مرجحیت تمام عطا فرمائی، اور ان کا اہل ذکر و علم سے لے کر اہل حکومت تک پر جو اثر قائم ہوا، اور چند سال کے عرصہ میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو ہندوستان اور بیرون ہند میں جو فروغ نصیب ہوا، نیز انھوں نے جن نئے علوم و تحقیقات کا اپنے مکتوبات اور مجالس کے ذریعہ افاضہ فرمایا، جن میں سے بہت سے عوام (تو عوام) خواص کے لئے بھی نامانوس اور ایک حد تک (اگر موجب وحشت نہیں تو) موجب حیرت ضرور تھے، اور ان میں بہت سے ان حلقوں کے مسلمات کے خلاف

تھے، جو نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے، اور یہ معاملہ اکثر ان نادارہ روزگار شخصیتوں کے ساتھ پیش آیا ہے، جو کسی علم و فن کی مجتہد اور کسی سلسلہ و طریق کی بانی، اور اپنے زمانہ کی عام علمی ذہنی و باطنی سطح سے بلند ہوتی ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ علوم و کمالات و ہبی سے نوازتا ہے، اور وہ عام اصطلاحات اور قدیم تعبیرات کے دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، پھر اپنے بدعت حسنہ کے خلاف جو قلمی جہاد شروع فرمایا، مشائخ کے لئے سجدہ تعظیمی، وجد و سماع، لفظی طور پر نماز کی نیت کرنے، جماعت کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے اور محفل میلاد کی مخالفت کی یا مکاشفائے حجت نہ ہونے اور مشائخ طرق و اولیاء کے بار کے بجائے ائمہ مجتہدین کے قول کے حجت ہونے کو ثابت کیا، اور کشف کی صحت و قطعیت میں کلام کیا، اور اپنے عہد و دیار کے بہت سے سلسلوں اور خانقاہوں کے مروجہ اور متعارف معمولات کے مخالف سنت ہونے کو ظاہر کیا، پھر اس سب سے بڑھ کر وحدۃ الوجود سے (جس کو ایک بدیہی حقیقت اور محققین صوفیہ کا ایک اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا تھا) اور شیخ اکبر کے علوم و تحقیقات سے جن کو علم و معرفت کا "سدرۃ المنتہی" قرار دیا گیا تھا، قدم آگے بڑھایا، اور اس کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا، اس کے بعد آپ کے بارے میں زبانوں اور قلموں کا یکسر خاموش رہنا، اور کسی مخالفانہ اور تردیدی بلکہ تفسیلی تحریک و مہم کا آپ کے آخر زمانہ میں یا آپ کے ارتحال کے فوراً بعد پیدا نہ ہونا، نہ صرف تاریخ اصلاح و تجدید بلکہ تاریخ علم و تدوین کا بھی ایک نادر واقعہ ہوتا۔

ان اختلافات یا مخالفتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ مخالفت جو مخالفین کی کسی غلط بیانی کی بنیاد پر یا کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اور اس غلط بیانی اور سازش کا پردہ چاک ہونے، یا اس غلط فہمی کے دور ہو جانے کے بعد رفع ہو گئی، دوسری وہ مخالفت جو اختلاف عقیدہ و مسلک، یا کسی عصبیت یا ذاتی عناد پر مبنی تھی۔

پہلی قسم میں ہم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے اختلاف کو لینے ہیں جن کا علمی و دینی پایہ خلوص و لہیت اور دینی حمیت مسلم ہے اور جو حضرت مجدد کے پیر بھائی بھی تھے اور اپنے پیر کے خلیفہ و مجاز بھی انہوں نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا ان کے بعض اقوال و تحقیقات پر سخت حیرت اور وحشت کا اظہار کیا اور ایک مکتوب میں جو حضرت مجدد کے نام ہے اس کا برملا اظہار بھی کر دیا حضرت شیخ عبدالحق کے اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں ان کے بارے میں مجددی سلسلہ کے بہت سے اہل علم و اہل نظر کی تحقیق ہے کہ وہ محرف اور غلط ہیں یہ ایک نجی مکتوب تھا حضرت شیخ نے اس کو اپنی کتاب "المکاتیب والرسائل" میں درج نہیں کیا حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ارشاد کے مطابق شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی۔

اس مکتوب کی تحریر میں اصلاً جو جذبہ کام کر رہا ہے (اور وہ فی ذاتہ محمود ہے) وہ شیخ کا یہ خیال ہے کہ مجدد صاحب کے بعض اقوال و تحقیقات سے بعض ایسے بزرگوں کی تنقیص اور خطیبہ کا پہلو نکلتا ہے جن کی جلالت قدر پر امت کا انفاق ہے، لیکن اس کا مکتوبات کے ذرا حصہ و تالیف اور حضرت مجدد صاحب کے مقاصد کے مزہ آشنا بارہا جواب دے چکے ہیں اور خود مکتوبات کا مطالعہ اور حضرت مجدد کی زندگی اس کی تردید کرتی ہے اس مکتوب کا

ادبی مکتوب پروفیسر احمد نظامی کی کتاب "حیات شیخ عبدالحق" کے آخر میں مکمل طریقہ پر درج ہے ملاحظہ ہو ۱۰۵۲-۱۰۵۳ھ اس مکتوب کے جواب میں کثرت رسالے لکھے گئے جن میں شیخ بدرالدین سرسندی، شیخ محمد یحییٰ اور زین العابدین حضرت مجدد شیخ محمد فرخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا نام لیا جاسکتا ہے مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے "ہدیہ مجددیہ" کے نام سے ایک مستقل کتاب اسی کے رد میں لکھی ہے جو ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک بڑا محرک حضرت شیخ کی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ وہ بگڑا عقیدت بھی ہے جو عشق و فنائیت کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ ہر طرح سے نہ صرف قابل تحسین بلکہ قابل رشک ہے اور اس میں امت کا ایک بڑا طبقہ ہر عہد و ملک میں ان کا شریک ہے حضرت شیخ کا خیال ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے کلام سے ان پر — اپنی ترجیح ثابت ہوتی ہے اس کا بھی ان تردیدی رسائل میں تشفی بخش جواب دیا جا چکا ہے یہاں اس مکتوب کے مختلف اجزا اور مشتملات کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود نہیں، اس کے لئے ان رسائل کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت ہے، جن کا اوپر تذکرہ ہوا، اس مکتوب میں حضرت مجدد کی طرف بعض ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جو بدانتہا بے اصل ہیں اور معاندین کی افزا پردازی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ نے ان کو کیسے باور کیا اور مکتوب میں درج فرمایا، حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے قلم سے جو محبم وقار و سکینت تھے، اسی بنا پر اس طرح کی عباراتوں کو نقل کرنے کے بعد بے اختیار نکل گیا ہے۔

"العیاذ باللہ! اس چہ خلافت نویسی است و اس چہ بے تحقیق گوئی است در بیچ مکتوب ایشان ابن حنین عبارت نیست یا شیخ عفا اللہ عنک" (پناہ بخدا! یہ کیا ہے اصل و بے تحقیق کلام ہے) حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں اس طرح کی عبارت نہیں، حضرت شیخ! اللہ آپ کو معاف کرے!

لیکن چونکہ حضرت شیخ مخلص تھے اور ان کے قلم سے ان اقوال و بیانات پر جو حضرت مجدد کی طرف منسوب کئے گئے تھے، جس تخیر و تاثر کا اظہار ہوا، اس کی محرک ان کی 'دینی حمیت اور علمی مقام تھا، اس لئے جب ان کو اس غلط بیانی کا علم ہوا، حضرت مجدد کے بارے میں غلط فہمی رفع ہوئی، اور آپ کا علو مقام ان پر منکشف ہوا تو انہوں نے اس کی

تلافی کرنے میں قطعاً تقصیر و تاخیر سے کام نہیں لیا، اور بڑے بلند الفاظ میں حضرت مجدد کے ساتھ خلوص و محبت کا اظہار کیا، جو ان کے جیسے عالم ربانی ہی کے شایان شان ہے، انھوں نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد دہلوی کو حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

سلمکم اللہ وابقا کم علی رؤس المحبین
الطالبین المخلصین دریں دوسرے وزہ
کہ از احوال شریف خبر نہ گرفت یا
بہ ہمت تقصیر سے کہ در جبلت بشر است
یا بہ قصد آن کہ مطلقاً از آلائش نضعف
و فترت پاک شدہ باشند تا خبر مرست
اثر صحت کلی و عافیت تام مشرف
و سرور گردد و امید کہ بہ اعسلام
آن مشرف گردانند۔

دیدہ محبت در راہ انتظار وصول
اخبار مرست آثار بندگی حضرت بیجا
شیخ احمد دوچار است، امید از است کہ
دعائے مہمان بہ اجابت رسید اثر عظیم
آرد، نسبت این فقیر در این ایام و
صفائے باطن بہ خدمت ایشان از
حد تجا و ذراست و اصل پروردہ بشریت
بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اجنا
مرست آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے،
امید ہے چاہنے والوں کی دعا قبول ہو
بڑا اثر پیدا کرے گی، آج کل ان سے
فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے،
بشریت کا کوئی پردہ یا افتاد طبع کا
کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا میں خود

و غشاوہ جبلت در میان نہ ماندہ نہ می
داند کہ از کجا است با قطع نظر از رعایت
طریقہ انصاف و حکم عقل کہ بہ این چنین
عزیزان و بزرگان بدنہ باید بود و در
باطن بہ طریق ذوق و وجدان و غلبہ
چیزے افتادہ است کہ زبان
از تقریر آں لال است سبحان اللہ
مقلب القلوب، و مبدل الاحوال شاید
کہ ظاہر بنیاں در این جا استبعاد کنند
من نمی دانم کہ حال چیست و بہ چه
منوال است، زیادہ چہ گوید و چہ
نویسد، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

نہیں جانتا کہ کیس بنا پر ہے۔
اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقہ
انصاف کی رعایت اور حکم عقل کا
تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور
بزرگوں کے ساتھ بزرگمان نہ ہونا چاہئے،
میرے دل میں ذوق و وجدان اور
غلبہ کی بناء پر کچھ ایسی کیفیت پیدا
ہو گئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان
قاصر ہے، پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے
اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر میں شاید
اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں
جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے،
زیادہ کیا کہوں، اور کیا لکھوں،
حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے۔

دوسری قسم میں سے ہم سب سے پہلے بارہویں صدی کے ایک حجازی عالم شیخ حسن عجمی ملکی
(جو مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، اور اس عہد کے مشہور حنفی عالم تھے، اور حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے اُستاد تھے) کی کتاب
لے بشارات مظہریہ از شاہ نعیم اللہ بہراچی، مخطوط کتب خانہ ندوۃ العلماء، لاہور۔
انفاس العارفين، میں ان کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ وہ حدیث میں شیخ کا درجہ رکھتے تھے، مختلف علوم اور دقائق میں دخل
(باقی ص ۳۳۱ پر)

”الصائم الہندی فی جواب سؤا ل عن کلمات السرهندی“ پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اس کتاب کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان سے حریم شریفین میں ۱۰۹۳ھ میں شیخ احمد سرہندی اور ان کے ان بعض نامناسب کلمات کے بارے میں جو ان کے مکتوبات سے نقل کئے گئے ہیں، ایک سوال آیا، اور علماء حریم شریفین سے استفتاء کیا گیا کہ جو ایسے کلمات کو اپنی زبان سے نکالے، یا ان پر اس کا اعتقاد ہو، یا وہ ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے، اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ اس کے بعد جامع کتاب نے لکھا ہے کہ میرے قابل احترام استاد و شیخ مولانا شیخ ملابراہیم بن حسن کورانی نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کا جواب دوں، اور علماء حریم کی اس بارے میں رائے اور فتوے نقل کروں، مؤلف کتاب نے اس مجموعہ میں دو عالموں ایک مذکور الصدر ملابراہیم کورانی مدنی، دوسرے علامہ جمال الدین محمد بن عبد الرسول البرزنجی کے

(باقی صفحہ ۳۵۷ کا) رکھے فصیح اللسان اور قوی الحافظ تھے، ان کی زیادہ تر صحبت و استفادہ شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے، شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلماء بابل، اور شیخ زین العابدین ابن عبد القادر طبری مفتی شافعیہ کی بھی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، شاہ نعمت اللہ قادری جیسے اہل طرق سے بھی ملاقات کی تھی، اور دعوت اسماء کا بھی شغل رہا تھا، ان کے درس حدیث میں شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد شیخ ابوطاہر کردی مدنی عام طور سے قاری ہوتے تھے، آخر عمر میں مکہ کی سکونت موقوف کر کے طائف میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، وہیں ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی، اور سیدنا عبد اللہ بن عباس کے قریب جگہ پائی (انفاس العارفين ص ۱۸۶-۱۸۷) خیر الدین الزرکلی نے ”الاعلام“ میں ان کو انجیبی لکھا ہے، والد کا نام علی بن یحییٰ تھا، ابوالبقاء کنیت تھی، یانی الاصل میں ۱۰۲۹ھ میں ولادت ہوئی۔ (جلد ۲، ص ۲۲۳)

اسے عربی مخطوطہ خدابخش خاں لاہوری بانی پور پرنٹ نمبر ۲۵۳-۲۵۴ میں ۱۰۹۲ھ میں مکمل ہوئی خدابخش خاں لاہوری کا مخطوطہ نسخہ مصنف کے نسخہ سے شیخ سلیمان جیتوانے نقل کیا اس لیے وہ ہر طرح قابل اعتبار ہے

یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات میں بھی موجود ہے (شامل کتاب قدح الزند نمبر ۲۲۲ فن کلام ورق ۸) ایک (باقی صفحہ ۳۵۷ پر)

تساوی نقل کئے ہیں۔

سب سے پہلے اس استفتاء کے دو مجیب ملابراہیم کورانی مدنی، اور حاکم، الدین محمد ابن عبد الرسول برزنجی کی شخصیت سے واقفیت کی ضرورت ہے، اول الذکر کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انفاس العارفين“ (صفحہ ۱۸۲-۱۸۶) پر کیا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اصل استاد حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے والد اور شیخ ہیں، اس زمانہ کے ایک شیخ اور بزرگ شیخ یحییٰ شاوی کے بارے میں ان کی اس رائے سے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے ذکر کی ہے، اور جس میں شیخ نے ان پر تحسین کا فتویٰ صادر کیا، اور جس کی وجہ سے وزیر سلطنت ترکی نے جو ان کا معتقد تھا، ان کو اہانت کے ساتھ مجلس سے نکال دیا، اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشونت اور رائے قائم کرنے میں عجلت تھی، سید محمد برزنجی جو اس مجموعہ کے دوسرے مفتی ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ ”فی الجملہ یئس مزاج داشت“ (ص ۱۸۷)، (مزاج میں کسی قدر خشکی تھی)۔

(باقی صفحہ ۳۵۸ کا) اس کا نام صرف ”العصب الہندی“ سرورق پر درج ہے مصنف کے قلم سے کتاب کے نام کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات میں اس موضوع (حضرت مجتہد کے اقوال و تحقیقات کی تردید) پر ڈوا اور کتابیں پائی جاتی ہیں:-

۱- قدح الزند و قدح الزند فی رد ضلالت اہل سرہند للید محمد البرزنجی (نمبر کتاب ۲۲۲ فن کلام ورق ۳۲)

۲- الناشرۃ الناجیۃ للفرقة الناصرة للكلمات الفاجرة للید محمد البرزنجی (نمبر کتاب ۲۲۲ فن کلام ورق ۲۶ کتابت ۱۰۹۵ھ)

۳- سید محمد برزنجی ان کا پورا نام محمد بن عبد الرسول ابن عبد اللہ یحییٰ البرزنجی ہے، ۱۰۲۹ھ میں ولادت اور ۱۱۰۳ھ میں

وفات پائی، شہر زور میں ولادت ہوئی، آخر میں مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، ان کی ایک کتاب

”حل مشکلات ابن العزلی“ بھی ہے، یہ وہ برزنجی نہیں ہیں جن کا مولود دیا عرب میں مشہور ہے،

(الأعلام للزرکلی جلد ۵، ص ۵۵) مجدد صاحب کی تردید میں ان کی مستقل کتاب قدح الزند بھی ہے

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”المختصر من کتاب نثر التور والزمہ“ جزء اول تالیف شیخ عبد اللہ مراد البانجیر

اس سب کے بعد فتاویٰ اور علماء کے آراء، اور حکم شرعی کے بیان و اعلان کی تاریخ میں اس تاریخی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ علماء اور اہل افتاء کے سامنے واقعہ کی جیسی صورت بیان کی جاتی ہے اور جس طرح کے منقولات و اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، انہیں کو سامنے رکھ کر اور انہیں کے پیش نظر فتویٰ صادر کیا جاتا اور حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے، مثل مشہور ہے "تنہا پیش قاضی روی راضی بیائی" (اکیلے قاضی صاحب کے پاس چلے جاؤ، اور اپنے مطلب کا فتویٰ لکھو اگر آجاؤ) یہ علماء و اہل افتاء نہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں، اور نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال و بیانات کے سیاق و سباق کو دیکھیں، اور اس کی تصدیق کریں کہ یہ قول صحیح ہیں اور ان کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے "لا تقر بوا الصلوٰۃ" کے مشہور عوام لطیفہ کے مطابق اپنی تائید میں نہیں پیش کیا گیا ہے، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ جواب تحریر کرنے والے حضرات نے مکتوبات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا ہوگا، اور نہ ان کو درس و افتاء سے اتنی فرصت ملی ہوگی کہ وہ مزید اس کی تحقیق کرتے، نیز اس وقت حرمین شریفین میں اس سلسلہ کے ایسے اہل علم حضرات بھی موجود نہیں رہے ہوں گے، جو حقیقت حال سے آگاہ کر سکتے۔ جہاں تک مستفتی کے فہم و امانت اور احساس ذمہ داری کا تعلق ہے، اس کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے کہ حضرت مجدد نے حقیقت کعبہ کے بارے میں جو دقیق عارفانہ کلام کیا ہے، اس کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ معرفت عمارت کعبہ نہیں ہے، اور یہ بات کفر کو مستلزم ہے مصنف لکھتے ہیں:-

ومها انكاره مما لا تراء الكعبة
هي النبوة المعروفة وذلك كفر
اور انہیں کفریات میں سے ان کا اس بات سے انکار کرنا ہے کہ کعبہ یہی موجودہ معروف عمارت ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں اس مکتوب کو پڑھئے، جو شیخ تاج الدین سنہلی کے نام ہے جو تازہ تازہ حج بیت الشرسے واپس آئے تھے، مجدد صاحب بیت الشرسریت کے حالات سننے کے اشتیاق و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"فقیر کے نزدیک جس طرح صورت کعبہ ربانی خلائق کے صورت و اجسام کے لئے (کیا بشر اور کیا ملک) مسجد ایہا ہے، اس کی حقیقت ان صورت و اجسام کے خلائق کا بھی مسجد ایہا ہے، اس طرح یہ حقیقت تمام خلائق کے اوپر اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں، ان تمام کمالات پر جو دوسرے خلائق سے متعلق ہیں، فوقیت رکھتی ہے، گویا یہ حقیقت خلائق کوئی، اور خلائق الہی کے درمیان برنخ ہے۔"

اس ایک مثال سے ان دانستہ یا نادانستہ فتویٰ تکفیر کی حقیقت و ماہیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو ان نقول و اقتباسات پر جاری کیا گیا ہے، اس کے باوجود بھی مصنف نے آخر میں یہ احتیاط کی ہے کہ لکھا ہے:-

"یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوال کے قائل اور ان تحریرات کے لکھنے والے پر فضل فرمایا ہو، اور ان کا خاتمہ باخیر ہوا ہو، جیسا کہ اس کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رہا ہے، اور اس کی شان کریمی کا بار بار اظہار ہوا ہے، اور اس کا ایک یہ بھی قرینہ ہے کہ ان کی صلی اولاد میں سے بعض حضرات جب حرمین شریفین حاضر ہوئے، تو انہوں نے حدیث کی سند لینے کا شوق ظاہر کیا، اور انہوں نے بتایا کہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت محمدی، اور نقش قدم نبوی پر چلنے پر ہے، انہوں نے مشائخ حدیث مثلاً امام زین العابدین طبری سے حدیث کی سند لی، اور ہمارے شیخ عیسیٰ محمد بن المغربی جعفری کو ایسا مطمئن و مانوس کیا کہ انہوں نے

۱۔ مکتوب نمبر ۲۶۳ دفتر اول۔

شیخ محمد معصوم سے طریقہ نقشبندیہ کی تحصیل کی تاکہ ان کو اس کے عالی مرتبہ مشائخ کی برکت حاصل ہو۔^۱

مصنف کے اس بیان سے جو انھوں نے ازراہ دیانت درج کیا ہے صاف طریقہ پر اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ محض ان نقول کے اعتماد پر لکھے گئے تھے جو پیش کی گئیں اور مفتی صاحبان خود ان کے بارے میں متردد تھے، مجددی خاندان کے عالی مرتبہ افراد کے حرمین شریفین میں حاضر ہونے اور خاص طور پر حضرت خواجہ محمد معصوم کی سیرت اخلاق اور احوال رفیعہ دیکھنے کے بعد نہ صرف یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہوگی، بلکہ خود مصنف کے ایک جلیل القدر شیخ عیسیٰ مغربی نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی اور طریقہ مجددیہ نقشبندیہ کی نسبت پیدا کی، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفين" میں ان کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

باجملہ کے از علماء متسنین بود و سے اتاد جمہور اہل حرمین است و یکے از اوعیہ حدیث و قرأت سید عمر با حسن بہ حق و سے، لفظ "..... أراد ان ینظر الی شخص لا یشک فی ولایتہ قلینظر الی ہذا"

ترکستان کے ایک مجددی فاضل محمد بیگ الازہبی ان فتاویٰ کے بعد حجاز آئے، انھوں نے اپنی کتاب "عطیۃ الوہاب" الفاصلۃ بین الخطأ والصواب" لکھ کر یہ ثابت کیا کہ یہ فتاویٰ مکتوبات کی عبارتوں کے غلط تراجم پر مبنی ہیں، اور دانستہ ایسی تحریف کی گئی ہے، انھوں نے غلط ترجمہ کی متعدد مثالیں دیں، اس توضیح سے متاثر ہو کر بہت سے علماء نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اور بعض نے امام ربانی کی تائید و دفاع میں کتاب لکھی،

ان میں حسن بن محمد مراد اللہ التونسلی الملکی بھی ہیں جنھوں نے "العرف الندی فی نصرة الشیخ أحمد السہندی" لکھی جس میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف جو ہم شروع کی گئی تھی، اس کی بنیاد غلط و محرف تراجم پر تھی، دوسرے صاحب احمد البشیشی المصری الشافعی الازہری ہیں، انھوں نے اس بات کا صفائی سے اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کی تکفیر صرف تصوف کی اصطلاحات و نظریات کے صحیح طور پر نہ سمجھنے یا غلط سمجھنے کی بناء پر ہو سکتی ہے جو انھوں نے استعمال کئے ہیں، محمد بیگ نے علماء حجاز کے ساتھ اس موضوع پر مباحثے بھی کئے، اور رُودرُو گفتگو اور مذاکرات بھی، جس کی وجہ سے البرزنجی کو اپنی کتاب "الناشرة الناجرة" لکھنی پڑی جس میں محمد بیگ کا بڑے حقارت آمیز اور تجہیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا۔

ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب کی مخالفت اور ان پر اعتراضات کی ایک قابل توجہ تاریخی دستاویز جو مخالفین و معتزضین کی ذہنیت اور طرز فکر کی واضح ترجمانی اور اس گروہ کی کسی درجہ میں نمائندگی کرتی ہے، وہ شیخ عبداللہ خوشیگی قسوری (۱۰۲۳-۱۱۰۶ھ) کی کتاب "معارج الدلیۃ" ہے جو ایک ضخیم تصنیف ہے، عبداللہ خوشیگی کے (جو اختصاراً عبدی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں) حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں، اپنے زمانہ کے مروجہ علوم میں دخل رکھتے ہیں، تصوف میں سلسلہ چشتیہ سے ان کا تعلق ہے، اور ذوقاً و مشرباً وجودی ہیں، بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ وحدۃ الوجود میں ان کو غلو ہے، انھیں حضرت شیخ احمد سرہندی سے طبعی بُد اور ایک طرح کی ضدی تھی، انھوں نے ان کی اولاد اور خلفاء پر جاجی الزامات لگائے ہیں، وہ مجدد صفا کے خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے بھی طے مخالفت تھے،
۱۔ اس کتاب کے قلمی نسخہ کا راقم سطور نے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ لاہور میں بھی ہے۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "احوال و آثار عبداللہ خوشیگی قسوری" تالیف محمد اقبال مجددی، شائع کردہ دارالمؤرخین لاہور۔

ان کے اساتذہ اور معتقد فیہ اشخاص بھی زیادہ تر حضرت مجدد کے مخالفین اور عقول الوجودی صوفیہ ہیں، اور ان میں سے بعض (مثلاً شیخ نعمت لاہوری اور قاضی نور الدین قاضی قصوی) مجدد صاحب کے فتویٰ تکفیر پر دستخط کرنے والوں میں ہیں، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید محمد برنجی مؤلف "قدح الزند" کے متعلقین سے بھی متاثر ہوئے ہیں، جو اورنگ آباد میں مقیم تھے، جہاں ۱۰۹۶ھ میں خوشگی نے اس کتاب کی تکمیل کی ہے، اس کتاب کا ایک ماخذ اس عہد کی ایک دوسری تصنیف "کاسر المخالفین" ہے، جو حضرت مجدد اور آپ کے تابعین کے رد میں لکھی گئی تھی۔

قصوری کے طرز فکر اور مبلغ علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجدد صاحب کی قابل اعتراض چیزوں میں نماز کی زبان سے نیت نہ کرنے کو بھی شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

چوں برائے تحریمیہ نماز برخاستے اغلب
اوقات نیت را بدل کرے و زبان را
ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نیت بدل کر دہ
نہ بزبان، زیرا کہ نیت فعل قلب
است نہ فعل لسان۔
جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے
اکثر اوقات دل سے نیت کرتے
زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی
یہی معمول تھا، کیونکہ نیت دل کا
فعل ہے نہ کہ زبان کا۔

خوشگی نے مکتوبات کا مطالعہ کس نظر غائر سے کیا تھا، اور ان کے اندر کس درجہ میں ذمہ داری کا احساس اور کسی کی طرف اقوال و خیالات کی نسبت کرنے میں کتنی احتیاط تھی، اس کا اندازہ ان کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:-

بعض مشائخ متقدمین ہر کہ قائل
بہ وحدۃ وجود شدہ چنانچہ حسین
منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال
آں اور المجد زندقہ گفتے در مکتوبات
خود کہ مجلد بسہ مجلد است، در اکثر
مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر
نمودہ و در بعضے مجال نسبت مذاہب
اعتزال بہ وے ثابت نمودہ، و باین
ہمہ اور از جملہ مقبولان شمر دہ۔
مشائخ متقدمین میں سے جو لوگ
وحدة الوجود کے قائل تھے، مثلاً
حسین منصور، اور شیخ محی الدین عربی
وغیرہ (شیخ احمد سرہندی) ان کو
لمجد زندقہ کہتے تھے، اپنے مکتوبات
میں جو نین جلدوں پر مشتمل ہے، اکثر
مقامات پر شیخ محی الدین عربی کی
تکفیر کی ہے، اور بعض مقامات پر
مذاہب اعتزال کی ان سے
نسبت کی ہے، اور اس سب کے
باوجود ان کو مقبولین الہی میں شمار
کیا ہے۔

ان اعتراضات کے ساتھ حضرت مجدد کی تعریف بھی کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-
بہ دعوت طالبان حق ارشاد کردہ
پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت
نمودے، و بہ جانب حق دلالت
فرمودے، و بر اجراءے شرائع تقید
فرمودے، و تارک شرائع را توبیخ
وزجر کردے، و متکذب شرائع را
(حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو
دعوت طالبان حق کی اجازت دی،
چنانچہ طلبکاران حق کو آپ ہدایت
کرتے، اللہ کی طرف رہبری فرماتے
احکام شرعیہ کی پیروی کی تاکید
فرماتے، تارک شریعت کو زجر و توبیخ

دوست داشتے۔ کرتے، شریعت پر عمل کرنے والے

سے خوش ہوتے۔

مجدد صاحب کی طرف سے تاویل بھی کرتے ہیں، اور حسن ظن بھی ظاہر کرتے ہیں، مخالفین نے جن عبارتوں اور الفاظ پر اعتراض کیا ہے، ان کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

وقتے لازم آید کہ مراد ازین الفاظ معنی

ظاہری بود فاما اگر مراد از معنی باطنی

بود چنان کہ گزشتہ ہیچ تکفیر و

و تشنیع لازم نیابد۔

گزارا، تب... اس سے کوئی تکفیر و تشنیع لازم نہیں آتی۔

لیکن پھر وہ خیال جو صحبت و ماحول کے اثر اور افواہوں کی کثرت سے ان کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا ہے، غالب آتا ہے، اور وہ لکھتے ہیں:-

ولیکن حق آنست کہ ایراد کلامے

کہ موہم بقص بود بجناب نبوی

خالی از نقص و قصور نیست مکا

لا یخفی۔ وہم پیدا ہوتا ہو نقص و قصور سے خالی نہیں۔

اس کتاب کی زیادہ تر اہمیت اور شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ اس میں قاضی شیخ الاسلام کا... مراسلہ درج کیا گیا ہے، جو انھوں نے اورنگ آباد کے قاضی قاضی ہدایت اللہ

لہ قاضی شیخ الاسلام قاضی القضاة عبد الوہاب گجراتی کے بیٹے اور عہد عالمگیری کے نامور قضاة میں تھے، ۱۰۸۶ھ

میں عالمگیری نے ان کو قضاة القضاة کا عہدہ دیا، ۱۰۹۲ھ میں اس عہدہ جلیلہ سے استعفا دیا اور حج کے لئے روانہ (باقی صفحہ ۳۵ پر)

کے نام بھیجا ہے، اور اس کے متعلق مصنف کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ اسلام (اورنگ زیب عالمگیر) کے حکم سے جاری کیا گیا، اور اس پر قاضی شیخ الاسلام کی مہر تھی، مصنف کے بیان کے مطابق اس پر ۲۷ شوال ۱۰۹۰ھ کی تاریخ درج ہے، یہ مراسلہ یا فرمان مصنف نے کتاب "کاسر المغالین" سے نقل کیا ہے، اور یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے:-

از قرار بتاریخ بست و ہتم شہر شوال

۲۷ ماہ شوال ۱۰۹۰ھ... قاضی

ستہ یک ہزار و نو دہجری آنکہ

شریعت پناہ فضائل و کمالات

دستگاہ فقہارت انبیاہ، قاضی

ہدایت اللہ بجا فیت باشند۔

دریں ولا بعرض مقدس معلی رسید کہ

بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی

ظاہر در مخالفت عقائد اہل سنت

جماعت است، و معتقدان شیخ

مذکور کہ در بلاد اورنگ آباد خجستہ بنیاد

سکونت دارند و ترویج آل مشرکہ ہند

و تدریس می نمایند اعتقاد حقیقت

عقائد باطلہ مذکورہ دارند۔

صدور لایا کہ یہ خادم شریعت پناہ کو لکھے کہ ان کو رشہ (۹) اور ان مضامین

(باقی صفحہ ۳۶۶ کا) ہو گئے، عالمگیری کے اصرار کے باوجود انھوں نے دوبارہ یہ عہدہ قبول نہیں کیا، یاد ایام (تاریخ گجرات)

از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم ص ۶۵-۶۹۔ منقول از آثار الامراء وغیرہ۔ لہ افسوس کہ کتاب مصنف کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حکم والا شرف صدور یافت کہ
 این خادم بشریت با شریعت پناہ
 بنویسد کہ آنہارا از رشد و درساں
 منع بکند کہ کسی کہ معلوم شود کہ معتقد
 عقائد باطلہ مذکورہ است، اورا
 بر سزائے شرعی رسانند، لہذا انکارش
 شد، باید کہ بر طبق حکم مطاع واجب
 الاتباع بعمل آرد و حقیقت بزنگارند
 کے درس و تدریس سے روک دیا جائے
 اور جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ان
 عقائد باطلہ پر اعتقاد رکھتا ہے،
 اس کو سزائے شرعی دی جائے،
 اس لئے اس کو تحریر میں لایا گیا،
 چاہئے کہ اس حکم واجب الاتباع
 کے مطابق عمل کیا جائے اور حقیقت
 لکھی جائے۔

اس فرمان شاہی کو زمانہ حال کی بعض تصنیفات میں بڑی اہمیت دی گئی ہے اور
 گویا یہ ایک عظیم تاریخی انکشاف ہے جو عالمگیر کے مجددی تحریک سے تاثر اور حضرت مجدد اور
 ان کے خاندان سے عقیدت مندانہ تعلق اور روابط کی پوری عمارت کو منہدم کر دیتا ہے۔
 لیکن اگر نظر غائر دیکھا جائے تو وہ اتنا "سنسنی خیز" اور ہوش ربا نہیں ہے جتنا سمجھا
 گیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ اس میں جہاں مکتوبات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں "ظاہر در مخالفت
 عقائد اہل سنت و الجماعہ" کہا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس بات پر تشویش ظاہر کی گئی
 ہے، وہ ان مضامین کی ترویج و تدریس ہے، اور جس چیز سے روکا گیا ہے، وہ یہی عمومی اعتد

لے معارج الولاية ص ۵۰

لے مثلاً یہودی فاضل YOHANAN FRIEDMANN کی کتاب SHAYKH AHMAD SIRHINDI-AN OUT-

LINE OF HIS THOUGHT & A STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY,

مطبوعہ

MCGILL UNIVERSITY, MONTREAL & LONDON, 1971)

اور درس و تدریس ہے، ظاہر ہے کہ ان دقیق مضامین کی (جن کا فہم محققین کی
 اصطلاحات سے واقفیت، اور سلوک و تصویف کے عملی تجربات و مہارت پر موقوف ہے)
 عام اشاعت، اور ان کا حلقہ درس میں لانا، جس میں مبتدی و متہی سب شریک ہوتے ہیں،
 انتشار خیال کا موجب، اور اختلاف کا باعث ہو سکتا ہے، اور ایک حامی شریعت باوثنا
 کو جس کے پیش نظر اپنے ملک کے معاشرہ کا ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہنا ہے، اور بزرگوں
 کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے سے احتیاط کرنا ہے، اور جس کو اپنی اس دعوت اور
 اس خاندان والا نشان سے قلبی و مخلصانہ روابط پر اعتماد ہے، اور جو اپنے اثر و اقتدار سے
 اس کو کامیاب بنانے میں ساعی و سرگرم ہے، انتظاماً ایسی پابندی عائد کرنے، اور
 احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے، اگر اس فرمان کو عالمگیر کی ذاتی زندگی، اس کے
 حقیقی رجحانات و جذبات، اور اس خاندان کے ساتھ اس کے ان روابط و تعلقات کے
 (جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے) سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو اس کے چند جملوں میں
 اس پوری تاریخ اور عالمگیر کے اس طرز عمل کی تردید کا کوئی سامان نہیں ہے جس نے بالآخر
 سلطنت مغلیہ کا رخ ہندوستان سے اسلامی اثرات کے ختم کرنے سے ہٹا کر شریعت
 اسلامی کے نفاذ، اور اسلامی تہذیب کے اجراء پر ڈال دیا، اور جس میں بلاشبہ حضرت
 مجدد الف ثانی اور ان کے خاندان، خلفاء، اور تبعین کا بنیادی حصہ ہے۔

بہر حال واقعہ کچھ بھی ہو، ہندوستان اور ہندوستان کے باہر حضرت مجدد کی وفات کے بعد

لے محمد اقبال مجددی مصنف "احوال و آثار عبداللہ خوشنویسکی قصوری" کے نزدیک یہ فرمان محض وضعی

ہے اور مخالفین نے یہ اور بعض خطوط بادشاہ کی طرف سے جعلی لکھ کر لوگوں کو بھیسے جن کی بادشاہ

کو مطلق خبر نہ تھی۔ (ص ۱۶۳)

ان کے مکتوبات اور ان کی بعض تحقیقات و نکات کی بنیاد پر مخالفت و تضلیل کی جوہم شروع کی گئی تھی اور جس میں علماء و اہل اقتداء کی بھی ایک تعداد شریک ہو گئی تھی، اس نے بارہویاں صدی کے ربع اول ہی میں دم توڑ دیا، اور اب وہ صرف تاریخ کے (اور وہ بھی بعض قلمی کتابوں کے سہارے پر) اوراق میں مدفون ہو کر رہ گئی ہے، بارہویں صدی کے نصف اول تہی ہندوستان سے ترکستان تک مجددی خانقاہیں، اور ہدایت و ارشاد کے مرکز قائم ہو چکے تھے، سلسلہ مجددیہ کے مشائخ اور علماء نے مکتوبات کے مستند عربی ترجمے کر کے مشیر اسلامی ممالک میں پھیلا دیئے تھے، شیخ محمد مراد کی قرآنی نے حضرت مجدد اور ان کی اولاد و احفاد اور ان کے سلسلہ کے عرب ترک مشائخ کا عربی میں تعارف کرایا، جو "ذیل الرشحات" کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز مکتوبات کا ترجمہ بھی کیا، جو "الدرر المکنونات النفیسة" کے نام سے شائع ہوا، نیز شیخ محمد نور الدین بیگ الأوزبکی کا عربی رسالہ "عطیة الوہاب" الفاصلة بین الخطأ والصواب" بھی شائع ہوا، اور مکتوبات کی ممالک عربیہ اور ترکی میں ایسی اشاعت ہوئی کہ تمام غلط فہمیاں رفع ہوئیں، سرآمد علماء روزگار علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تفسیر "روح المعانی" میں مجدد صاحب کا بڑے احترام سے نام لیتے ہیں، اور مکتوبات کے بکثرت اقتباسات پیش کرتے ہیں، اور اب کہیں بھی علماء کے حلقہ سے مخالفت اور تضلیل کی کوئی تحریک یا مہم جاری نہیں۔

فَأَمَّا الرَّبِّدُ فَيَدُّ هَبَ جُضَاءَهُ

وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْلِكُ

میل کھیل کا جھاگ (جو کسی کام کا نہیں ہوتا) رائیگاں جاتا ہے اور جس چیز میں

لہ جن حضرات نے رجوع کیا یا حضرت مجدد اور ان کے سلسلہ کے دفاع کا فرض انجام دیا ان کے نام "نزہۃ الخواطر" ج ۵ ص ۵ پر ملاحظہ ہوں۔

فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَصُورُ اللَّهُ
الْأَمْثَالَ -
انسان کے لئے نفع ہوتا ہے وہ زمین میں
رہ جاتی ہے، اسی طرح اللہ (لوگوں کی

(سورة الرعد - ۱۷) سمجھ بوجھ کے لئے) مثالیں بیان کرتا ہے۔

حکمت الہی کی یہ عجیب کار فرمائی ہے کہ مخالفت و تضلیل کی اس مہم میں سب سے بڑا حصہ حجاز کے ان علماء نے لیا تھا، جو کردی الاصل تھے، شیخ ابراہیم الکورانی کردی ہیں اور سید محمد برزنجی بھی شہر زور میں پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ایک کردی عالم مولانا خال شہر زوری کا انتخاب فرمایا، جن کی مساعی جمیلہ اور قوت نسبت سے یہ سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں اس طرح پھیلا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، "وَدَلِّلَهُ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ"

— — — — —

لہ تفصیل باب ہشتم میں آئے گی۔

باب ہشتم

حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ
آپ کے تجدیدی کام کی توسیع و تکمیل

مشاہیر خلفاء

حضرت مجدد کے خلفائے عظام کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشواری نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے، خلفاء میں متعدد اصحاب کے نام جن کو آپ نے بعض بیرونی ممالک میں صلاح و تربیت کا کام تفویض کر کے روانہ فرمایا تھا، یا ہندوستان کے بعض اہم مقامات میں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا، گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں، یہاں پر حروف تہجی کے اعتبار سے ان میں سے مشاہیر کی فہرست درج کر دی جاتی ہے، پھر دو اہم ترین خلفاء (حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری) کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا، پھر ان کے خلفائے کبار اور ان کے سلسلوں کی اشاعت اور ان کے ذریعہ سے اصلاح و تربیت کا جو کام انجام پایا، جن اہم روحانی و تربیتی مراکز کی بنیاد پڑی اور ان سے عوام و خواص کو جو فائدہ پہنچا اس کا اجمالاً تذکرہ آئے گا، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مجدد کے سلسلہ کو کس طرح قبول عام عطا فرمایا اور ان کی اصلاحی و تجدیدی مہم کو کیسا بار آور پڑا، اور یہ سب ارادہ خداوندی، تائید غیبی، قبولیت عند اللہ غایت اخلاص اور اتباع سنت کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ
ابن سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خداے بخشندہ

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا احمد دینی (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدر الدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خاں افغانی (۱۰) میر صغیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بدخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبدالشہر عرف خواجہ خورد (۱۵) شیخ عبدالحی حصاری (۱۶) مولانا عبد الواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبدالہادی فاروقی بدآؤنی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (۲۱) سید محب اللہ مانپوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۵) شیخ مزمل (۲۸) حافظ محمود لاہوری (۲۹) شیخ نور محمد ٹنٹی (۳۰) مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی (۳۱) مولانا یار محمد قدیم (۳۲) شیخ یوسف برکی (۳۳) مولانا یوسف سمرقندی۔

۱۔ حروف تہجی کی رعایت سے یہ فہرست مولانا سید زوار حسین کی تالیف، حضرت مجدد العت ثانیؒ (شائع کردہ ادارہ تجدید کراچی) سے ماخوذ ہے، ان کے حالات کے لئے مذکورہ بالا کتاب از ص ۲۴ تا ۲۵ اور تذکرہ امام ربانی مجدد العت ثانیؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی کا مقالہ تذکرہ خلفائے مجدد العت ثانیؒ از مولانا

نسیم احمد فریدی ص ۳۱ تا ۳۵ ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ محمد معصوم

شیخ طریقت و امام وقت، فاضل اجل حضرت معصوم بن احمد بن عبدالاحد الحدادی الہری یعنی خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی اپنے والد کی چھپتی اولاد صورتہ مشابہ، معناً قریب تر پیروی و اتباع میں فائق آپ کے علوم کے حامل خصوصی فرزند ان گرامی میں سب سے زیادہ مشہور اور ان میں سب سے زیادہ بابرکت تھے۔

الارشوال ۹-۱۰۰۰ء میں پیدا ہوئے اور بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے اور بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر تحصیل طریقت کی اور تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، نسبت پدیری کی تحصیل میں آپ کا حال صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ جیسا تھا، جو اپنے دادا صاحب کی تحریروں کو ان کے لکھے جانے کے ساتھ ہی حفظ کرتے جاتے تھے، اسی لئے اس مرتبہ کو پہنچے جہاں آپ کے والد کے اصحاب میں سے کوئی نہیں پہنچا چنانچہ آپ کے والد ماجد نے بلند مقامات کی بشارت دی، والد ماجد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور حرمین شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور خاصی مدت تک زینہ منورہ میں مقیم رہ کر ہندوستان واپس ہوئے اور درس و افادہ میں عمر صرف کر دی تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ و ہدایہ، عضدی، و تلویح زیادہ تر درس میں رہی۔

شیخ مراد بن عبداللہ قرانی "ذیل رشحات" میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی طرح اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو روشن کر دیا، اور اپنے توجہات اور لہ حضرت خواجہ محمد معصوم کا یہ تذکرہ جس میں اکثر ضروری باتیں آگئی ہیں "نزہۃ النخاطر" ج ۵ سے ماخوذ ہے۔

بلند حالات کی برکت سے جہالت و بدعت کی تاریکیوں کو کا فور کر دیا، ہزاروں انسان اسرار الہی کے محرم ہوئے اور آپ کے شرف صحبت کے سبب بلند حالات تک پہنچے، کہا جاتا ہے کہ نو لاکھ انسانوں نے آپ سے بیعت کی جن میں آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار ہے، جن میں شیخ جلیب اللہ بخاری بھی تھے، جو اپنے زمانے میں خراسان و ماوراء النہر کے سب سے بڑے شیخ تھے، آپ کی وجہ سے بخارا کی فضائیں بدعت کی تاریکیوں کے بعد سنت کی روشنیوں سے معمور ہو گئیں، آپ نے چار ہزار مریدوں کو باکمال بنا کر خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

شیخ محمد معصوم کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں، اور والد ماجد (حضرت مجدد الف ثانی) کے مکتوبات ہی کی طرح اسرار و رموز اور لطائف و اشارات پر مشتمل ہیں، اور اکثر مجرب صاحب کے دقیق علوم و معارف کی تفسیر و تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹ ربیع الاول ۱۰۰۰ء کو شہر سرہند میں انتقال فرمایا جہاں دفن ہوئے، قبر مبارک مشہور اور زیارت گاہ خلّائق ہے۔

حضرت سید آدم بنوری

شیخ عارف، ولی کبیر حضرت آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری، سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار میں ہیں، آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملی تھی، سرہند کے قریب بنور (بفتح با و تشدید نون) میں آپ کی ولادت و نشوونما ہوئی۔

آپ نے حضرت مجدد صاحب کے ایک مرید حاجی خضر وغانی سے ملتان میں روحانی لہ حضرت شیخ آدم بنوری کا تذکرہ "نزہۃ النخاطر" ج ۵ سے ماخوذ ہے، جو اس سلسلہ میں ماقلاً و دلاً کا مصداق ہے۔

استفادہ کیا اور دو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر شیخ کے حکم سے حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کے پاس مدت تک مقیم رہ کر طریقت کی تحصیل کی "خلاصۃ المعارف" میں ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی خدمت میں آپ کو ربانی کشش حاصل ہوئی جو انھیں اپنے شیخ اسکندر سے اور انھیں اپنے دادا شیخ کمال الدین ^{کنتھلی} سے حاصل ہوئی تھی، فی الجملہ آپ اس رتبے کو پہنچے جہاں آپ کے بہت سے معاصر مشائخ نہیں پہنچ سکے، آپ کا طریقہ شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ کا اتباع تھا، جس سے اپنے اقوال و افعال میں سب مواخراہ نہیں کرتے تھے۔

آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا کہا جاتا ہے کہ آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی اور ان میں سے ایک ہزار نے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا، کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمیوں سے کم تعداد شاید ہی کسی دن رہتی ہو، سب لوگ آپ کے مہمان ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ حضرت سید آدم جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ دس ہزار اعیان و مشائخ اور ہر طبقہ کے افراد تھے، شاہجہاں بادشاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں تھا، جسے ان کی مقبولیت سے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے وزیر سعد الشراخ کو شیخ کے پاس بھیجا، مگر اس ملاقات میں بدمزگی کے سبب وزیر نڈکولنے بادشاہ سے شیخ کی شکایت کی، جس کے نتیجے میں بادشاہ نے انھیں حرمین شریفین کے سفر کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حجاز کا رخ کیا اور حج سے فارغ ہو کر ^{مکہ} مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حقائق و معارف میں شیخ آدم بنوری کی متعدد کتب و رسائل ہیں، جن میں فارسی میں دو جلدوں میں "خلاصۃ المعارف" نامی کتاب ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے:

"الحمد لله رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائہ والالهائم ان کی کتابوں میں نکات الاسرار لکھی ہے۔"

شیخ آدم بنوری _____ نے کسی سے علمی تحصیل نہیں کی تھی، آپ نے ۲۳ سوال ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور حجت البقیع میں قبہ سیدنا عثمان کے پاس دفن ہوئے۔

سلسلہ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار

ہم پہلے حضرت خواجہ محمد معصوم کے سلسلہ کے مشائخ کبار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کی مقبولیت اور وجہیت ان کے افادہ و افاضت کے دائرہ کی وسعت ان کی طرف رجوع عام اور خلق خدا کے پروانہ وار ہجوم و ازدحام اور اس وقت کے اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کے وسیع و عمیق اثرات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، ان کے مفصل حالات و سوانح کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جو مستقلاً ان کے حالات میں لکھی گئیں یا ان کتب و تراجم کی طرف جن میں ان کا اجمالاً تذکرہ آیا ہے، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس کے لئے مولانا حکیم سید عبدالحی کی شہرہ آفاق کتاب "نزہتہ الخواطر" کی جلد پنجم، ششم اور ہفتم پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی

حضرت خواجہ محمد معصوم کے طریقہ کی اشاعت اور بانی سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی [ؑ] لے مصنف نے تخریث بالنعمة کے طور پر لکھا ہے کہ یہ کتاب ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

کے مقاصد کی تکمیل (جن میں تعلق مع اللہ کی تجدید، اتباع سنت کا رواج اور ازالہ بدعات و منکرات خاص اہمیت رکھتا ہے) حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلف الرشید اور خلیفہ راشد حضرت خواجہ سیف الدین سرسندی (۱۰۴۹-۱۰۹۶ھ) سے ہوئی، جنہوں نے اپنے والد ماجد کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی، آپ کے ہاتھوں اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی جس کو بعد میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے تربیت روحانی کا عالمگیر مرکز بنا دیا، اور جس کے انوار سے ایک طرف افغانستان و ترکستان، دوسری طرف عراق و شام و ترکی منور ہوئے اور شاعری کا یہ کہنا حرف بحرف صادق آیا ہے

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

منور از فروغش ہند تا روم

سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے (جس نے جیسا کہ اوپر گزرا ہے) حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی) حضرت خواجہ سیف الدین سے روحانی تربیت حاصل کی، حضرت خواجہ کے محل شاہی میں جانے اور دیواروں پر کندہ تصویروں پر اعتراض کرنے اور بادشاہ کے اسی وقت ان کے ختم کرنے کا حکم دینے کا تذکرہ تاریخ میں آتا ہے، خواجہ سیف الدین نے اپنے والد ماجد کو اس کی اطلاع دی اور خواجہ نے (بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں) اس پر سرت کا اظہار فرمایا، تحریر فرماتے ہیں:-

چہ نعمتے ست کہ بایں ہمہ مطراق یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ شان

بادشاہی و دبیرہ سلطانی کلمہ حق و شوکت اور بادشاہی و دبیرہ باوجود

لے ذیل الرشحات - تالیف شیخ محمد ادراسی ص ۵۴ المطبعة المیرتبکة المحمیدہ ۱۳۳۰ھ

بہ سمع قبول افتد و گفته نامرادے کلمہ حق قبول کیا جائے اور ایک موثر شود۔ نامراد کا کہنا موثر ہو۔

خواجہ سیف الدین نے بادشاہ میں آثار ذکر ظاہر ہونے اور بادشاہ کے بعض منازل سلوک طے کرنے کی بھی اطلاع دی اور خواجہ محمد معصوم نے اس پر کبھی اپنی مسرت و اطمینان کا اظہار فرمایا ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بادشاہ دیں پناہ کے جو احوال تم نے ذکر کئے مثلاً لطائف میں ذکر کاسرایت کرنا اور سلطان ذکر اور رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمہ حق قبول کرنا بعض منکرات کا رفع ہونا اور لوازم طلب کا زائل ہونا یہ سب بوضاحت معلوم ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے، بادشاہوں کے طبقے میں یہ باتیں عنقا کی طرح نایاب ہیں“

بادشاہ نے ان سے رابطہ روحانی قائم رکھا، آثار عالمگیری کے مصنف محمد ساقی مستعد خان نے سال دوازدہم ۱۱۳۰ھ (۱۳ محرم) کے واقعات میں بادشاہ کے ایک پہررات گئے باغ حیات بخش سے حضرت خواجہ کے دولت خانہ میں تشریف لے جانے اور ایک گھڑی بیٹھ کر ان کی صحبت بابرکت اور کلمات طیبہ سے مستفید ہونے اور ان کا اعزاز و اکرام کرنے کے بعد دولت خانہ شاہی میں مراجعت کا ذکر کیا ہے۔

حضرت خواجہ کا خاص ذوق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تھا، اور اس میں وہ بڑے سرگرم تھے، ذیل الرشحات کے مصنف شیخ مراد بن عبداللہ القرانی کے بیان کے مطابق ”ان کی ان ساعی کا اثر یہ ہوا کہ قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان سے بدعات کا

لے مکاتیب حضرت خواجہ محمد معصوم ج ۳ مکتوب ۲۲۴ ۱۵ ایضاً ج ۳ مکتوب ۲۲۵

۱۳ آثار عالمگیری شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۱ء ص ۸۴

خاتمہ ہو جائے اسی بنا پر ان کے والد ماجد نے ان کو محتسب الامتہ کا خطاب دیا نہایت قوی تاثیر، صاحب جذب و تصرف تھے، لوگ ایک اضطراب و استغراق کی حالت میں ان کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے دبذبہ اور عظمت کے شیخ تھے، سلاطین و امراء ان کی مجلس میں مؤدب کھڑے رہتے تھے اور ان کو ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ربورع عام کا یہ حال تھا کہ روزانہ چودہ سو آدمی دونوں وقت ان کے مطبخ سے اپنی خواہش و ذوق کے مطابق کھانا پاتے تھے۔

خواجہ سیف الدین کے بعد ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) نے ان کی جگہ کو آباداؤ ان کی خانقاہ کو نور محمدی سے منور رکھا ان کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جانا نے ان کی مسند ارشاد کو زینت بخشی جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی تک

حضرت خواجہ محمد معصوم کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد نقشبند تھے (۱۱۳۵ھ) جو حجۃ الشرف نقشبند کے نام سے مشہور ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم نے ان کو اپنا جانشین و خلیفہ بنایا تھا، اور ان کی وفات کے بعد وہ ہمہ تن ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

ان کے خلفاء میں خواجہ محمد زبیر (ابن ابی العلامین خواجہ محمد معصوم، م ۱۱۵۱ھ) تھے، جن کی طرف طالبین کا ایسا رجوع ہوا جو اس عہد میں کمتر کسی کی طرف ہوا ہوگا، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے، تو امراء اپنے دو شالے اور کپڑیاں مکان سے مسجد تک

لے ذیل الرشحات ۴۵-۴۹ ۲۵ چلی قریب موجودہ خانقاہ اہل حضرت شاہ غلام علی کے زمانہ میں قائم ہوئی جنھوں نے اس مکان کو جس میں حضرت مرزا صاحب کی تدفین ہوئی تھی، خرید کر مسجد و خانقاہ کی تعمیر کی۔

بچھاتے تھے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے، اور اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے شل آپ کی سواری جاتی تھی۔

حضرت خواجہ محمد زبیر نے بڑے بڑے خلفاء یا دیگر چھوڑے ان میں تین بڑے نامور ہوئے، حضرت شاہ ضیاء اللہ جن کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاق ہیں، دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب جن کے فرزند و خلیفہ خواجہ میر درد دہلوی ہوئے، تیسرے حضرت خواجہ عبدالعدل جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ بڑے پایہ کے شیخ طریقت و صاحب نسبت تھے، حضرت شاہ غلام علی فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی محسم نہ دیکھی ہو، وہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کو دیکھے۔

ان کے خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۱۶۶-۱۲۵۱ھ) کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام عطا فرمایا، اور شہرہ آفاق بنایا، دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا کابل تشریف لے گئے تو زماں شاہ، شاہ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شاہ محمد آفاق کے خلیفہ ارشد اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) تھے، جن کے جذب قوی، نفس گرم، زہد و تجرید، اتباع شریعت، علم سنت و حدیث اور عشق الہی و حب نبوی نے نصف صدی سے زائد تک ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند) کی فضا کو گرم اور منور رکھا اور خود انھیں کے الفاظ میں عشق کی

لے در المعارف ملفوظات حضرت شاہ غلام علی۔

۲۵ ایضاً ص ۱۶

دکان کی گرم بازاری رہی۔

ہندوستان کے وسیع النظر و محتاط مؤرخ اور تذکرہ نگار مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف
”نزہۃ الخواطر“ کے بقول:-

”عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی، بڑے
بڑے امراء اور رؤساء دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے
اور آپ کی ذات مرجع خلایق بن گئی، اور ایسی مقبولیت اور ہر دل عزیزی حاصل ہوئی، جو
اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے، وہ حد تو اترو کو پہنچ گئی ہیں، اور اس
بارہ میں اولیاء متقدمین میں بھی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر
نہیں ملتی۔“

مفصل تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن
گنج مراد آبادی۔

لے ندوۃ العلماء کے اکثر بانی و ناظم حضرت مولانا کے مرید و مسترشد تھے، مثلاً مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم اول
ندوۃ العلماء، مولانا یسح الزماں خاں شاہجہاں پوری (استاد اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں نظام دکن) مولانا سید
ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا سید تاجل حسین بہاری، مولانا حکیم سید عبدالحی، ناظم ندوۃ العلماء، نواب صدیق جنگ
مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی (صدر الصدور و اموندہ سید جید آباد دکن) حسام الملک صفی الدولہ نواب سید
علی حسن خاں ناظم ندوۃ، مولانا کے سلسلہ کی اشاعت اول الذکر مولانا سید محمد علی مونگیری سے بڑے وسیع پیمانے
پر ہوئی۔

۲۵ نزہۃ الخواطر ج ۸ -

مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی

حضرت سید نور محمد بدوانی کے خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (۱۱۱۱ھ
۱۱۹۵ھ) تھے، جنہوں نے سینتیس سال تک اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کو گرم و منور
رکھا اور دار السلطنت دہلی میں عشق کا روز بازار اپنے عروج پر رہا، حکیم الاسلام حضرت
شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے صاحب نظر معاصر کی ان کے متعلق شہادت ہے:-

”ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں کہ ہمیں کی پیدائش ہے اور ہمیں
عمر بسر ہوئی ملک عرب کو خود دیکھا ہے، اور اس کی سیاسی ہے، افغانستان ایران کے لوگوں کے حالات
وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں، اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ کوئی ایسا بزرگ
جو جادہ شریعت اور طریقت پر اور کتاب سنت کی پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم
ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو، ہمارے
دور میں ان ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا پایا نہیں جاتا، دور ماضی
اور بزرگان سلف میں بیشک ہو سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے بزرگ
زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پر ہے۔“

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلقاء میں حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی (۱۱۵۳ھ
۱۲۱۸ھ) مصنف ”معمولات مظہریہ“ اور بہیقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ بانی تپتی (م ۱۲۲۵ھ)
مصنف ”التفسیر المظہری“ و ”الابدینہ“ اور مولانا غلام محیی بہاری (۱۱۸۰ھ) جیسے سرآمد روزگار
لے اصل نام شمس الدین حبیب اللہ تھا، مظہر تخلص تھا، والد کا نام مرزا جان تھا، اسی نسبت عالمگیر مہوم نے
جان جان نام رکھا کہ فرزند جان پد ہو تا ہے، خلایق کی زبان پر جان جاناں جاری ہو گیا، مرزا صاحب شیخ محمد عابد نامی
خلیفہ حضرت عبدالاحد وحدت کی خدمت میں بھی آٹھ سال رہے اور استفادہ کیا۔ ۲۵ کلمات طباطبائی ۱۶۵۱۱۶۵

علماء و مشائخ تھے، لیکن مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ان کے خلیفہ ارشد حضرت شاہ غلام علی بٹالوی (۱۱۵۶ھ - ۱۲۴۰ھ) کے لئے مقدر تھی ان کو سلسلہ مجددیہ کا مجدد بلکہ تیرہویں صدی میں سلوک الی اللہ اور تزکیہ و احسان (جس کا معروف نام تصوف ہے) کا مجدد کہنا صحیح ہوگا جن پر عجم و عرب کے طالبین نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا، جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس خلفاء تھے، سرسید احمد خاں مرحوم "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں:-

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا، اور سب کاروٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا"

شاہ رؤف احمد مجددی دور المعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں، جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

"سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امرتسر،

سنہل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدرآباد، پونا وغیرہ"

ان کے اس فیض عام کو دیکھ کر ان کے مسترشد مولانا خالد رومی کا فارسی کا یہ شعر بالکل

واقعہ کی تصویر ہے

لے خلفاء و مریدین کبار کے لئے ملاحظہ ہو مقامات نظری۔ از ص ۱۱۸ میں جن خلفاء کے نام دیئے ہیں ان کی تعداد ۴۳ ہے

۱۲ آپ کا اصل نام عبداللہ تھا شاہ غلام علی کے نام سے شہرہ آفاق ہوئے، ۱۳ آثار الصنادید باب چہام ۱۴ در المعارف ۱۵ مطبع نامی

خبر از من دەبیداں شاہ نو باں را بہ پنهانی
کہ عالم زندہ شد بار دیگر از ابر نیسانی

حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلفاء ہوئے ان میں سے حضرت شاہ سعد اللہ جن کے خلیفہ شاہ محمد نعیم معروف بہ مسکین شاہ صاحب (م ۱۲۶۴ھ) تیرہویں صدی کے وسط میں حیدرآباد تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا، آصف جاہ ششم علی حضرت میر محبوب علی خاں ان کے ارادت مند تھے، شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد پادشاہ بخاری (م ۱۳۲۵ھ) تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایک خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی (۱۲۰۱ھ - ۱۲۶۶ھ) نے بھوپال میں خانقاہ مجددیہ کی بنیاد ڈالی، بہرائچ میں مولانا شاہ بشارت اللہ بہرائچی (م ۱۲۵۴ھ) نے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کی اشاعت کی، بخارا میں شیخ گل محمد شیخ اکل بنے ہوئے تھے، اور انھوں نے سلسلہ مجددیہ کا فیض عام کر رکھا تھا، شیخ احمد بغدادی قادری نے بغداد سے آ کر بیعت و اجازت حاصل کی۔

مولانا خالد رومی

عراق و شام اور ترکی میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے سلسلہ کی اشاعت کا کام اللہ نے ایک کردی فاضل اجل مولانا خالد رومی سے لیا، جو اپنے ملک میں حضرت کے فیض و ارشاد

لے یہ اسٹھ شعر کا قصیدہ ہے جو شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے پورا نقل کیا ہے ۱۲ مخبر کن مدرس ۲ جنوری ۱۸۹۶ء

۱۳ جن کے خلیفہ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب (م ۱۳۸۳ھ) مصنف "زجاجة المصابیح" مدت دراز تک حیدرآباد میں

سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ ۱۴ جس کو پیر ابو احمد صاحب اور ان کے فرزند ارجمند مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب

نے اپنے اپنے وقت میں آباد کیا۔ ۱۵ در المعارف ص ۱۲۵ ۱۶ ایضاً ص ۱۲۴

کا آواز سن کر بہت تن شوق و بے قراری بن کر منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے ایک سال میں دہلی پہنچے اور آستانہ پر آکر ایسے پڑے کہ تکمیل سلوک کی منزلیں طے کر کے اجازت و خلافتِ خاصہ سے مشرف ہوئے، اس عرصہ میں ان کی کیسوی کا عالم یہ تھا کہ دہلی کے علماء و مشائخِ جوان کے فضل و کمال کی شہرت برسوں سے سنتے تھے ملنے آتے تو فرمادیتے کہ فقیر جس مقصد کے لئے آیا ہے، اس کے حصول کے بغیر کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، مسندِ وقت سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آئے کہ القادری (باہر سے آنے والے سے خود ملنے جاتے ہیں) اور حضرت شاہ ابوسعید صاحب نے جو ان کے شاگرد رشید تھے، عرض کیا کہ استاد الہند آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں، فرمایا کہ سلام کہو اور کہو کہ مقصد براری کے بعد میں خود حاضر ہوں گا۔

وطن واپس گئے تو طابین خدایا پر و انہ وارٹوٹ پڑے اور ایسا رجوع ہوا کہ بائڈ شاید مولانا شاہ رؤف احمد صاحب مجددی اپنی کتاب دُرُ المعارف میں جمعہ ۲۴ رجب ۱۲۳۱ھ کی روداد میں لکھتے ہیں کہ "ایک مغربی بزرگ حضرت کا نام مبارک سن کر منزلوں پر منزلیں قطع کر کے بغداد میں مولانا خالد رومی سے ملتے ہوئے حاضر ہوئے انھوں نے مولانا کی مقبولیت و مرجعیت کا حال بیان کیا کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی حلقہ بگوش ارادت اور بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں، ایک ہزار عالم متبحر داخل طریقہ ہو کر مولانا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، خود مولانا خالد نے حضرت شاہ ابوسعید کے نام جو خط لکھا ہے، اس میں تحدیث بالنعمة کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:-

تمام مملکت روم و عرب اور حجاز و عراق اور بعض ممالکِ عجم اور سارا کردستان طریقہ عالیٰ نقشبندیہ

لے در المعارف ص ۱۰۱

کی تاثیرات و جذبات سے سرشار ہے اور شب و روز تمام محافل و مجالس، مساجد و مدارس میں حضرت امام ربانی مجدد و متورافت ثانی کے محاسن و محامد کا ذکر اس طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے کہ اس کا گمان نہیں ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوشِ زمانہ نے ایسا زمرہ بنا ہوا چشمِ فلک نے ایسی رعینت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو..... اگرچہ اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ایک طرح کی گستاخی اور خود بینی ہے، یہ فقیر اس پر شرمندہ ہے محض دونوں کے حق کو مقدم جان کر اس نے بے ادبی کی جرأت کی ہے!

علامہ ابن عابدین مشہور بہ علامہ شامی مصنف رد المحتار شرح الدر المختار مولانا خالد رومی کے شاگرد و دستِ گرفتہ تھے، انھوں نے ان کے مناقب میں پورا رسالہ "سئل الحکم الہندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی" کے نام سے تصنیف کیا ہے، جو اصلاً ایک رسالہ کی تردید میں ہے جو بعض حاسدین نے مولانا خالد کی مخالفت و تضلیل میں لکھا تھا، رسالہ کے آخر میں مختصر حالات لکھے گئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلیمانہ کے قریب قصبہ قرہ داغ کے رہنے والے تھے، ۱۱۹۹ھ میں ولادت ہوئی اساتذہ وقت سے علومِ مروجہ کی تعلیم حاصل کی اور معقولات، ریاضیات، ہیئت وغیرہ میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلیمانہ واپس آکر حکمت، علم کلام و بلاغت کی انتہائی کتابیں پڑھائیں، ۱۲۲۱ھ میں حج بیت الشریک و زیارت سے مشرف ہوئے، مکہ معظمہ میں دہلی جانے کا اشارہ غیبی پایا پہلے شام واپس آئے، وہاں ایک ہندوستانی سے حضرت شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سنا اس کی بنا پر ۱۲۲۲ھ میں ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے، اور ہر جگہ اپنے علم کا سکھانے ہوئے لاہور کے

لے ترجمہ ماخوذ از مقالہ مولانا عبدالشکور صاحب شمولہ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی!

۱۲ شامل مجموعہ رسائل ابن عابدین طبع جدید سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان۔

راستہ سے پورے ایک سال کی مدت میں دہلی پہنچے، دہلی پہنچ کر عربی میں قصیدہ شوقیہ کہا جس کا مطلع ہے

کملت مسافة کعبۃ الآمال

حمد الممن قد من بالاکمال

ایک سال نہیں گذرا تھا کہ طرقِ خمسہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر اپنے مرشد کے حکم موکد سے وطن کی طرف واپس ہوئے، بغداد پہنچ کر تربیت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا، پانچ مہینے وہاں قیام کر کے وطن واپس ہوئے، ۱۲۲۸ھ میں پھر بغداد واپس ہوئے وہاں ان کی قبولیت اور رجوع عام دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوا، اور ان کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کیا گیا، والی بغداد سعید پاشا کی طرف سے بعض علماء کو اس کی تردید کا ایسا ہوا، علماء بغداد نے اپنی مہروں سے مزین کر کے ان کی برأت اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کا فتویٰ دیا، کر دوں، اہل کرکوک، اربل، موصل، عمادیہ، عینتاب، حلب، شام، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بغداد کے ہزاروں آدمیوں نے ان سے نفع اٹھایا۔

مصنف نے اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کا ذکر اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور شاعر شیخ عثمان سند کی بھی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے، جو مولانا خالد کے حالات میں لکھی گئی ہے، اور اس کا نام ہے "أصفیٰ الموارد فی ترجمۃ حضرت سیدنا خالد" آخر میں مولانا خالد نے شام کو اپنا مستقر بنالیا انھوں نے ۱۲۳۸ھ میں اپنے خلفاء و مریدین کے ایک جم غفیر کے ساتھ شام کا سفر فرمایا، اور ملک شام گویا ان پر امنڈ آیا، سلوک و ارشاد کے ساتھ علوم شرعیہ کی اشاعت، مساجد کی دوبارہ آبادی و رونق کی طرف بھی متوجہ رہے، بالآخر ۱۲۴۲ھ کے طاعون میں ۱۴ رذی القعدہ کو شہادت حاصل کی

اور قاسیون کے دامن میں مدفون ہوئے، مولانا نسباً عثمانی تھے، مؤلف رسالہ نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ سیدنا عثمان بن عفان کا انتقال ہو گیا ہے، اور میں ان کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ یہ میری رحلت کا اشارہ ہے، میں ان کی اولاد ہوں، یہ خواب انھوں نے مغرب کے وقت بیان کیا تھا، اور مولانا خالد نے عشاء کی نماز پڑھ کر وصیت فرمائی، اور جانشین بنایا، گھر میں تشریف لے گئے اسی رات طاعون کا حملہ ہوا، اور انتقال فرما گئے۔

حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے اصل جانشین اور ان کے سلسلہ کو چار دانگ عالم میں پھیلانے والے ان کے خاص تربیت یافتہ خاندان مجددی کے چشم و چراغ حضرت شاہ احمد سعید ابن شاہ ابو سعید (۱۲۱۶ھ - ۱۲۷۷ھ) تھے، جنھوں نے اپنے والد حضرت شاہ ابو سعید کی وفات کے بعد ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے سجادہ کو رونق بخشی اور کامل ۲۳ برس (۱۲۵۰ھ - ۱۲۷۳ھ) تک سرگرمی سے سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں سرگرم رہے، اور اسی سال (۱۸۵۷ء) میں مجبوراً ہندوستان اپنے آبا و اجداد کی خانقاہ کو خیر باد کہا، اور محرم ۱۲۷۴ھ میں دہلی سے روانہ ہو کر شوال ۱۲۷۴ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے، پھر مدینہ طیبہ میں مستقل طور پر قیام اختیار کیا اور دو سال بقید حیات رہ کر وہیں آسودہ خاک ہوئے، دو سال کے اس قلیل عرصہ میں ترک اور عرب سیکڑوں کی تعداد میں آپ سے بیعت ہوئے ایک شاہد علیہ کے بقول "اگر آپ کی حیات وفا کرتی" اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو آپ کے

۱۷ سال احسام ہندی ۳۱۵-۳۲۵، مولانا کا سلسلہ شام و ترکی میں اب تک موجود ہے میں نے دمشق و حلب و ترکی میں سلسلہ کے متعدد مشائخ کبار کی زیارت کی ہے۔ ۲ مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ الخواطر، نقاباً خیر از مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی

مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے "مناقب احمدیہ میں اسی حضرات کے نام مذکور ہیں، ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت ایک طرف شیخ دوست محمد قندھاری کے ذریعہ ہوئی جن کے خلیفہ اعظم خواجہ عثمان دامانی (م ۱۳۱۲ھ) نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضا کو عشق کی حرارت اور نسبت نقشبندیہ کی سکینت سے معمور و مخمور کر دیا ان کے خلیفہ اعظم خواجہ سراج الدین (م ۱۳۳۳ھ) نے اس سلسلہ کو دوز تک پہنچا دیا، اللہ نے ان کو وجاہت عظیم عطا فرمائی، اور انھوں نے ارشاد و تربیت اور عزم استقامت و اشتغال بالحدیث کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کے سجادہ کو آباد رکھا، خواجہ سراج الدین کے خلیفہ مفسر قرآن اور داعی الی التوحید و الی بچھراں کے مولانا حسین علی شاہ صاحب (۱۲۸۳ھ - ۱۳۶۳ھ) ہوئے ان سے اس پیمانہ پر اصلاح عقائد کا کام ہوا، اور توحید خالص کا آواز بلند ہوا جس کی نظیر اس زمانہ میں شکل ہے۔ اسی زمانہ میں سلسلہ مجددیہ کے ایک بڑے شیخ شاہ امام علی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۸۲ھ) مکانوئی تھے، جن کے رجوع عام و مقبولیت کا حال یہ تھا کہ ان کے باورچی خانہ میں روزانہ مہمانوں کے لئے تین سو بکرے ذبح ہوتے تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت عبدالاحد محدث معروف بشاہ گل کے ذریعہ مجددیہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک جلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ سید عبدالسلام صاحب واسطی ہسوی (۱۲۳۴ھ - ۱۲۹۹ھ) تھے جو بڑے عالی نسبت و صاحب استقامت شیخ تھے، اور جن سے صوبجات متحدہ میں طریقہ کی اشاعت ہوئی۔

۱۔ مکتوب شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعید بنام مولانا سید عبدالسلام ہسوی۔ ۲۔ تالیف شاہ محمد مظہر علی ضلع میانوالی مغربی پنجاب۔ ۳۔ مکان شریف ضلع گردا پور میں ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام رتر چھتر ہے۔ ۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ بے مثل راجگان راجور از مرزا ظفر اللہ خاں ص ۵۰۵-۵۲۱۔ ۵۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزمہ الخواطر ج ۷

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک فرزند حضرت شاہ عبدالرشید تھے (۱۲۳۶ھ - ۱۲۸۶ھ) جن سے نواب کلب علی خاں والی رامپور نے تربیت حاصل کی، اپنے والد ماجد کے بعد مدینہ منورہ میں ان کے جانشین و قائم مقام ہوئے، آخر میں مکہ مکرمہ آگئے تھے، اور وہاں طالبین کی تربیت میں مشغول رہ کر راہی ملک بقا اور جنت المعلا میں آسودہ خاک ہوئے، آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد معصوم (۱۲۶۳ھ - ۱۳۲۱ھ) نے رامپور میں خانقاہ معصومی کی بنیاد رکھی، ۳۲ سال رامپور میں قیام رہا اور ۱۳۲۱ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے دوسرے فرزند شاہ محمد مظہر (۱۲۵۸ھ - ۱۳۰۱ھ) بڑے قوی النسبت اور کثیر الارشاد بزرگ تھے، ہمدرد، بخارا، قزاق، ارض روم، افغانستان و ایران، جزیرۃ العرب اور شام کے صد ہا طالبین راہ خدا فیض یاب ہوئے، ۱۲۹۹ھ میں مدینہ منورہ میں نہایت عمدہ سے منزلہ خانقاہ تعمیر کی جو رباط مظہری کے نام سے مشہور ہے، یہ باب النساء اور جنت البقیع کے درمیان واقع ہے۔ تیسرے صاحبزادہ شاہ محمد عمر تھے (۱۲۵۴ھ - ۱۲۹۸ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی تھے۔

حضرت شاہ عبدالغنی

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے برادر خورد لیکن عالی مرتبت بھائی، محدث جلیل حضرت شاہ عبدالغنی (۱۲۳۵ھ - ۱۲۹۶ھ) جنھوں نے درس حدیث اور سلوک و تصوف کو اس طرح جمع کیا جس کی نظیر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ذات کو مستثنیٰ کر کے ملنی مشکل ہے، لہ آپ کے فرزند مولانا ابو سعید بقید حیات ہیں۔

دولت باطنی اور نسبت مجددی کے حامل اور شیخ کامل ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں اتاد الہند اور شیخ وقت تھے، جن کے حلقہ تدریس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے علمائے اعلام تیار ہوئے اور ہندوستان میں حدیث کا سکہ رواں ہوا اور دیوبند و مظاہر علوم کے جیسے عظیم مدارس تدریس حدیث کے مرکز قرار پائے، ۱۸۵۶ء کے ہنگامہ رنجیز میں وہ بھی اپنے برادر معظم کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر گئے اور مدینہ طیبہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور علامہ شیخ علی متقی صاحب کفر العمال کی سنت کو زندہ کر کے جو پین تشریف میں مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے اور عرب و عجم کو فیض پہنچا کر بقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

شاہ عبدالغنی صاحب کے تین نامور خلفاء مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر کی جو صاحب الدلائل کے نام سے مشہور ہیں (م ۱۳۳۳ھ) شاہ ابوالاحمد مجددی بھوپالی (م ۱۳۴۲ھ) اور حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی ہنتم اول دارالعلوم دیوبند (م ۱۳۰۵ھ) (جن سے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی (م ۱۳۶۴ھ) کو خلافت حاصل تھی) انھیں کے خلیفہ و مجاز تھے، حضرت شاہ احمد سعید اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کے بعد یہ خانقاہ والا شان جو نصف صدی سے زائد تک آباد و معمور تھی خالی ہو گئی، بالآخر لے ان کے شاگرد رشید شیخ محمد کبیری تہمتی نے ان کے اور ان کے شاخ کے حالات میں عربی میں مستقل کتاب لکھی ہے، اس کا نام "الیانح البحنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی" ہے اور وہ ایک ہندوستانی اہل فہم کی عربیت و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔

۲۔ مصنف کی نظر سے مولانا سید عبدالسلام ہسوی کا ایک خط گذرا ہے جو موصوف نے ایک ایسے صفا کو جواب میں لکھا تھا جنھوں نے ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد خانقاہ کے خالی ہو جانے کا شکوہ کیا ہے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے مدینہ طیبہ سے جواب دیا کہ مولانا سید عبدالسلام صاحب ہسوی کو لے جاؤ اور ہماری جگہ بیٹھاؤ اس وقت وہ اس جگہ پر بیٹھنے کے سبب زیادہ اہل ہیں۔

اسی خاندان والا شان کے چشم و چراغ اور اس سلسلہ کے ایک حلیل القدر شیخ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی (۱۲۴۲ھ - ۱۳۴۱ھ) نے جو شاہ احمد سعید صاحب کے صاحب نسبت و باکمال پوتے تھے، اس کو آباد کیا، اور جلد وہ خانقاہ پھر مرجع خلایق بن گئی۔

حضرت مجدد کا خاندان والا شان چوتھی پانچویں پشت کے بعد ہند سے نکل کر اطراف عالم میں منقسم ہو گیا اس میں اسلاف کرام کی قبور کی مجاوری سے حفاظت کے علاوہ (جس کے بہت سے مفاسد تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں) حضرت مجدد کے طریق کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے بہت سے مصاحب مضمحل تھے چنانچہ ایک شاخ کابل میں (جس کا آخری مرکز قلعہ جواد تھا) عزت و وقار اور افادہ و ارشاد کے ساتھ مقیم رہی، حضرت نور المشائخ شیخ فضل عمر مجددی معروف بہ بشیر آغا اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، جن کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، اور ہند و پاکستان میں پھیلے ہوئے تھے، ان کے برادر اصغر شیخ محمد صادق مجددی مشرق وسطیٰ میں افغانستان کے سابق سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن اپنے علم و صلاح و تقویٰ اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی و قائدانہ کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں امیران الشراک کو تخت تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور نادر شاہ تخت نشین ہوئے۔

۱۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات خیر از مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر ۲۔ افسوس ہے کہ روسی افواج کی یلغار اور اشتراکیت نواز افغانی حکومتوں کی دستبرد سے یہ مرکز تاراج اور اس کے آباد رکھنے والے علماء و مشائخ اسیر و جلاوطن ہوئے خاکسار مصنف نے ۱۹۷۳ء کے دورہ افغانستان دایران میں اس مرکز کو آباد و گلزار دیکھا تھا، اور مولانا محمد ابراہیم نور المشائخ کی بزرگادہ عنایتوں سے مشرف ہوا تھا۔ ۳۔ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا اقم اکروف نے مکہ معظمہ اور لاہور میں ان کی زیارت کی ہے ۴۔ دریائے کابل سے دریائے بیرون تک ز مصنف ۱۳۴۲ھ

سندھ میں بھی اس خاندان کی ایک موقر شاخ قصبہ ٹنڈہ سائیں دادجید رآباد سندھ میں مقیم تھی، اسی شاخ میں خواجہ محمد حسن مجددی اور ان کے صاحبزادہ حافظ محمد ہاشم جان مجیدی معروف و ممتاز تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں بھی مجددی خاندان کی شاخیں موجود ہیں، اور وہ صنع داری اور اپنی خاندانی روایات کے ساتھ معاش و معاد کے شریفانہ مشاغل میں مشغول اور نیک نام ہیں۔

سلسلہ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار

حضرت سید آدم بنوری اگرچہ حضرت مجددی کے طریقہ عالیہ کے خوشہ چیں اور ان کے آغوش تربیت کے پروردہ ہیں، لیکن اپنی استعداد عالی اور فطرت ارجمند کی بنا پر سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں بھی ایک خاص رنگ کے حامل اور ایک (ذیلی) طریقہ کے بانی ہیں، جس کو بہت سی مجتہدانہ خصوصیات کی بنا پر "طریقہ احسنیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حکمت الہی کی یہ جلوہ گری تھی کہ جس خانوادہ عالی کی بنیاد ایلک می کے ہاتھ سے پڑی اس کے حصہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء، محدثین، اساتذہ وقت، ناشرین کتاب و سنت، داعی و شرح، مصلح عظیم مدارس دینیہ کے بانی اور مصنف و محقق آئے اور وہ اس بائے میں بھی اپنے جدا مجد کی سنت کے پیرو اور ان کی میراث کے وارث ہیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز داعی الی اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا محمد اسمعیل شہید، مسند الہند حضرت شاہ اسحق دہلوی، بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، عالم ربانی مولانا رشید گنگوہی لہ راقم نے ۱۹۵۷ء میں حضرت شاہ محمد حسن مجددی کی ان کے قصبہ اور خانقاہ میں زیارت کی وہ صاحب علم و تصنیف بزرگ تھے، مولانا حافظ ہاشم جان کی نظام الدین دہلی میں آمد و رفت تھی، اور راقم کے وطن دائرہ شاہ علم اللہ رائے پری میں بھی ایک بار تشریف لائے ہیں، رحمہ اللہ، کامل و نڈہ سائیں ادکی دونوں مجددی شاخیں حضرت غلام محمد معصوم شہر معصوم ثانی پر جا کر مل جاتی ہیں، جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے پوتے تھے۔

اسی سلسلہ احسنیہ کے شیوخ کبار کے ذریعہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور اس میں حساب اجازت و خلافت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے طرق تصوف کے مبصر اور نسبتوں کے رمز شناس حضرت سید آدم بنوری کے متعلق بڑے بلند الفاظ لکھتے ہیں، اور ان کو سلوک و احسان کے فن کے مجتہدین اور مستقل سلسلوں کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت سید آدم بنوری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ان کا استقصاء اس مختصر باب میں مشکل ہے، "نزہتہ الخواطر" میں حسب ذیل حضرات کے نام آئے ہیں جن کو حضرت سید آدم بنوری سے نسبت و ارادت اور بعض کو خلافت و اجازت حاصل تھی، دیوان خواجہ احمد نصیر آبادی (م ۱۰۸۸ھ) شیخ بائزید قصوری (م ۱۰۹۹ھ) شاہ فتح اللہ سہانپوری (م ۱۱۱۸ھ) شیخ سعد اللہ بلخاری لاہوری (م ۱۱۰۵ھ) لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت حسب ذیل چار خلفاء سے ہوئی جو ان کی مجتہدانہ تربیت و تعلیم کا نمونہ اور ان کی یادگار تھے، حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (۱۰۳۳ھ) حضرت شیخ سلطان بلیاوی، حضرت حافظ سید عبداللہ کبر آبادی، شیخ محمد شریف شاہ آبادی (۱۰۹۶ھ)۔

حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان

حضرت سید شاہ علم اللہ کے متعلق حضرت سید نے ہجرت کے وقت فرمایا تھا کہ "سید

لہ ان کے ایک بڑے خلیفہ عبدالنبی (شام جو راسی ضلع جالندھر) تھے جو اپنے زمانہ کے بڑے عارف قوی النسبت شیخ تھے اور جن کی ولایت و جلالت شان پر اس زمانہ کے لوگوں کا اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں ان کا ایک لطیف مکتوب نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہتہ الخواطر" ج ۶

۱۲

از مصنف تذکرہ شاہ علم اللہ از مولوی محمد اکبری مرحوم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفساں حافلین میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو

خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت مشائخ اودھ میں ایسی ہوگی جیسی تاراؤ
 میں آفتاب کی "خواجہ محمد امین بدخشی کی جو حضرت سید آدم بنوری کے مجاز و مقرب ہیں ان کے
 متعلق شہادت ہے کہ "دنیا کی بوجہی اپنے پاس نہیں آنے دیتے ہندوستان و عرب میں بھی ان کے
 تقویٰ و استقامت کا غلغلہ ہے..... اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام
 ایسے ہی ہوں گے" صاحب "بحر خاثر" نے آپ کے تذکرہ میں یہ لفظ لکھے ہیں "مجاہد اتیکہ ازاں یگانہ"
 زمانہ درباب نفرت دنیا با اتباع طریقہ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام در دیگر اولیاء امت
 متاخرین کم تر یافتہ می شود" ان کا بیان ہے (جب آپ نے سفر حج فرمایا تو) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ
 کے لوگ آپ کی اس قوت عمل کمال اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ "ہذا کابی ذی"
 یعنی شاہ علم اللہ صاحب اس زمانے میں ابوذر غفاریؓ کا نمونہ ہیں اور یہ فقہ حرمین میں نہایت
 ہو گیا تھا، اس اتباع کامل کا نتیجہ تھا کہ انتقال کی شب کو عالمگیری نے خواب دیکھا کہ آج کی
 رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش
 ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ اس رات سید شاہ علم اللہ کی وفات ہوئی
 ہوگی کہ وہ اتباع سنت میں رسول اللہ کے قدم بقدم تھے، سرکاری وقائع نگار کی اطلاع
 سے معلوم ہوا کہ اس شب کو جناب ممدوح نے انتقال کیا۔

آپ کے خاندان میں سلسلہ احذیہ مسلسل طریقہ پر جاری رہا جس میں آپ کے فرزند
 چہارم حضرت سید محمد (م ۱۱۵۶ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل
 صاحب (م ۱۱۹۲ھ) حضرت سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن شاہ علم اللہ (م ۱۱۶۳ھ)
 لے نتایج اکرمین بوالہ شیخ عبدالحکیم سے بحر خاثر از شیخ وجیہ الدین اشرف میں مفصلاً اور در المعارف مجموعہ ملفوظات
 حضرت شاہ غلام علی مرتضیٰ حضرت شاہ رؤف احمد مجددی ص ۱۰۶ میں مجملاً اس روایے سے صاف ذکر ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید ابن سید محمد ضیاء ابن سید آیت اللہ بن علم اللہ (م ۱۱۹۳ھ) حضرت سید
 محمد واضح ابن سید محمد صابر مولانا سید محمد ظاہر حسنی (م ۱۱۴۵ھ) مولانا سید خواجہ احمد بن حسین
 نصیر آبادی (م ۱۲۸۹ھ) اور حضرت شاہ ضیاء النبی (م ۱۳۲۶ھ) بڑے پائے کے بزرگ اور
 عالی مرتبت مشائخ گذرے ہیں جن سے ہزار ہا انسانوں کو ایمان و احسان کی دولت عمل بالشریعت
 اور اتباع سنت کی توفیق حاصل ہوئی۔

شیخ سلطان بلیاوی

حضرت سید آدم بنوری کے دوسرے خلیفہ اجل حضرت شیخ سلطان بلیاوی تھے،
 نتایج اکرمین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید آدم کے خلفاء کبار میں تھے، اکثر ان کا نام حضرت
 شاہ علم اللہ صاحب کے ساتھ آتا ہے۔

حافظ سید عبد اللہ اکبر آبادی اور سلسلہ ولی اللہیہ

حضرت سید آدم بنوری کے تیسرے خلیفہ اجل جن سے ان کے سلسلہ کی سب سے
 زیادہ اشاعت ہوئی حافظ سید عبد اللہ اکبر آبادی تھے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ
 دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی (م ۱۱۳۱ھ) انھیں کے خلیفہ و
 لے آپ کی وفات تیرہویں صدی کی ابتدا میں ہوئی۔ ۱۱۵۰ حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ النواظر ج ۶-۷،
 ۱۱۵۰ یہ بلیا صوبہ بہار میں گنگا کے کنارہ آباد تھا اب بیکر کھینیا ضلع بیگنور کے نام سے معروف ہے، ہونگیر کے
 مقابل دریا کے دوسرے کنارہ پر ہے۔ ۱۱۵۰ افسوس ہے کہ ان کے حالات و ملفوظات محفوظ نہیں رہے
 اب اس قصبہ میں ان کا خاندان آباد ہے۔

تربیت یافتہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا سلسلہ جس میں حضرت سید احمد شہید اور پھر ان کے توسط سے حضرت حاجی عبدالرحیم شہید ولایتی، میاں نجی نور محمد چھبھنجا نوبی اور ان کے توسط سے شیخ العرب العجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور ان کے خلفاء مولانا محمد قاسم نالوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی کے وساطت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت شاہ عبدالرحیم کے خلفاء میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، اور مولانا خلیل احمد صاحب کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی سلسلہ تبلیغ نظام الدین اور حضرت شیخ اکبریت مولانا محمد کریا صاحب کو سلسلہ احسنیہ مجددیہ سے انتساب ہے اور وہ اس طریقہ میں مجاز و صاحب رشاد ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے متعلق اس باب میں کچھ لکھنا تو ممکن نہیں کہ سہ

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

ان کا تذکرہ تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک مکمل جلد کا طالب ہے جو شاید اس سلسلہ کی پانچویں جلد ہو، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت گذر چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق حضرت شاہ غلام علی صاحب نے مقامات مظہری میں مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:-

”شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نئے طریقہ کی وضاحت فرمائی ہے، حقائق و معارف کے اسرار اور“

لے حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی کے فضائل و مناقب کے لئے ملاحظہ ہو انفاس العارفین ص ۱۵۵ حضرت شاہ عبدالرحیم کے حالات و کمالات کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین تصنیف فرمائی اور تفصیل کے ساتھ ان کا اور ان کے خاندان کا تذکرہ فرمایا، یہ کتاب ۱۳۳۵ھ مطبع مجتہبی میں طبع ہوئی ملاحظہ ہو ص ۱۵۵ تا ۱۷۰

علوم کے دقائق و غوامض کے بیان کرنے میں ان کا ایک خاص اسلوب ہے، علماء میں وہ ربانی کے لقب کے مستحق ہیں،.... ان صوفیاء محققین میں بھی..... جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے، ایسے لوگ انگریزوں پر شمار کرنے کے قابل ہیں جنہوں نے ان کی طرح نئے علوم و مضامین کے بارہ میں زبان کھولی ہے

امام محقولات علامہ فضل حق خیر آبادی نے جب شاہ صاحب کی تصنیف ”ازالۃ الخفا“ دیکھی تو اپنے تلامذہ کے سامنے بر ملا کہا کہ ”اس کتاب کا مصنف ایک بحرِ زخار ہے جس کا ساحل نظر نہیں آتا“ عالم جلیل مفتی عنایت احمد کاکڑوی کا مقولہ ہے کہ ”شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال شجرہ طوبیٰ کی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے، اور اس کی شاخ ہر مسلمان کے گھر میں ہے، جہاں تک حضرت شاہ عبدالعزیز کا تعلق ہے، ان کی جامعیت، محقولات، منقولات، فنون ادبیہ میں کیسا مہارت، قوت تدریس، اشاعت علم حدیث، افاضہ باطنی، حسن تربیت، قدرت تصنیف، حلالت کلام و وسعت اخلاق، ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے دلسوزی و درد مندی اور کثرت فیضان میں ان کی نظیر دور دور مشکل ہے۔“

حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت

جہاں تک حضرت سید احمد شہید کا تعلق ہے جن کا خصوصی تعلق سلسلہ احسنیہ مجددیہ سے تھا، تو ان کے حالات پر ضخیم کتابیں تیار ہو چکی ہیں، جن میں سید احمد شہید از مولانا غلام رسول تہر (۱، ۲، ۳، ۴) اور سیرت سید احمد شہید از مصنف (۱، ۲) کا مطالعہ کافی

لے مقامات مظہری مطبوعہ مطبع احمدی ص ۶۱۱۶ ۶۱۱۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر ج ۶

۳ حالات و کمالات کی قدرے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر ج ۷

ہے، ان کا اس عہد اور ہندوستان کی تاریخ پر جو گہرا اثر پڑا، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق، اشاعت اور حفاظت اسلام کا جو عظیم الشان کام لیا اس کے متعلق چند شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس عہد کے ایک صاحب نظر عالم مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:-

”حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے، اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ زمین پر جاری ہے، اس سلسلہ میں کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں“

مشہور عالم ربانی مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

”ہزار ہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزار ہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے توبہ کی پانچ چھ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے“

ہندوستان کے شہرہ آفاق مصنف و مؤلف نواب سید صدیق حسن خاں والی بھوپال (م ۱۳۰۴ھ) جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور ان کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، تقصیر جو دلائل حرا میں لکھتے ہیں:-

”خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک بڑی دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں“

لے مصنف کے مختصر رسالہ تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ کا مطالعہ بھی اس سلسلہ میں مفید ہوگا۔

۱۱۱ سوانح احمدی ۱۱۱ رسالہ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعة از مولانا ولایت علی عظیم آبادی ص ۶۵

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں گیا، اور وہ نہیں اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے ان کا عشرہ عشر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہنچا“

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، سید صاحب ہی کے واسطے سے اکابر دیوبند و بزرگان صادق پور سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور صاحب اجازت و خلافت ہیں، ان حضرات سے اس تختی برآگم میں علوم دینیہ کی جو اشاعت مدارس کا جو قیام اور دعوت و اصلاح کا جو عظیم الشان کام عمل میں آیا اور جس سے کوئی صاحب انصاف انکار نہیں کر سکتا، وہ سب بھی حضرت مجدد الف ثانی کی تجدید و اصلاح کے نتائج اور اس کے ثمرات و برکات کی فہرست میں شامل ہیں، کہ انہوں نے ہی گیارہویں صدی کے پُر آشوب دور کے آغاز میں اس کا راستہ ہموار کیا اس کے لئے سازگار حالات اور فضا پیدا کی دلوں میں اس کا جذبہ اور ولولہ بیدار کیا، اور ایک ایسی جماعت یا دگار چھوڑی جس نے اپنے سوزدروں اور نور باطن سے دین کی اس شمع کو روشن و فروزاں رکھا اور پھر دیئے سے دیا جلتا رہا، اور اس ملک میں پھر کفر و جہالت اور شرک و بدعت کی تاریکی اس طرح پھیلنے نہیں پائی، جیسی کہ دسویں صدی کے آخر میں دیکھنے والوں کو نظر آ رہی تھی، ان سے بلا واسطہ اور بالواسطہ نسبت رکھنے والی جماعت کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ

آغشتہ ایم ہر سرخا سے بخون دل قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

لے صادق پور پٹنہ کا ایک مشہور محلہ ہے جو سید صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک جہاد و اصلاح کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جس نے اس کام کو آخر وقت تک جاری رکھا اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قربانیاں دیں، حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی مولانا یحییٰ علی مولانا احمد اللہ، مولانا عنایت علی غازی، مولانا عبداللہ امیر جماعت مجاہدین (حیرت مند) اور مولانا

عبدالرحیم صادق پوری اس کے ممتاز فرد تھے، من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ فمختم من قہم من قہم متقی ینتظرو ما یأتیہم لولایتہم لا۔

حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل

ہم آخر میں حضرت مجدد کی تصنیفات کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان کے مفصل تعارف کے لئے ناظرین کو مولانا سید زوار حسین شاہ کی فاضلانہ تصنیف "حضرت مجدد الف ثانی" کے مضمون^۱ "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف عالیہ" کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے جس میں فاضل مصنف نے ان تصانیف عالیہ میں سے ہر ایک کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور ان کے متعلق بیش قیمت مواد جمع کر دیا ہے۔

۱۔ اثبات النبوة (عربی) اس کے قلمی نسخے مجددی خاندان کے کتب خانوں اور خانقاہوں میں محفوظ چلے آ رہے تھے، کتب خانہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۳ھ میں اصل عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعیدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے ساتھ اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

۲۔ رد و افض "یہ رسالہ بعض ایرانی شیعہ علماء کے رسالہ کے جواب میں ہے، یہ رسالہ غالباً ۱۲۸۵ھ کے قریب لکھا گیا ہے، اس رسالہ کے بعض مضامین دفتر اول مکتوب ۱۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں، اس رسالہ کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں بہت سے مطالع نے شائع کیا، حشمت علی خاں صاحب نے ۱۳۸۲ھ میں رامپور سے اس کا فارسی متن پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعیدیہ مجددیہ لاہور نے فارسی متن علیحدہ اور اردو ترجمہ علیحدہ شائع کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جو طبع نہیں ہوئی۔

۱۔ شائع کردہ ادارہ مجددیہ ۲/۵ ایچ ناظم آباد کراچی ۶۷۶-۶۸۶

۳۔ رسالہ تہلیلہ (عربی) یہ رسالہ ۱۲۸۵ھ میں مرتب ہوا، اس کے صرف قلمی نسخے پائے جاتے تھے، ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۵ھ میں عربی متن مع اردو ترجمہ اور ادارہ سعیدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں صرف عربی متن دیگر رسائل کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ "شرح رباعیات" اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی حضرت خواجہ کے قلم سے شرح اور حضرت مجدد صاحب کے قلم سے شرح الشرح ہے، ادارہ سعیدیہ مجددیہ لاہور اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی کی طرف سے علی الترتیب ۱۳۸۵ھ اور ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا، اس شرح رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی شرح فرمائی ہے، جو کشف الغیب فی شرح رباعیات کے نام سے مطبع مجتہد دہلی سے ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۵۔ "معارف لدنیہ" (فارسی) یہ حضرت مجدد کے معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث پر مشتمل ہے، جس کو خود حضرت ہی نے ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا تھا، ہر مضمون کو "معرفت" کا عنوان دیا گیا ہے، ان معارف کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے، اس رسالہ کا فارسی متن سب سے پہلے حافظ محمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا، پھر مجلس علمی ڈابھیل، حکیم عبدالمجید سیفی، ادارہ سعیدیہ مجددیہ اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی لاہور نے مختلف سینن میں شائع کیا۔

۶۔ "مبدأ و معاد" (فارسی) یہ رسالہ حضرت مجدد کے علوم و معارف پر مشتمل ہے، اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے، جن کو حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی نے ۱۰۱۹ھ میں بدون و مرتب فرمایا، اور اس کے مضامین کو "منہا" کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، ان مضامین کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے، مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۴ھ کا مطبوعہ ہے، پھر متعدد بار مختلف سینن میں شائع ہوتا رہا، آخری بار ۱۳۸۵ھ میں

ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن مولانا سید زوار حسین شاہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، اس رسالہ مبداء و معاد کا عربی ترجمہ شیخ مراد کی قلم سے مکتوبات معرب مطبوعہ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

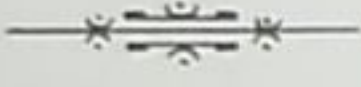
۷۔ "مکاشفات عینیہ" یہ مجموعہ حضرت مجدد کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے، جو بعض خلفاء نے محفوظ کر لئے تھے، حضرت مجدد کی وفات کے بعد مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۹۱۵ء میں ان کو مرتب فرمایا، یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۸۲ء میں شائع کیا۔

۸۔ "مکتوبات امام ربانی" یہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی علمی، اصلاحی و تجدیدی یادگار اور ان وہی کمالات مجتہدانہ و مجددانہ مقام تحقیق و معرفت اور ان کے دلی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے، جن کی بنا پر ان کو مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا، اس کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ہندوستان کے فارسی ادب میں (جس کی اہمیت کو "سبک ہندی" کا طعنیہ نام دے کر کم نہیں کیا جاسکتا) اس کا مقام متعین کرنے اور اس کے علوم و معارف کی نقاب کشائی کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، یہ کتاب ہندوستان کی ان منفرد تصنیفات میں شامل ہے، جن سے بیرون ہند کے بلند پایہ فضلاء اور راسخین فی العلم نے پورا اعتنا کیا، اس کے عربی و ترکی زبان میں ترجمے ہوئے، علمی و روحانی مرکزوں کے نصاب درس میں شامل ہوئے، اہل علم اور اہل سلوک نے اس کو جزیر جان بنایا اور اس کی تازگی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا۔

مکتوبات کی مجموعی تعداد ۵۳۶ ہے، وہ تین دفتروں پر مشتمل ہے، دفتر اول ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے، اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی کے ایہاء سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا

یار محمد جدید بخشی طالقانی نے ۱۹۲۵ء میں مرتب فرمایا، دفتر دوم ننانوے مکتوبات پر مشتمل ہے اور اس کو مولانا عبدالحی حصاری شادمانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے ارشاد پر ۱۹۲۸ء میں مرتب کیا، دفتر سوم ایک سو چودہ مکتوبات پر مشتمل ہے، اس کو آپ کے مشہور خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۹۳۱ء میں مرتب کیا، بعد میں..... دس مکاتیب جو بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں، اس میں شامل کر دیئے گئے، اور اس دفتر کے جملہ مکتوبات کی تعداد ۱۲۴ ہو گئی۔

مکتوبات کے متعدد ایڈیشن مختلف وقتوں میں شائع ہوئے، پہلا ایڈیشن غالباً مطبع نو لکھنؤ لکھنؤ کا ہے، اس کے بعد متعدد ایڈیشن اسی پریس سے شائع ہوئے، اس کے بعد مطبع احمدی دہلی، مطبع مرتضوی دہلی سے بار بار شائع ہوا، ۱۳۲۹ء میں مولانا نور احمد قمری نے بڑے اہتمام سے اس کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔



۱۔ ملخص و مقتبس از کتاب "حضرت مجدد الف ثانی" از مولانا سید زوار حسین شاہ۔

INDEX

اشکالیہ

(انڈیکس: "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ پہلوا)

مرتبہ

محمد عیاش الدین ندوی

شخصیات

(الف)

۳۶۳، ۳۵۷، ۳۵۱، ۳۲۰	ابن قارص	۲۰۷	سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام
۲۸۳	(امام) ابن ماجہ قزوینی	۳۹۴، ۳۱۹	(حضرت) ابوذر غفاریؓ
۶۸	(شاہ سپہ) ابو احمد مجددی	۳۹۰، ۳۸۳، ۱۹۰	(طا) ابراہیم بن حسن کورانی مدنی
۳۷۰، ۳۸۳، ۱۹۰	(شیخ) ابو بکر بن عبد اللہ	۳۶۹، ۳۵۷، ۳۵۶	ابراہیم بن ناصر
۳۷	(حضرت) ابو بکر شبلی	۱۳۴	(الحاج) ابراہیم سرہندی
۲۵۶	(شیخ) ابو بکر عیدروسی	۱۳۸	(شیخ) ابراہیم غلامی
۲۸۲	ابوتراب	۱۹۰	(خواجہ) ابراہیم قبادیانی
۷۹	(مولانا) ابوالحسن زید فاروقی مجددی	۲۲۵، ۲۱۴، ۲۰۸	۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۲، ۲۲۹
۲۶	۳۹۱، ۲۸۸، ۲۷۶، ۱۸۰، ۱۳۳	۳۲	(سلطان) ابراہیم لودھی
۲۶	ابوالحسن شافعی بکری	۳۰۴	(شیخ) ابراہیم محدث اکبر آبادی
۲۷	ابوالحسن نوری	۴۳	(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ
۲۵۶	(امام) ابو حنیفہ	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۲۵۶، ۱۸۲، ۱۴۱	(علامہ) ابو حیان نفسر	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۲۷۶	(علامہ) ابو حیان نحوی	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۴۳	(شاہ) ابوالخیر مجددی	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۳۹۱، ۳۸۹، ۲۶	(شیخ) ابوالخیر میدانی	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۱۹۰	(امام) ابوداؤد سجستانی	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۱۹۱، ۶۸	(حافظ) ابو زرہ	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۲۷۷	(شیخ محمد) ابو زرہ	۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی
۱۹۷		۲۷۶، ۲۳	(علامہ) ابن حجر عسقلانی

۳۱۹	(امام) احمد بن حنبل	۲۲۱، ۳۵	(مفتی) ابوالسعود
۳۰۷	احمد بن محمد حسینی غزنوی	۷۸	(سلطان) ابوسعید
۴۴	(علامہ) احمد بن محمد قسطلانی	۱۹۵، ۱۸۹، ۳۸۷، ۳۸۴	(شاہ) ابوسعید
۱۳۵، ۱۳۴	احمد بن یوسف	۳۵۵-۵۷	(شیخ) ابوطاہر کردی
۱۳۴	احمد حسین خاں	۶۸	(حافظ) ابو عبد الرحمن نسائی
۳۸۵	(سرسید) احمد خاں	۱۵۳	(امیر) ابوالعلماء اکبر آبادی
۳۷۱	(مولانا) احمد دہلوی	۶۸	(امام) ابوعلیٰ ترمذی
	(حضرت مجدد الف ثانی) احمد سرہندی پوری کتاب	۳۳۷، ۳۰۵	(امیر) ابو الفتح
۱۳۸	(مفتی) احمد سرہندی	۱۳۴	ابو الفتح ابن اسحاق
۳۸۷-۹۱، ۱۸۹	(شاہ) احمد سعید	۹۶، ۲۵	(حکیم) ابو الفتح گیلانی
۳۰۱، ۲۵۸، ۱۶	(حضرت سید) احمد شہید	۲۷۸	(شیخ) ابو الفتح نصر منجی
۳۹۶-۹۸، ۳۹۲		۹۹، ۹۷، ۹۶، ۸۴، ۷۳	ابوالفضل علامی
۳۵۶	(شیخ) احمد قشاشی	۱۹۳، ۱۴۶، ۱۳۱، ۱۱۴، ۱۱۱، ۱۰۱-۲-۱۰۶	
۷۳	(میر سید) احمد کاشی	۹۷	ابوالفضل گادرونی
۹۳	(شیخ) احمد گنگوہی	۲۴۸	(امام) ابوالقاسم قشیری
۳۹۹	(مولانا) احمد اللہ	۵۹	(مولانا) ابوالکلام آزاد
۳۹۵	(مولانا سید خواجہ) احمد نصیر آبادی	۲۴۸	(شیخ) ابوالنصر سراج
۱۵۰	(شیخ) احمد سیوی	۲۵۶، ۹۵	(قاضی) ابو یوسف
۵۴	انخوند درویزہ	۲۴-۲۳۹	(سید) احمد بکوارژہ
۳۰۲، ۳۰۱، ۱۶۷	(حضرت سید) آدم بنوری	۱۶۱	(شیخ) احمد برسی
۳۷۳-۷۵، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۱، ۳۲۹		۳۷۱، ۱۶۱، ۱۶۰	(مولانا) احمد برکی
۳۹۲-۹۵		۳۸۳	(شیخ) احمد بغدادی
۲۱۶	ارسطو	۳۶۱	احمد ایشی الشافعی

۳۸	بہاء الدین بن ابراہیم انصاری	۹۸، ۷۲، ۱۶	(حضرت خواجہ) باقی باشر
۱۵۰، ۱۴۹	(خواجہ) بہاء الدین نقشبند	۱۶۴، ۱۵۹-۶۱، ۱۵۳-۵۶، ۱۴۷-۴۹	
۱۴۵	(قاضی) بہلول بدخشان	۳۱۶، ۳۱۴، ۲۹۲، ۲۸۸، ۲۳۵، ۱۸۸	
۳۱۳، ۹۶، ۵۶	(راہجہ) بیرل	۴۰۱، ۳۶۳	
۱۰۶، ۱۰۴، ۱۰۳	بیرنگھ دیو	۸۱	(مولانا) یازید
۸۱، ۵۰	بیرم خان خاناں	۳۱۳، ۵۲-۵۵	یازید انصاری (پیرروشاں)
۳۸۱	(علامہ) بیہقی	۲۷۳	(حضرت) یازید بسطامی
	(پ)	۳۹۳	(شیخ) یازید قصوری
۸۶	پاپا		بدایینی دیکھئے عبدالقادر
۲۲۱، ۱۹۸	پارفری (PARPHYRY)	۲۸۲	(علامہ) بحر ق
۲۲۱، ۱۹۸	پراکلس (PROCLUS)	۱۳۸	(مولانا) بدرالدین
۲۲۱	پلاٹینس (PLOTINUS)	۱۸۷، ۱۸۱، ۱۷۶	(شیخ) بدرالدین سرہندی
۳۰۲	پیٹر ہارڈی (PETER HARDY)	۳۷۱، ۳۵۲	
	پیرروشاں دیکھئے یازید	۱۶۵، ۱۶۱	(شیخ) بدیع الدین سہارنپوری
	(ت) (ٹ) (ث)	۳۷۱، ۲۵۶	
۳۵۹، ۱۵۴	(شیخ) تاج الدین سلطان سنبھلی	۱۷۲، ۳۸	(شیخ) بدیع الدین مدارکن پوری
۳۸۰	(مولانا) تاج حسین بہاری	۳۳۴	(ڈاکٹر) برزیر
۴۳	(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن تقی العید	۶۰، ۴۹	برہان نظام شاہ
۲۷۸-۸۰	تمسانی	۹۶	برہم داس
۱۱۱	(راہجہ) ٹوڈرل	۳۸۳	(مولانا) بشارت الشہرہاچی
۳۸۱، ۳۵۲	(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی	۲۷۸	بلیانی
	(ج)	۱۰۵	بزرگی۔ ایس۔ رین
۳۲۸، ۳۲۲	جادونا تھ سرکار	۸۲	بہادر شاہ

۱۶۷، ۱۶۲، ۱۱۲-۱۴، ۱۰۰-۱۱۰، ۹۸	(ڈاکٹر) آرنلڈ	۱۷۷	
۳۱۷، ۱۴، ۳۰۳-۸، ۱۹۶، ۱۹۳، ۱۶۹	اے، سی چرچ	۱۱۳	
۳۴۴، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۲۳، ۳۱۶	اسٹینلی لین پول	۳۴۸	
۴۰	(شیخ) الشریح	۱۳۴	اسحاق بن عبداللہ
۱۴۱، ۱۳۸	(مولانا) الہ داد بن صالح سرہندی	۳۹۲	(شاہ) اسحاق دہلوی
۱۵۴	(شیخ) الہ داد دہلوی	۲۳	(مولوی) اسحاق جلیس ندوی
۳۹۶	(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی	۶۸	اسفندیار
۷۶، ۷۵	الیٹ (ELLIOT)	۷۳، ۶۸	اسکندر نشتی
۳۸۸	(شاہ) امام علی مکالوی	۳۹۲، ۲۵۸، ۱۶	(مولانا شاہ) اسماعیل شہید
۱۳۸	(مولانا) امان اللہ	۴۹، ۳۰	(شاہ) اسماعیل صفوی
۳۹۱	امان الشرخاں	۲۷۴	(قاضی) اسماعیل فرید آبادی
۳۷۱	(مولانا) امان اللہ ہوری	۶۰	اسماعیل نظام شاہ
۳۹۶	(حضرت حاجی) امداد اللہ ہاجرکی	۳۹۶	(حضرت مولانا) انشرف علی نھانوی
	(خواجہ) امکنکی دیکھئے محمد	۱۵۰	(مخدوم) اعظم دہبیدی
۲۲۴، ۲۱۸، ۲۱۷	امیتول کانٹ	۱۵۰	(شیخ) افتخار
۱۰۵	انٹونی مانسریٹ	۲۱۶	افلاطون
۳۹۵، ۳۹۴	(سید) آیت اللہ	۳۴۵، ۱۶۹	(علامہ) افضل خاں
۸۶	(ڈاکٹر) ایٹوری پرشاد	۲۱۷، ۱۹۳، ۹۰، ۲۰، ۱۵	(علامہ) اقبال
	(ب)	۳۴۸	
۱۵۰	(شیخ) بابا کبروی	۲۸۴	اقبال بن سابق سیستانی
۳۲، ۳۱	(سلطان ظہیر الدین محمد) بابر گورگانی	۳۲، ۳۰، ۲۵	(سلطان جلال الدین) اکبر
۲۱۲، ۱۶۳، ۹۰، ۸۲، ۷۸		۶۱، ۵۴، ۵۰، ۴۵، ۴۱، ۳۹، ۳۳	
۶۵	(ملا) باقر داماد	۹۳، ۹۶، ۸۹-۹۱، ۸۵، ۸۳، ۷۱-۸۱	

دارائنگوہ

۳۳۳-۳۵

(شہزادہ) دانیال

۱۰۰

(شیخ) دانیال

۵۶

(امام) داؤد ظاہری

۲۸۱

(شیخ) دوست محمد قندھاری

۳۸۸

دولت خاں لودھی

۳۲۲

(میجر) ڈیوڈ برائٹس

۱۰۶

ڈبلو، ایرج، مورلینڈ

۱۱۳

(شمس العلماء مولوی) ذکاء اللہ دہلوی

۳۶

۳۲۳، ۳۳۳، ۳۳۲، ۴۰

(س)

(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی

۴۷

(پادری) رادلف (RUDOLF)

۱۰۵، ۱۰۴

(امام) رازی

۹۵

(شیخ) راشد

۲۸۸

رانا سانگا

۹۰

رجاء بن حبوہ

۹۵

ریچرڈ برن (RICHARD BURN)

۳۳۳

(محدث) رحمۃ اللہ دہلی

۴۵

رستم

۷۰

(مولانا) رشید احمد گنگوہی

۳۹۶، ۳۹۲، ۳۹۰

(امام) رفیع الدین

۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۴

(شاہ) رفیع الدین دیوبندی

۳۹۰

(خ)

(حضرت) خضر

۲۸۶

(مولانا) خالد رومی کردی

۳۸۲-۸۷، ۱۸۹

(مولانا) خالد شہر زوری

۳۶۹

(مولانا) خالد نقشبندی

۱۸۹

خان اعظم مرزا کوکہ

۳۱۴، ۳۱۲، ۱۷۲، ۱۷۷

۳۲۰

خان جہاں لودھی

۳۱۴

خان خاناں دیکھے

عبدالرحیم

خان زمان

۷۷

(شہزادہ) خرم دیکھے

شاہ جہاں

(حاجی) خضر خاں افغانی

۳۷۱

خضر روحانی

۳۷۳

(حضرت مولانا) خلیل احمد سہانپوری

۳۹۶

(پروفیسر) خلیق احمد نظامی

۳۳۸، ۴۳، ۲۶

۳۶۱، ۳۳۹

خلیفہ عبدالحکیم

۲۱۷

(دیوان) خواجہ احمد نصیر آبادی

۳۹۳

خواجہ جہاں

۳۲۲

خواجہ خاں دیکھے

شاہ لواخان

خیر الدین زرکلی

۳۵۷، ۳۵۶

(س) (س) (س)

(مرزا) داراب

۳۲۸، ۱۶۷

(شیخ) حبیب اللہ بخاری

۳۷۳

حبیب اللہ بن امام رفیع الدین

۱۳۴

(خواجہ) حسام الدین احمد دہلوی

۱۷۴، ۹۸

۳۵۴، ۲۷۲

(شیخ) حسام الدین بدشتی

۱۵۴

(شیخ) حسن برکی

۱۶۲

(حضرت) حسن بصری

۱۴۷، ۶۴

حسن بن صباح

۶۸

حسن بن محمد مراد تونسلی

۳۶۱

(شیخ) حسن خاں

۱۶۴

(ملا) حسن کشمیری

۲۵۷، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۳۳

(شیخ) حسن عجمی ثم الکی

۳۵۵

(شیخ) حسین اجیمیری

۳۰۴

(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی

۳۹۶

حسین بن منصور حلاج

۳۶۳، ۲۷۳

(شیخ) حسین خوارزمی

۱۴۵، ۷۲

(مولانا) حسین علی شاہ

۳۸۸

(سید) حسین خنگ سوار

۷۷

(خواجہ) حسین مروی

۱۰۰

حشمت علی خاں

۴۰۰

حفص بن عاصم

۱۳۴

(شیخ) حمید بنگالی

۳۷۱، ۱۶۱

(مولانا) حیاتی کاشفی

۷۱

(مولانا عبد الرحمن) جامی

۲۸۴، ۷۸، ۶۷، ۶۵

(مرزا) جان

۳۸۱

(قاضی) جلال

۸۸، ۷۶

(سید) جلال الدین بخاری

۱۳۶

(علامہ) جلال الدین محقق دوانی

۴۵، ۴۴

(مولانا) جلال الدین رومی

۱۴۷، ۱۳۵، ۶۷

(علامہ) جلال الدین سیوطی

۴۷، ۴۳

جمال خاں تہمدوی

۶۰

(علامہ) جمال الدین ابوالکلیج مزنی

۴۳

(مولانا) جمال الدین تلوی

۱۵۹

(خواجہ) جمال الدین حسین

۲۹۵

(علامہ) جمال الدین محمد بن عبد الرسول بزرگنجی

۳۶۹، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۷، ۳۵۶

(رانی) جودہ بابائی

۱۰۸، ۱۰۷، ۷۷

(خان) جہاں خاں لودھی

۱۷۲، ۱۶۷

(سلطان نور الدین) جہانگیر

۷۷، ۷۸، ۳۳، ۳۰

۱۷۲، ۱۷۰، ۱۶۲-۶۷، ۱۰۳-۱۰۶، ۸۱، ۸۰

۳۱۳، ۳۰۶-۹، ۳۰۳، ۲۵۹، ۱۷۴، ۱۷۳

۳۲۸-۳۱، ۳۲۳-۲۵، ۳۲، ۳۱۶، ۳۱۵

(س) (س)

(شیخ) چائیں لدرہ سہنوی

۴۱

(حضرت) حسان

۲۷۱

(نواب صدر) خنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

۳۸۰

(سید) صباح الدین عبدالرحمن ۱۰۶
 (سید) صدر جہاں پہاڑی ۳۱۴، ۱۷۳، ۱۶۳
 ۳۲۵، ۳۲۴
 (میر) صدر جہاں مفتی ۱۲۶
 صدر الدین قونوی ۲۷۸، ۲۵۷
 (میر) صغیر احمد روی ۳۷۱
 (نواب سید) صدیق حسن خاں ۳۹۸
 (سلطان) صلاح الدین ایوبی ۲۸
 (شیخ) صفی الدین ۶۷
 (شیخ) صوفی ۲۹۱، ۲۸۸
 (سید محمد) ضیاء ۳۹۵
 (حضرت شاہ) ضیاء اللہ ۳۷۹
 (شیخ) ضیاء اللہ اکبر آبادی ۴۰
 (شیخ) ضیاء اللہ گوالیاری ۷۸
 (حضرت سید شاہ) ضیاء النبی ۳۹۵
 طاہر بخش ۳۷۱، ۱۶۱، ۱۶۰
 (علامہ محمد) طاہر بیٹی ۲۵۰، ۶۱
 (محدث) طاہر بن حسین الابدل ۴۵
 (شیخ) طاہر بن رضی اسماعیل قزوینی ۴۹
 (مولانا) طاہر لاہوری ۳۷۲، ۳۷۱، ۱۶۱، ۱۵۹
 ۳۷۲
 (محقق) طوسی ۱۹۷

(شاہ) طہاسپ ۲۹، ۳۳، ۳۲
 (ظ)
 (الملك) الظاہر دیکھئے رکن الدین
 (مرزا) ظفر اللہ خاں ۳۸۸
 (مولانا سید) ظہور الاسلام فچپوری ۳۸۰
 ظہیر الدین فاروقی ۳۴۶، ۳۳۵
 (ع)
 (ڈاکٹر سید) عابد حسین ۲۱۷
 عارف علی ۴۰
 (حضرت) عاصم بن عبداللہ ۱۳۴
 عاقل خاں ۳۴۰
 (سلطان اورنگزیب) عالمگیر ۱۷۰، ۲۵
 ۳۳۵-۴۲، ۳۳۳، ۳۰۷، ۱۹۲، ۱۹۰
 ۳۷۶، ۳۶۴-۶۷، ۳۴۸، ۳۴۴-۴۶
 ۳۹۴، ۳۸۱
 (شاہ) عباس اول ۳۵
 (شاہ) عباس صفوی ۷۳، ۷۱، ۳۰
 (مولوی) عبدالاحد ۳۹۸
 (مخدوم شیخ) عبدالاحد ۱۳۹، ۱۳۴، ۴۲
 (حضرت) عبدالاحد محدث (شاہ گل) ۳۸۸، ۳۸۱
 (مولانا) عبدالباری ندوی ۱۹۱
 (مولانا) عبدالحق ۵۲
 (مولانا) عبدالحق الہ آبادی مہاجر کی ۳۹۰

(شیخ) عبدالحق شادمانی ۱۶۱
 (شیخ) عبدالحق محدث دہلوی ۳۵۲، ۱۶۴
 (شیخ) عبدالحکیم ۳۹۴
 (علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۴۵
 (میر) عبدالحق ۱۲۶
 (مولانا حکیم سید) عبدالحق حسنی ۱۵۳، ۹۵، ۴۶
 ۳۸۰، ۳۷۵، ۳۶۵، ۳۴۷
 (شیخ) عبدالحق حصاری شادمانی ۳۷۱، ۱۶۲
 ۴۰-۳
 عبدالحق بن محمد ۱۳۴
 (شیخ) عبدالرحمن بن فہد ۱۴۵
 عبدالرحمن جامی دیکھئے جامی
 (خواجہ) عبدالرحمن مفتی کابلی ۲۷۱، ۱۶۹
 ۲۷۲
 (مفتی) عبدالرحمن ۳۳۲
 (قاضی) عبدالرحیم ۱۰۸، ۱۰۷
 عبدالرحیم خانخاناں ۱۶۳، ۱۵۹، ۱۰۶، ۶۱
 ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۰۴، ۲۴۴، ۲۴۳، ۱۷۷، ۱۶۷
 (حضرت شاہ) عبدالرحیم رائے پوری ۳۹۶
 (حضرت حاجی) عبدالرحیم شہید و لایٹی ۳۹۶
 (مولانا) عبدالرحیم صادق پوری ۳۹۹
 (شاہ) عبدالرحیم فاروقی ۳۹۵
 (میر) عبدالرزاق دیکھئے شاہ نواز خاں
 (شاہ) عبدالرزاق بھنجاہلوی ۲۲۳، ۴۱
 (شیخ) عبدالرزاق کاشفی ۲۵۷
 (شاہ) عبدالرشید ۳۸۹

(مولانا) عبدالسلام ندوی ۲۲۴
 (مولانا شاہ) عبدالسلام واسطی مہسوی ۳۸۸
 ۳۹۰
 (مولانا) عبدالشکور فاروقی ۳۸۵، ۱۷۱
 (مولانا) عبدالصمد حسینی ۱۳۸
 (خواجہ) عبدالعدل ۳۷۹
 (وزیر) عبدالعزیز آصف خاں ۹۵
 (شیخ) عبدالعزیز شکر بار ۲۸۳، ۴۱
 (شاہ) عبدالعزیز محدث دہلوی ۳۸۴، ۳۵۲
 ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۲، ۳۸۹
 (علامہ) عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی ۲۷۴
 ۲۷۶
 (ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی ۱۵
 (مولانا) عبدالغفور لاری ۴۵
 (شاہ) عبدالغنی محدث دہلوی ۳۸۹، ۳۸۳
 ۳۹۰
 (شیخ) عبدالقادر اچھی ۳۰۹، ۳۰۸
 (ملا) عبدالقادر بدایونی ۳۹-۴۱، ۲۴
 ۸۶، ۸۱، ۷۷-۷۹، ۷۵، ۷۴، ۷۲، ۵۸
 ۱۱۱، ۱۰۸، ۱۰۲، ۱۰۱، ۹۹، ۹۱-۹۵، ۸۸
 ۱۳۸، ۱۲۸، ۱۱۲
 (حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی ۴۲، ۴۰
 ۳۸۰، ۳۵۳، ۲۴۹، ۱۴۷، ۱۴۱، ۶۷
 (شاہ) عبدالقادر دہلوی ۳۷۹
 (حضرت مولانا) عبدالقادر رائے پوری ۳۹۶
 ۳۵۶
 عبدالقادر طبری

۳۵۷	(شیخ) عبدالشکر مراد البواجیر	۳۰۶	(شیخ) عبدالقادر لاہوری
۱۲۶	(میر) عدل	۲۷۲	(شاہ) عبدالقادر مہربان فخری میلپوری
۱۳۸	(مولانا) عبدالشکر نیازی مہدوی	۱۳۹، ۹۳، ۷۸، ۴۱	(شیخ) عبدالقدوس گنگوہی
۱۳۲	عبدالشکر الواعظ الاصغر	۲۸۳، ۱۴۰	(شیخ) عبدالکبیر مینی
۱۳۲	عبدالشکر الواعظ الاکبر	۱۵۷، ۱۳۳	عبدالشکر (والد پیر و نشان)
۲۲۹، ۱۷۰	(مولانا) عبدالماجد دریا بادی	۱۵۶، ۱۵۵	(خواجہ) عبدالشکر عرف خواجہ خورد
۲۰۱	(حکیم) عبدالحمید سیفی	۲۵۵، ۲۵۱، ۲۴۲، ۲۳۵، ۲۳۰	۳۲، ۲۱۹
۷۸	(شیخ) عبدالغنی گنگوہی (صدر الصدور)	۳۷۱، ۲۹۵، ۲۷۰	۲۶۹، ۲۵۶
۱۱۱، ۱۰۸، ۱۰۰، ۹۸، ۹۳-۹۵		۳۸۳	(مولانا شاہ) عبدالشکر
۳۹۳	عبدالغنی جالندھری	۱۵۳	عبدالشکر احراری
۳۷۱	(مولانا) عبدالواحد لاہوری	۳۹۵، ۳۹۳	(حافظ سید) عبدالشکر اکبر آبادی
۳۶۲	(قاضی شیخ الاسلام) عبدالوہاب گجراتی	۳۹۶	(امیر) عبدالشکر بلخی
۳۷۱	(شیخ) عبدالہادی فاروقی بدائونی	۱۵۰	(شیخ) عبدالشکر خوشنکی قصوری (عبدی)
۱۵۰	(شیخ خواجہ) عبید	۳۶۲	(مخدوم الملک مولانا) عبدالشکر سلطانی پوری
۳۱	عبید الشکر بن اسکندر	۱۲۰، ۱۳۸، ۱۱۱، ۹۸، ۹۳-۹۵	
۱۵۰، ۷۸	(خواجہ ناصر الدین) عبید الشکر احرار	۲۸۲	عبدالشکر بن ابی بکر حضرت
۲۳۵، ۲۳۰-۳۲، ۲۱۹، ۱۵۶، ۱۵۵		۱۳۲	عبدالشکر بن شعیب
۳۱۱، ۲۹۵، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۴۲		۳۵۶	(حضرت) عبدالشکر بن عباس
۷۳، ۷۲	(خواجہ) عبید الشکر عرف خواجہ کلاں	۱۳۲	(حضرت) عبدالشکر بن عمر
۳۷۱، ۹۸		۹۱	(حضرت) عبدالشکر بن مبارک
۳۱	عبید الشکر بن محمد	۳۹۹	(مولانا) عبدالشکر (چمقند)
۳۸۷، ۳۷۵	(حضرت سیدنا) عثمان	۴۱	(شاہ) عبدالشکر سندیلوی
۳۸۸	(خواجہ) عثمان دامانی	۳۸	(شیخ) عبدالشکر شطاری خراسانی

۳۸۶	(شیخ) عثمان سد	۲۷۲	(علامہ) عماد بن محمود طاری
۲۷۷	(شیخ الاسلام) عز الدین بن عبدالسلام	۱۳۲	(حضرت) عمر بن حفص
۳۲۰، ۳۰۶، ۱۶۷، ۱۶۱	(مرزا) عز الدین دہلوی	۳۶۰	(سید) عمیر
۳۹۰	(مفتی) عزیر الرحمن دیوبندی	۳۳۹	(حضرت) عمر بن عبدالعزیز
۸۱	(ملا زادہ) عصام الدین ابراہیم	۷۸	عمر شیخ مرزا
۴۷	(شیخ) العلماء البخاری	۳۹۷	(مفتی) عنایت احمد کوروی
۵۸	(شیخ) علاء بن جن البیالوی (شیخ علائی)	۳۹۹	(مولانا) عنایت علی غازی
۵۹	(شیخ) علاء الدولہ سمنانی	۴۱	(شیخ) عیسیٰ بن قاسم سندی
۴۳	(علامہ) علاء الدین الباجی	۳۵۶، ۶	(شیخ) عیسیٰ محمد بن مغربی جعفری
۳۹۳-۹۵، ۳۱	(حضرت شاہ) علم الشرحنی	۱۷	(ع)
۱۳۸	(مولانا میر) علی	۲۹۶	(مرزا) غالب
۱۴۱، ۱۳۱، ۱۲۰، ۱۳۸	(شیخ) علی بن قوام جوہر پوری (علی عاشقان)	۲۱۰، ۹۵، ۶۷	(امام) غزالی طوسی
۳۵۶	علی بن یحییٰ	۳۹۷، ۳۹۳	(مولانا) غلام رسول مہر
۵۲	(سید) علی ترمذی (پیر بابا)	۳۳۸	(مفتی) غلام سرور
۳۸۰	(نواب) علی حسن خاں		(حضرت شاہ) غلام علی بٹالوی دہلوی
۱۳۸	(مولانا) علی شیر	۳۸۷، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۵۳، ۱۸۹	
۲۷۷، ۴۲	(ملا) علی قاری	۳۹۶، ۳۹۴، ۳۸۷، ۳۸۵	
۳۰۵	(شیخ) علی گیلانی	۱۴۳	(شیخ) غلام محمد
	(علامہ) علی متقی (علی بن حسام الدین المتقی)	۴۰۰	(ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ خاں
۳۹۰، ۲۵۰، ۱۴۷، ۴۲	برہانپوری (علی بن حسام الدین المتقی)	۳۸۱، ۳۰۱	(مولانا) غلام یحییٰ بہاری
۵۲	علی محمد مخلص	۵۷	عیات الدین شاہ خلجی
۲۲۸	(حضرت سید) علی جوہری (دانا گنج بخش)	۴۲	(علامہ) عیات الدین منصور

ق

۳۷۱	(مولانا) قاسم علی	۱۳۴، ۱۳۳ (حضرت) فاروق اعظم (رض)
۵۳، ۳۶	قاضی خاں	۱۳۷ (خواجہ) فتح اللہ
۳۶۲	قاضی قصور	۳۹۳ (شاہ) فتح اللہ سہارنپوری
۲۹	قانسوہ غوری	۱۲۷، ۱۲۶ (میر) فتح اللہ شیرازی
۲۵۲	(صوفی) قریان	۱۶۲ (شاہ) فتح محمد فتحپوری
۴۲	(شیخ) قطب بنیادل	۱۲۸ فداعلی طالب
۷۷	قطب جمال	۱۰۵ فرانسیس ہنریکیس
۱۳۸	(مولانا) قطب الدین	۳۷۱، ۱۶۰ (مولانا) فرخ حسین ہروی
۶۷	(حضرت خواجہ) قطب الدین بختیار کعلکی	فرخ شاہ دیکھئے شہاب الدین
۱۰۴	(شیخ) قطب الدین (محبوب)	فرعون ۲۸۱، ۲۰۷
۲۲۲	(علامہ) قطب الدین شیرازی	(سید) فرید ۳۲۰
۴۴	(علامہ) قطب الدین نہروالی	(سید شیخ) فرید دیکھئے مرتضیٰ
۳۲۷، ۱۶۷	قلج خاں	(شیخ) فرید الدین گنج شکر ۱۳۴، ۷۶
۱۰۳	کاراڈی وا	(علامہ) فضل حق تیر آبادی ۳۹۷
۳۳۴	کبیر	(مولانا) فضل رحمن گنج مراد آبادی ۳۷۸
۳۷۱، ۱۶۲	(شیخ) کریم الدین بابا حسن ابدالی	۳۷۹
۳۸۹	(نواب) کلب علی خاں رامپوری	(نور المشائخ) فضل عمر مجیدی (شیر آغا) ۱۹۱
۳۳۸	(شاہ) کلیم اللہ جہان آبادی	فلاطینس (POLOTINUS) ۱۹۸
۴۲	(شیخ) کمال الدین	فلش پادری ۳۳۴
۱۲۷	(مولانا) کمال کشمیری	فولاد ۷۷
		فیروز تعلق ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۶
		(ابوالفیض) فیضی ۱۲۶، ۹۹-۱۰۲، ۹۷، ۹۶، ۱۹۳

شاہ) کمال کنتھلی

۱۹۳، ۱۳۱، ۱۱۱-	۳۷۴، ۱۵۴، ۱۱۴-	(شاہ) کمال کنتھلی
۱۳۸		(ک) گل محمد
۲۷۰	۳۸۳	(ل) لال داس بیراگی
۲۸۳، ۱۶۷	۳۳۴	لالہ بیگ جہانگیری
۲۴۴، ۱۶۲	۳۲۳، ۳۱۴	(شیخ) لشکر محمد بربانپوری
۳۷۱، ۲۴۵	۴۱، ۴۰	(مولانا) لطف اللہ
۳۸۰	۱۵۰	(م) آ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸۳	۱۸۲، ۱۸۱، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۳۰، ۱۰۸، ۶۸	
۵۵	۲۲۶، ۲۲۵، ۲۰۷، ۲۰۰، ۱۹۶، ۱۹۳، ۱۹۲	
۲۵۶	۲۶۵-۶۷، ۲۵۷، ۲۲۶-۲۹، ۲۲۹	
(حضرت سید) محمد (ابن حضرت شاہ علم اللہ)	۳۷۳، ۳۶۲، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۷، ۲۷۱	
۳۹۴	۳۹۴	
۱۴۳		(حضرت سیدنا) موسیٰ علیہ السلام ۲۰۸، ۲۰۷
۵۱	۲۸۱	
(سید) محمد بزرگ دیکھئے جمال الدین محمد		(امام) مالک ۲۶۵
۶۰، ۵۹، ۵۶		(خلیفہ) مامون الرشید ۸۲
۲۵۲		(راجہ) مان سنگھ ۳۱۳، ۵۶
۳۸		مانی ۶۸
(سلطان) محمد غوری ۱۳۷		ماہم آنکھ ۷۷
(مولانا حاجی) محمد لاہوری ۲۵۳، ۱۵۹		(ملا) مبارک ناگوری ۱۰۸، ۹۶-۹۹، ۷۳
(مولانا) محمد ابراہیم ابن نور المشائخ ۳۹۱		
(پروفیسر) محمد اسلم ۳۳۷، ۳۳۵، ۷۰		
(قاضی) محمد اسلم ہروی ۲۶		

۱۸۸	(شیخ) محمد اشرف	(مولوی) محمد حسین آزاد ۱۹۸۹-۱۹۹۹-۲۰۱۰
۳۷۷	(شاہ) محمد آفاق	(شیخ) محمد حسین آل کاشف الغطاء ۱۹۷۷
۳۶۷، ۳۶۱	محمد اقبال مجددی	محمد حسین مرزا ۳۲۰
۴۰	(شیخ) محمد اکرام	(مولانا) محمد زاہد (میرزاہد) ۷۲، ۴۶
۱۵۵، ۱۵۰	(شیخ) محمد امکنکی	(خواجہ) محمد زبیر ۳۷۹، ۳۷۸
۳۹۴	(خواجہ) محمد امین بدشتی	محمد ساقی مستعد خاں ۳۷۷
۱۰۳	(ڈاکٹر) محمد باقر	(خواجہ) محمد سعید ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۶، ۱۷۲
۳۳۸	(شیخ) محمد باقر لاہوری	۳۳۷، ۲۱۴، ۱۸۹، ۱۸۸
۱۰۱	محمد بدرالدین شامی (ابن الغزالی)	(خواجہ) محمد شرف الدین حسین ۲۵۷
۴۵	(شیخ) محمد بن ابی الحسن اشعری	(پروفیسر) محمد شفیع ۵۴
۱۳۴	محمد بن حلیب اللہ	(حضرت سید) محمد صابر ۳۹۵، ۳۹۴
۳۵۶	(شیخ) محمد بن العلاء بابلی	(مولانا) محمد صادق حلوانی ۱۵۰، ۴۸
۱۰۱، ۴۵	(علامہ) محمد بن علی شوکانی	(مولانا) محمد صادق کابلی ۳۷۱، ۱۶۰
۱۴۱	(مولانا) محمد بن فخر	(مولانا) محمد صادق کشمیری ۲۲۶
۱۵۳	(شیخ) محمد بن فضل الشربہ پانپوری	(خواجہ) محمد صادق ۱۴۱، ۱۸۸، ۱۷۹
۱۸۱	محمد بن فضل الشرجی	۳۷۲، ۲۵۴، ۲۴۲
۱۵۳	محمد بن محمد الغزالی	(مولانا) محمد صالح کولابی ۳۷۱، ۱۶۱
۱۰۱	محمد بیگ ازبکی	(مولانا) محمد صدیق کشمی ۴۰۱، ۳۷۱
۳۶۸، ۳۶۱، ۳۶۰	(سید) محمد پاشا بخاری	(مولانا سید) محمد ظاہر حسنی ۳۹۵
۳۸۳	(سلطان) محمد تغلق	(شیخ) محمد عابد شامی ۳۸۱
۳۶	(مولوی) محمد اکسینی	(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل) ۳۹۴
۳۹۳	(خواجہ) محمد حسن مجددی	(مولانا) محمد علی مونگیری ۳۸۰

۴۷۱، ۱۹۵، ۱۸	(مولانا) محمد منظور نعمانی	(حافظ) محمد علی خاں شوق ۴۰۱
۳۷۹	(خواجہ) محمد ناصر عندلیب	(شاہ) محمد عمر ۳۸۹، ۳۸۸
۱۹۰	(شیخ) محمد نبہان	(شیخ) محمد عیسیٰ ۱۸۸
۲۳۴، ۲۱۴	(میر) محمد نعمان	(شیخ) محمد غوث گوالیاری ۷۸، ۳۸-۴۰
۲۵۴، ۱۷۱، ۱۶۱	(خواجہ) محمد نعمان کشمی	۲۵۰، ۱۶۶
۲۶۴، ۲۶۳، ۲۵۸، ۲۵۵	(شاہ) محمد نعیم (سکین شاہ)	(مولانا) محمد قاضی بدخشان ۴۶
۳۸۳	(خواجہ) محمد نقشبند (حجۃ اللہ)	(شیخ) محمد فرخ ۳۵۲، ۱۸۸
۴۹	(سید) محمد نور بخش	(مولانا) محمد قاسم ۱۶۰
۳۶۸	(شیخ) محمد نور الدین الاوزبکی	محمد قاسم بیجاپوری فرشتہ ۴۹
۳۹۵	(مولانا سید) محمد واضح	(مولانا) محمد قاسم نالوتوی ۳۹۰
۱۴۲، ۱۴۰، ۱۳۹	(خواجہ) محمد ہاشم کشمی	۳۹۶، ۳۹۲
۴۰۲، ۱۸۳، ۱۸۰، ۱۷۶، ۱۵۵، ۱۵۳	محمد کاظم	۳۳۷
۴۰۳	(شیخ) محمد مراد کی قرزانی	۳۷۲، ۳۶۸
۹۶، ۴۶	(ملا) محمد نوری	۳۷۷، ۳۷۶
۳۸۹، ۱۹۰	(شاہ) محمد یعقوب	(شیخ) محمد مسعود ۱۴۳
۱۳۴	محمد احمد عباسی	(پروفیسر) محمد مسعود ۱۶۶
۱۳۴	محمد بن سلیمان	(شاہ) محمد مظہر ۳۸۹، ۳۸۸
۱۹۶، ۹۶، ۷۰-۷۲	محمد پینخوانی	(شاہ) محمد معصوم (معصوم ثانی) ۳۸۹
۳۹۶	(شیخ الہند مولانا) محمد حسن دیوبندی	۳۹۲
۵۷	محمد شاہ گجراتی	(حضرت خواجہ) محمد معصوم ۱۷۶، ۱۷۲
۴۴	(سلطان) محمد غزنوی	۳۳۶-۳۸، ۳۳۱، ۳۰۰، ۱۸۹، ۱۸۸
۳۷۱	(حافظ) محمد دلاہوری	۳۷۲، ۳۷۰، ۳۶۶، ۳۶۰، ۳۴۹
		۴۰۳، ۳۹۲، ۳۷۵-۷۸، ۳۷۳

۸۵، ۸۴	(سید) مظفر	۳۳۳	(شیخ) محمود گجراتی
۳۲	(شہزادہ) مظفر حسین	۱۲	(سید) محی الدین احمد
	(مرزا) مظہر جان جاناں (شمس الدین حبیب اللہ)	۳۷	(شیخ) محی الدین عبدالقادر عیدروسی
۲۸۱، ۲۷۸، ۳۷۶، ۳۵۲، ۳۰۱، ۱۸۹		۳۸۲	
۳۹۶، ۳۸۷			مخدوم الملک دیکھئے عبدالشر
۶۷	(حضرت خواجہ) معین الدین چشتی	۱۳۱-۱۳۰، ۱۳۷	(حضرت) مخدوم جہانیاں
۷۶	(مرزا) مقیم اصفہانی	۳۲۳، ۳۵	(سلطان) مراد
۱۹۴، ۱۹	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۲۹	مراد ثالث
۱۲	(مولوی) منظور حسین بہروش بھوپالی	۷۷	(شہزادہ) مراد
۸۸	(راجہ) منجھولہ	۴-۲	(شیخ) مراد کی
۳۰۶	(شیخ) منور عبدالحمید لاہوری	۱۶۳، ۱۵۹	(نواب شیخ) مرتضیٰ (سید فرید)
۱۴۳	(شیخ) مودود	۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۴	۱۶، ۲۹۸، ۲۹۲
۳۱۴، ۱۷۳	مہابت خاں	۳۲۸، ۳۲۵	
۳۷۹	(خواجہ) میر درد دلہوی	۶۸	مزدک
۷۸	(محدث) میر کلاں ہروی	۳۷۱	(شیخ) مزمل
		۲۹	مستعصم بالشر
		۳۶	(سالار) مسعود
۲۸۲، ۲۸۱	سیدنا حضرت نوح علیہ السلام	۱۳۴	مسعود بن عبدالشر
۳۹۱، ۳۲	نادر شاہ افشار		(امام) مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری
۲۵	ناصر الاسلام ندوی	۶۸	
۱۳۴	ناصر بن عبدالشر		(مولانا) مسیح الزماں خاں شاہجہانپوری
	(خواجہ) ناصر الدین دیکھئے عبید اللہ شرا	۳۸۰	
۱۰۱	نجم الدین الغزالی	۳۶	مشتاقی
۷۳، ۷۰، ۲۶	(ڈاکٹر) نذیر احمد		

۳۷۱	(مولانا) نسیم احمد فریدی	۳۷۱	نور محمد ٹپنی
۵۴	(مرزا) نصر اللہ خاں	۳۸۱، ۳۷۸	(سید) نور محمد بدوانی
۵۲	(میر) نصیر خان اعظم	۳۹۶	(میاں جی) نور محمد جھنجھانوی
۱۳۵، ۱۳۴	نصیر الدین بن سلیمان	۳۴۰	نوشیرواں
	(بادشاہ) نصیر الدین بہاولوں دیکھئے بہاولوں		(۵)
۲۶۴، ۲۵۸، ۲۸	(شیخ) نظام تھانی سیری	۴۵، ۴۰	(علامہ) وجیہ الدین
۱۸	(خواجہ) نظام الدین	۳۹۴	(شیخ) وجیہ الدین اشرف
	(شیخ) نظام الدین ایٹھوی (بندگی میان) ۴۲	۳۵۲	(مولانا) وکیل احمد سکندر پوری
۳۳۸	(شیخ) نظام الدین اورنگ آبادی	۳۶۶	
۳۴۶	(مولانا) نظام الدین برہانپوری	۳۹۸	(مولانا) ولایت علی اعظم آبادی
۷۷	نظام نارٹولی	۳۹۹	
۳۶۲	(شاہ) نعمت لاہوری	۱۴۹، ۴۱، ۱۶	(حضرت شاہ) ولی اللہ دہلوی
۳۵۶	(شاہ) نعمت اللہ قادری	۳۶، ۳۵۵-۵۷، ۳۴۸، ۲۵۸، ۱۹۲	
۳۸۱، ۳۵۵	(شاہ) نعیم اللہ بہرائچی	۳۹۵-۹۷، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۸۱، ۳۷۹	
۲۰۷	نمرود	۴۰۱	
۴۰۳	(مولانا) نور احمد امرتسری	۹۸	(سر) ویلزلی ہویگ
۴۹	نور بخشئی		(۸)
۱۶۴	(شیخ) نور الحق	۲۸۲	سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام
۳۶۵	(قاضی) نور الدین	۹۵	(خلیفہ) ہارون رشید
	(شیخ) نور الدین بن عبدالرحمن الکسرتی	۳۹۲	(حافظ) ہاشم جان مجتہدی
۲۸۴	الاسفرائینی	۳۶۵، ۳۶۴	(قاضی) ہدایت اللہ
۱۳۵، ۱۳۴	نور الدین بن نصیر الدین	۵۰، ۴۹، ۴۵، ۳۳	(بادشاہ) بہاولوں
۹۶، ۴۶	نور الدین قراری	۳۱۲، ۱۶۷، ۱۳۷، ۸۴	

۷۸	خاندان نقشبندیہ	۳۱۹، ۱۴۲، ۶۸، ۳۵	اہل بیت کرام
۳۳۹، ۲۵۱، ۲۴۶، ۱۳۳	خلفائے راشدین	۵۱، ۴۹، ۳۶	اہل سنت و اجماعت - سنی
۳۴۲	درشنیہ	۱۶۶، ۱۶۵، ۱۳۳، ۱۰۲، ۹۸، ۶۰، ۵۹	
۱۰۷	راجپوت	۳۶۵، ۳۲۳، ۲۹۰، ۲۵۶، ۲۴۴	
۳۸۸	راجگان راجور	۷۹	اہل حرم
۳۹۱	روسی	۳۸۶	اہل کرکوک
۵۶، ۵۴، ۵۲	روشائی فرقتہ روشنائیہ	۲۵، ۲۰، ۷، ۲۰، ۴	اہل مصر مصری
۳۱۳		۲۲۳، ۲۰۴، ۶۵	اہل یونان - یونانی
۳۴	سلاطین اسلام	۷۰، ۴۸، ۴۷، ۳۵، ۳۲، ۳۱	ایرانی
۳۵	سلاطین آل عثمان	۲۲۳، ۱۶۵، ۹۶	
۳۴	سلاطین ترکی	۱-۸، ۱-۷	برہمن
۳۵	سلاطین صفوی	۵۳، ۵۱	بلوچ - بلوچی
۳۴، ۱۶۷	سلاطین مغل	۱۲۱	پارسی
۲۹	سلاطین مملوک	۱۶۴، ۵۲	پٹھان
۴۰	سیاسی	۶۴	(حضرات) تابعین
۵۳	سندھی	۲۹	تاتاری
۶۲	سوری خاندان	۳۸۷، ۳۶۸، ۲۷۹، ۳۶	ترک - ترکی
۳۵۶، ۱۸۵، ۱۸۲	شافعیہ شوافع	۱۶۵	تورانی
۳۴۷	شاہان مغلیہ	۹۰، ۸۹، ۷۸، ۵۰	تیموری
۳۹	شکاری	۲۱۷	جرمن
۳۲، ۳۱	شیبانی	۲۰۶، ۲۰۵	حکمائے اشراف
۴۰۰، ۱۷۰، ۱۱۰، ۲، ۹۸، ۴۹	شیعہ	۳۳۸، ۳۳۷، ۲۶، ۲۵	خاندان مجددی
۱۹۶، ۹۶، ۶۸، ۶۴	(حضرات) صحابہ کرام	۴۰۰، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۸۷، ۳۶۷، ۳۶۰	

۳۵۷	(شیخ) یحییٰ شاوی	۹۶، ۴۵	(حکیم) ہمالیوں (حکیم ہمام)
۳۹۹	(مولانا) یحییٰ علی	۲۱۷	ہیرلڈ ہوفڈنگ
محمد	(ملا) یزدی دیکھے	۱۳۷	ہیون سانگ (HIUN SONG)
۱۴۵، ۱۳۸، ۷۶	(میر) یعقوب کشمیری		(۷)
۳۶۶	یوحانان فریدین (یہودی فاضل)	۳۸، ۱۶۹	سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام
۳۳۷	یوزی صاحب	۲۹۳	(مولانا) یار محمد جدید بخشی طائفانی
۱۳۴	یوسف بن اسحاق	۴-۳، ۳۷، ۲۹۴	
	(شیخ) یوسف بن شہاب الدین برکی	۳۷، ۱۶۱	(مولانا) یار محمد قدیم
۳۷، ۱۳۵، ۱۳۴		۳۵۲، ۱۹۰، ۱۸۸، ۷۸	(خواجہ محمد) یحییٰ
۳۷، ۱۶۱	(مولانا) یوسف سمرقندی	۱۳۸	یحییٰ بن احمد
۱۱۴	(مولانا) یوسف گوگنی	۳۹۰	(شیخ محمد) یحییٰ ترہتی

اقوام و قبائل طبقات اور تہذیب

۵۲، ۵۴، ۳۶، ۳۵، ۳۲	افغان - افغانی	۴۹، ۳۰	اثنا عشری - اثنا عشری جعفری
۱۳۵، ۵۶		۶-۷۰	
۳۲	آل بابر	۱۸۵	احناف
۳۷	آل باعلوی - باعلوی عیدروس	۲۸۳	آرین
۱۹۷	آل کاشف الغطاء	۳۱	ازبک
	(حضرات) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۳۱	اصحاب صفہ
۲۲۸، ۲۲۳-۲۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۰۶-۸		۳۲۱	اصحاب کہف
۲۸۵، ۲۸۳، ۲۳۸-۲۵، ۲۲۹-۳۶		۲۲۲، ۲۲۰، ۲۰۶	اشراقی - اہل اشراق
۳۲۲		۲۳۷، ۲۳۶، ۲۲۳	

کتابیات

۱-۵، ۱۰-۳، ۱۱-۲، ۹۶	اکبرنامہ	قرآن مجید
۱۲	الإمام السمرقندی	(الف)
۴۰	امرت کنڈ	آثار الصنادید
۳۹۳، ۱۴۹	الإغتیاه فی سلاسل اولیاء الشر	اثبات النبوة
۱۰۴، ۸۴-۸۶	انجیل	احوال و آثار عبدالشرخوشکی قصوری
	انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ اینٹیلکس	۳۶۱
۲۲۱، ۱۴۰		۳۶۷
۱۰-۷، ۱۰-۳، ۸۵	انشاء ابوالفضل	احیاء العلوم
۳۶۰، ۳۵۵-۵۷	أنفاس العارفين	آداب عالمگیری
۳۹۶، ۳۹۳		ازالة الخفاء
۳۴۶-۴۸	اورنگ زیب	اسرار المشہد
۱۲۵-۲۸، ۱۱۷، ۱۱۴، ۱۰۳	آئین اکبری	أصفی الوارد فی ترجمہ حضرت سیدنا خالد
	ایضاح الحق الصریح فی أحكام المیت	۳۸۶
۲۶۸	والصریح	أصل الشیعة واصولها
	(ب) (پ)	اصل الأصول فی بیان مطابقت الکشف
۴۰	بحر الحیة	المعقول والمنقول
۳۹۴	بحر زخار	اصول بزدوی
صحیح بخاری	بخاری دیکھئے	الإعتصام بالسنة
البدرا الطالع بحاسن من بعد القرن التاسع		اعتقادنامہ
۱-۱، ۲۵		الاعلام فی اجار بیت الشراکرام
		الأعلام للزکلی
		الأفق المبین

۵۰	قریب باش	۳۹۴، ۳۱۹، ۲۹۵، ۲۶۷، ۱۹۸
۳۶۱	کائست	۳۱، ۳۰
۳۸۶، ۳۶۸	کرد-کردی	صوفیاء ۵۰-۲۵۶، ۲۵۴، ۲۲۸
۳۲	لودھی خاندان	۳۳۴، ۲۷۶، ۲۷۳
۱۸۲	مالکیہ	۲۹
۳۴۴، ۲۲۳	مجوسی	عثمانی-آل عثمان ۳۸۷، ۳۵، ۳۰
۲۲۲	مشائی	عثمانی ترک ۹-۱۸۹، ۳۰
۵۲-۵۴، ۳۲	مغل خاندان مغلیہ	عجمی ۲۴۷، ۷۱
۳۴۰، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۰، ۱۶۵، ۱۳۵		عرب ۳۸۷، ۳۶۸، ۷۱، ۷۰
۳۴۷		عیسائی ۸۶، ۸۴
۷۰	ملاحظہ تناسخہ-اہل زندقہ	عزنی ۱۳۷
۹۸، ۶۱، ۶۰	مہدوی	فرشتہ-ملائکہ ۲۲۹، ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۸
۵۳	ہندوئی	۲۵۱، ۲۴۴
۷۱، ۷۰	ہندوستانی	فرقہ امامیہ ۱۹۷، ۴۹
۷۱، ۷۰	نقطوی	فرقہ ذکریہ ۵۱
۱۲۵، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۰۷، ۱۵۵، ۴۹	ہندو	فرنگ ۸۸، ۸۵، ۸۴
۳۴۲، ۳۳۳-۳۵۷، ۲۶۱، ۱۳۷		فقہائے اسلام ۲۶۷
۵۴	ہندوستانی-اہل ہند	فقہائے حنفیہ ۱۸۲
۴۰	ہندو یوگی	فلاسفہ ۲۲۶، ۲۱۳، ۲۱۰، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
۱۰۰	یوسف زئی	فلاسفہ یونان ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۰۸
۲۶۱	یہود	۲۷۶، ۲۲۱، ۲۱۶
		قریش ۱۲۹

حضرات القدس ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۶۱	۲۱۷	تنقید عقل محض
۱۸۵-۸۷، ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۶۹، ۱۶۲	۸۱	تواریخ عہد اکبری
حضرت مجدد الف ثانی ۱۷۴، ۱۷۱	۸۶، ۸۵، ۸۴	توریت
۴۰۳، ۴۰۰	۱۴۱	توضیح الحواشی
حضرت مجدد اوران کے ناقدین ۱۷۶	۲۱۱، ۲۱۰	تہافتہ الفلاسفہ
۱۸۰، ۱۷۹		(ث)
۵۲		الثقافة الإسلامية في الهند (الاسلامی علوم)
۲۲۳		وفنون ہندوستان میں (۱۵۳، ۴۶)
۲۲۲		۳۴۷
۳۵۷		ثلاثیات بخاری
۳۴۲		تنائے مہدی
		(ج) (ج)
۳۳۸		جامع المجتہدین
۱۵۳		جللاء العینین
۳۷۴		جو اہر خمسه
۵۵، ۵۴		جو اہر معصومی
		جو ہر دوم
۵۶		چہل حدیث (مولانا جامی) ۳۲۴، ۷۸
۱۲۷، ۱۰۴، ۵۴		(ح)
۳۳۵، ۳۳۴، ۲۸۴، ۲۲۲، ۱۳۸		حال نامہ بایزید
۱۳۲، ۷۱، ۶۹، ۵۵		حال نامہ پیر دستگیر
۱۰۲، ۹۹، ۹۶		حدیث مسلسل
۳۶۸		حکمتہ فی الاسلام

۵۹	تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد)	۳۷۴	تذکرہ آدمیہ	۱۰۶	بزم تمیوریہ
۱۹۵	تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی	۳۸۵، ۳۷۱	تذکرہ بے مثل راجگان راجور	۳۵۵	بشارات مظہریہ
۳۸۸	تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی	۱۷۷، ۱۶۴، ۱۰۶، ۸۰، ۷۸	تذکرہ شاہ علم الشر	۵۱	بلوچستان ڈسٹرک گزٹیئر
۳۸۰	تذکرہ جہانگیری	۳۳۱، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۶۹	تذکرہ واحسان یا تصوف و سلوک	۱۷۰	پریچنگ آف اسلام
۳۹۳	تذکرہ جہانگیری	۱۴۷	التسویۃ		(ت)
۱۶۷، ۱۶۴، ۱۰۶، ۸۰، ۷۸	تذکرہ جہانگیری	۱۴۷	تصوف اسلام	۱۱۲	تاریخ الفی
۳۳۱، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۶۹	تذکرہ جہانگیری	۱۴۷	تعرف	۵۲، ۵۱	تاریخ خوانین بلوچ
۱۴۷	تذکرہ جہانگیری	۲۳	تعمیر حیات (اخبار)	۳۶	تاریخ داؤدی
۳۳۱، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۶۹	تذکرہ جہانگیری	۲۴، ۳۵	تفسیر ابوالسعود	۲۲، ۲۱، ۱۹، ۱۱	تاریخ دعوت و عزیمت
۱۴۷	تذکرہ جہانگیری	۳۷۲، ۱۸۶	تفسیر بیضاوی	۳۱۵، ۲۸۶، ۲۳۸، ۱۴۷، ۸۲، ۲۶	تاریخ دعوت و عزیمت
۳۳۱، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۶۹	تذکرہ جہانگیری	۲۴	تفسیر جلالین	۶۹	تاریخ عالم آراء عباسی
۱۴۷	تذکرہ جہانگیری	۵۱	تفسیر ذکر الشر	۹۰، ۸۹، ۳۶	تاریخ فرشتہ
۳۸۱	تذکرہ جہانگیری	۳۸۱	التفسیر المنظہری	۲۱۷	تاریخ فلسفہ جدید
۳۹۸	تذکرہ جہانگیری	۵۱	تفسیر جلالین	۱۳۸	تاریخ مبارک شاہی
۳۷۲	تذکرہ جہانگیری	۳۸۱	تفسیر ذکر الشر	۳۳۸	تاریخ مشائخ چشت
۱۹۷	تذکرہ جہانگیری	۳۷۲، ۱۸۶	تفسیر بیضاوی	۳۳۷، ۳۳۵	تاریخ مقالات
		۲۴	تفسیر جلالین	۱۹۷	تاریخ المذہب الاسلامیہ
		۵۱	تفسیر ذکر الشر	۷۳، ۷۰	تاریخ و ادبی مطالعے
		۳۸۱	التفسیر المنظہری	۶۲	تاریخ ہند (سید ہاشمی)
		۳۹۸	تقصار جمود الاحرار	۹۸، ۶۰، ۳۶	تاریخ ہندوستان (ذکاء الشر)
		۳۷۲	تلویح	۳۴۰، ۳۳۳	تحقیق انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم
		۱۹۷	تلخیص الشافی	۳۹۸	مصلح کا مقدمہ

۲۵-۱۱۲۵	صحاح صحاح ستہ	۱۳۶، ۱۰۰	سواطع الالہام
۱۸۶، ۱۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳	صحیح بخاری	۳۹۸	سوانح احمدی
۳-۳	صحیحین	۳۹۷، ۳۹۳	سیرت سید احمد شہید (غلام رسول)
۵۴، ۵۳	صراط التوحید	۲۹۷، ۲۹۳، ۱۳۲	سیرت سید احمد شہید
۳۰، ۲، ۱۶	صراط مستقیم	۳۰	سورسیر آف انڈین ٹریڈیشن
۴۴	الصواعق المحرقة	SAVIOURS OF ISLAMIC	
	الضوء اللامع لأهل القرن التاسع	۱۲	SPIRIT
۴۷، ۴۳			(ش)
	(ط)	۱۹۷	الشافی
۱۲۵، ۱۰۸	طبقات اکبری	۱۸۲	شامی
۲۰، ۳	طلسم ہوش ربا	۱۶۶	شاہ محمد عوث گوالبری
	(ع) (غ)	۱۲۸، ۶۸	شاہ نامہ فردوسی
۴۰	العاشقیہ	۴۰۱	شرح رباعیات
۳۳۷	عالمگیر نامہ	۱۸۹	شرح درمختار
	العرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السمرندی	۳۷۲، ۳۱	شرح وقایہ
۳۶۱		۳۸	شطاربہ (رسالہ)
۲۹۷، ۲۹۶، ۳۹	عشقیہ (رسالہ)	۱۰۲، ۱۰۰	شعر العجم
۳۵۶	العصب الہندی	۱۲۵	شمائل ترمذی
۳۷۲، ۱۲۵	عضدی		شیخ احمد سرہندی این آوٹ لائن
	عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطأ والصواب	۳۵۶	
۳۶۸، ۳۶۰			(ص) (ض)
۱۸۶، ۴۲	عوارف العوارف		الصارم الہندی فی جواب سؤال عن
۲۴۹، ۱۲۱	عوارف المعارف	۳۶۰، ۳۵۶	کلمات السمرندی

۴۰-۱۲۱۲۶	رسالہ تملیلیہ	۳۸۵	الدر المختار
۱۲۶	رسالہ رد مذہب شیعہ	۳۹۲، ۳۸۲-۸۲، ۳۷۹	درالمعارف
۲۸۵	رسالۃ العبودیہ	۳۵۶، ۲۷۸	الدرۃ الفاخرة
۲۴۸	رسالہ قشیریہ		الدعوة الاسلامیة فی الہند و تطوراتہا (رسالہ)
۳۴۹	رموز بخودی (کلیات فارسی)	۱۹	
۲۸۱	روح القدس (رسالہ)	۳۹۰	الدلائل
۳۶۸	روح المعانی		دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
۴۰	رود کوثر	۳۹۱	
۱۵۹-۶۱	روضۃ القیومیہ		دی ریکارڈیشن آف ریلیجیہ تھات
	(س)	۲۱۷	ان اسلام
۱۳۹، ۱۳۴-۳۷، ۴۳	زبدۃ المقالات	۷۰	دین الہی اور اس کا پس منظر
۱۵۵-۵۷، ۱۵۳، ۱۴۶، ۱۴۰-۴۲			(ذ)
۱۸۶، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۶، ۱۶۵، ۱۶۰		۵۱	ذکر الہی
۱۸۹		۵۱	ذکر توحید
۳۸۳	زجاجة المصابیح	۵۱	ذکر ی کون ہیں؟
۸۵، ۸۲	زبور	۳۷۶، ۳۷۲، ۳۶۸	ذیل الرشحات
	(س)	۳۷۸، ۳۷۷	
۵۱	سفرنامہ مہدی		(س)
۶۳	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	۱۲	رجال الفکر والدعوة فی الاسلام
۱۵۴	سلسلۃ الأحرار	۲۸۲، ۲۸۰	الرد الاقوم علی فصوص الحکم
	سئل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد	۴۰۰	رد روا فض
۳۸۷، ۳۸۵، ۱۸۹	النقشبندی	۱۹۵	الرد علی المنطقیین
۱۹۱	سنن ابی داؤد	۳۸۵	رد المتار

۲۰۸، ۲۰۷، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۷۱-۷۴	۵۴	مخزن الإسلام
۲۳۰، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۵، ۲۱۴	۲۰۴	نذیب و تمدن
۲۵۳، ۲۵۱، ۲۳۹-۲۵، ۲۳۱-۳۶	۳۳۷	مرآة العالم
۲۸۴، ۲۷۸، ۲۷۰-۷۳، ۲۵۴-۵۸	۳۱۹	مسند احمد
۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۱-۹۵، ۲۸۸، ۲۸۶	۳۱۹، ۲۹۷، ۱۸۶، ۱۳۷	مشکوٰۃ المصابیح
۳۲۲-۲۲، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۵، ۳۱۲	۳۷۲	
۳۶۸، ۳۵۹، ۳۳۶-۳۹، ۳۲۷	۲۷۸	مطالع النجوم
۴۰۲، ۴۰۰	۴۰۱	معارض لدنیہ
۳۱۵	۳۶۶، ۳۶۱	معارض الولاہ
۳۷۳	۴۰	معراجیہ
۴۲	۵۱	معراج نامہ
مکتوبات سہ صدی		مغل سلطنت (THE MUGHAL EMPIRE)
مکتوبات خواجہ محمد مصوم		
کیمیہ (رسالہ)		
ملفوظات شیخ علماء الدولہ سمنانی (پہل مجلس)		
۲۸۴	۸۶	
۳۸۸	۳۸۱	معمولات مظہریہ
۱۶۴	۳۹۱، ۳۸۷، ۱۳۳	مقالات خیر
۵۸، ۴۹، ۴۱، ۲۲	۳۹۷، ۳۹۶، ۳۸۲	مقالات مظہری
۹۴، ۹۳، ۹۱، ۸۵-۸۸، ۷۲-۷۷	۲۰۲	مقدمہ ابن خلدون
۱۲۸، ۱۱۱-۱۳۷، ۱۰۸، ۱۰۴، ۱۰۲، ۹۶	۵۴، ۵۳	مقصود المؤمنین
۱۹۸، ۱۳۰، ۱۲۹	۱۰۶	مقدمہ بہا بھارت (فارسی)
۱۶	۳۵۲	المکاتب والرسائل
۱۹	۴۰۲	مکاشفات عینیہ
۱۸۶	۱۵	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی
۵۱	۱۶۹، ۱۶۴، ۱۵۹، ۱۵۵، ۱۴۳، ۱۳۷	

۳۹-۱۴۷، ۱۴۴	۲۴۹	کنز العمال	غنیۃ الطالبین
۴۰		کنز الوحدۃ	(ف) (ق)
۱۴۲	۳۶	کنوز الحقائق	فتاویٰ تاتارخانی
۲۷۸	۳۶	کنہ المحکم المرلوب	فتاویٰ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ)
۱۰۱	۳۴۷	الکواکب السائرہ	
۳۳۳، ۹۸	۳۶	کیمبرج ہسٹری آف انڈیا	فتاویٰ قاضی خاں
	۴۳	(گ) (ل)	فتح الباری
۱۳۸	۴۳	گلزار ابرار	فتح المغیث بشرح ألفیۃ الحدیث
۱۴۰	۳۳۷	لطائف قدوسی	فتوحات عالمگیری
		(م)	فتوحات کبیرہ
۹۴، ۸۰، ۷۹، ۷۳، ۵۰	۱۷۰، ۱۱۹، ۱۱۸	تأثر الامراء	الفرقان (رسالہ)
۳۶۵، ۳۰۵، ۱۱۱، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۱	۲۸۲، ۲۸۰	تأثر عالمگیری	الفرقان بین الحق والباطل
۳۸۷، ۳۴۳	۲۷۵، ۲۵۷، ۱۴۱، ۱۲۲، ۲۱	تالابدمنہ	فصوص المحکم
۳۸۱	۲۸۲، ۲۸۰، ۲۷۸	مبدأ و معاد	
۴۰۲، ۴۰۱	۲۰۳	مبلغ الرجال	فسانہ عجائب
۹۸، ۷۳، ۷۲، ۶۹	۳۶۲، ۳۵۷، ۲۵۶	مجمع بحار الأنوار	قدح الزند
۶۱		مجموعہ رسائل تسعہ	(ک)
۳۹۸	۳۶۶، ۳۶۵	مجموعہ رسائل ابن عابدین	کامر الخائفین
۳۸۵	۲۴۸	محفز نامہ	کتاب اللوح
۱۰۹، ۱۰۸	۴۰۱	مخبر دکن - مدراس	کشف الغیب فی شرح رباعینین
۳۸۳	۲۴۸	مختصر تاریخ ہند	کشف المحجوب
۱۱۳	۳۸۱	مختصر من کتاب التور والزرہر	کلمات طیبات
۳۵۷	۳۹، ۳۸		کلید مخازن

مقامات

۳۹۱، ۳۸۹، ۳۸۵، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۷۹

۲۹	افریقہ	۱۳۲	اترپردیش
۱۴۶	اکبر آباد	۱۴۲	اٹاواہ
۳۴۸	آکسفورڈ	۵۱	اتک
۵۲	اکوڑہ تنگ	۱۰۵	اٹلی
۱۶۰، ۱۴۶، ۱۱۶، ۱۰۳، ۱۰۰، ۷۹	آگرہ	۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۵۰	اجمیر
۳۲، ۳۰، ۲۷، ۲۶، ۲۳، ۲۱		۳۰۴	
۱۶۲، ۸۶	الہ آباد	۷۶	اجودھن
۱۰۷	امبیر	۶۱	امجین
۳۸۲	امروہہ	۳۰۶	اچ
۳۸۲، ۴۲	انبالہ	۳۲، ۱۵۷، ۱۳۷	احمد آباد
۱۳۱	اندلس	۷۱، ۶۰، ۱۵۷، ۱۴۹، ۱۳۳	احمد نگر
۴۴	انہلوڑہ	۳۸۶	اربل
۳۹۴، ۴۲	اودھ	۱۳۱	اسپین
۳۶۵، ۳۶۳	اورنگ آباد	۷۰، ۴۶	استر آباد
۶۷-۶۹، ۴۴-۵۰، ۳۵، ۲۹-۳۳	ایران	۲۹	آسٹریا
۲۱۶، ۱۹۶، ۹۶، ۹۵، ۹۰، ۸۱، ۷۲، ۷۱		۲۲، ۱۳۷	اسکندریہ
۳۹۱، ۳۸۹، ۳۸۵، ۳۸۱، ۳۴۰، ۲۸۳		۱۶۲، ۳۵	اصفہان
۸، ۲۹	ایشیا	۴۴، ۳۴، ۳۲، ۳۱، ۲۴، ۲۳	افغانستان

۲۷۶، ۱۳۴، ۹۵، ۷۷، ۶۷، ۶۶، ۵۶، ۴۶

(الف)

اترپردیش

اٹاواہ

اتک

اٹلی

اجمیر

اجودھن

امجین

اچ

احمد آباد

احمد نگر

اربل

اسپین

استر آباد

آسٹریا

اسکندریہ

اصفہان

افغانستان

نقطویان یا پیسوخو انیان

نکات الأسرار

النور السافر فی رجال القرن العاشر

۲۸۲، ۴۵

نیل الاوطار

واقعات مشتاقی

وحدة الوجود (رسالہ)

۲۷۶، ۲۷۴

ہدایہ

۱۸۶، ۳۱

ہدیہ مجددیہ

ہسٹری آف اورنگ زیب

ہمعات

ہندوستان کا نصاب درس (رسالہ)

ایبناح الجنی فی أسانید الشیخ عبدالغنی

۳۹۰

یاد ایام (تاریخ گجرات)

۳۶۵، ۹۵

مولود برزنجی

مہا بھارت

میں ذکر کی ہوں

۱۰۵ MONGOLICAE

(ن)

الناسخۃ الناجرة للفرقة الناصرة للکلمات

الفاجره

النبوات

نتائج الحزمین

نزهة الخواطر ۲۲، ۳۸-۴۷، ۴۶، ۴۰-۴۲، ۳۸

۱۴۰، ۱۱۱، ۱۰۸، ۹۳، ۹۲، ۶۱، ۵۸

۳۰، ۲۷، ۱۹، ۱۵، ۱۴، ۱۲، ۱۱، ۱۰

۱۵۵، ۳۳۲، ۳۲۲، ۳۲۲، ۳۲۰، ۳۱۶

۳۸، ۳۷، ۳۷، ۳۷، ۳۷، ۳۷

۳۹۷، ۳۹۵، ۳۹۲، ۳۸۸، ۳۸۷

نفحات الانس

نقد النصوص

نقض المنطق

۳۸۲	حصار	۳۹۳، ۹۲، ۵۲	جالندھر
۱۶۲	حصار شادمان	۴۶	جرجان
۳۷	حضرموت	۳۸۹، ۲۹	جزیرة العرب
۳۸۷، ۳۸۷	حلب	۱۱۷	جننا
۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۰، ۱۲۸	حیدرآباد (دکن)	۳۹۰، ۳۸۹، ۳۷۵	جنتہ البقیع
۳۹۲	حیدرآباد (سندھ)	۳۸۹	جنتہ المعلّاة
	خ	۱۰۷	جودھپور
۱۰۰	خاندریس	۱۶۱، ۱۳۱	جونپور
۳۷۳، ۲۸۴، ۱۶۰، ۱۶۷، ۴۰	خراسان	۱۰۷	جے پور
	۷		چ
۱۵۳	دانا پور	۳۹۹	چمرقند
۳۹۲، ۲۶	دائرہ شاہ علم الشہر (رائے بریلی)	۱۱۷	چناب
۴۷	درہ بولان	۳۸۵	چین
۳۱۳، ۵۶، ۴۷	درہ خیبر		ح
۱۳۵	درہ فرخ شاہ	۳۸۲	حلبش
۱۷۶، ۱۶۱، ۱۰۶، ۱۰۴، ۷۲، ۶۰	دکن	۷۹، ۴۸، ۴۷، ۴۵، ۴۴، ۲۴	حجاز
۳۸۳، ۳۸۰، ۳۳۸		۳۶۰، ۳۰۶، ۳۰۴، ۱۴۵، ۱۱۱، ۹۳	
۳۸۷، ۳۴۷، ۲۸۵، ۲۷۷، ۲۵۷، ۳۴	دشق	۳۸۴، ۳۷۴، ۳۶۸، ۳۶۲، ۳۶۱	
۱۴۶، ۱۳۷، ۷۷، ۷۶، ۷۷، ۳۳، ۳۰، ۱۱۶	دہلی	۷۹	حرم شریف
۱۸۹، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۶، ۱۵۴، ۱۵۱، ۱۵۰		۲۹	حرم مکی
۳۷۶، ۳۴۱، ۳۳۸، ۳۲۰، ۲۷۶، ۲۱۷		۱۶۸، ۱۴۸، ۳۴۴، ۲۹	حرمین شریفین
۴۰، ۳۹۲، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۲، ۳۸۱		۳۷۲، ۳۵۸-۶۰، ۳۵۶، ۳۵۰، ۲۵۰	
۴۰۳		۳۹۴، ۳۹-۱، ۳۷۴	
۳۹۹، ۳۹۲، ۳۹۰	دیوبند		

۳۹۱، ۳۸۵	پاکستان	۳۸۹، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۱	بخارا
۴۴	پٹن	۱۶۲، ۱۶۰، ۳۷، ۳۲	بدخشاں
۳۹۹، ۳۵۶، ۳۵۵، ۱۶۲، ۱۶۱	پٹنہ	۱۶۱	برک
۳۸۲، ۵۳	پشاور	۱۶۱	برہانپور
۳۱۵، ۱۸۱، ۹۲، ۵۳، ۴۱، ۲۳	پنجاب	۳۸۲	بریلی
۳۸۸، ۳۸۲، ۳۳۳		۳۸۶، ۳۸۲، ۶۷، ۳۰	بغداد
۳۸۲	پونا	۷۲، ۶۷	بلخ
	ت	۳-۴	بکھر
۳۸۲	تاشقند	۵۲، ۵۱، ۴۷	بلوچستان
۴۷، ۴۴، ۳۷، ۳۵، ۳۱، ۲۴	ترکستان	۳۹۵	بلیا
۳۷۶، ۳۶۸، ۳۶۰، ۱۶۰، ۱۳۲، ۴۸		۱۷۵	بنارس
۲۷۹، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۹، ۴۴، ۲۴	ترکی	۱۶۱، ۱۴۱، ۷۲، ۵۰، ۲۳	بنگال (بنگالہ)
۳۷۶، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۵۷، ۳۴۷		۳۷۷، ۳۲۰، ۳۰۶	
۳۸۷، ۳۸۳		۳۷۳	بنور
۳۷	تریم	۳۹۵، ۳۲۳، ۳۲۰، ۳-۶	بہار
۷۳	تعز	۳۸۳، ۳۸۲	بہرائچ
۱۶۰	توران	۳۹۸، ۳۷۳، ۱۹۰، ۱۱۲	بھوپال
۲۹	تونس	۴۶، ۳۳	بیجاپور
۳۰، ۴، ۱۴۶	تھانیر	۵۷	بیدر
	ج	۱۵	بیروت
۳۸۲	جالش	۱۰۷	بیکانیر
۵۷	جاپانیر	۳۹۵	بیگوسرائے

۳۹۵	لکھنویا	۳۸۶	گرکوک
۴۰۳، ۳۸۲، ۱۲	لکھنؤ	۳۴۲	کلکتہ
۳۶۶، ۳۵۷، ۳۳۷	لندن	۱۱۴	کوکن
	(۴)	۱۲	کویت
۱۵۳	مارہرہ	۴۲	کینٹھل
۴۶	مازندران		(۵)
۳۶	مالابار	۱۱۱، ۶۱، ۵۷، ۴۴، ۴۰، ۳۳	گجرات
۵۷، ۳۸	مانڈو	۳۶۵، ۳۲۰، ۳۱۵، ۳۰۶، ۲۵۰	
۱۶۲	مانکیپور	۳۸۸	گرد اسپور
۳۷۳، ۱۶۲، ۱۵۰، ۳۱	ماوراء النہر	۴۱	گرگالوہ
۳۶۶	مانٹریال	۵۸	گلبرگہ
۱۰۷	متھرا	۱۶۲، ۱۱۷، ۱۱۶	گنگا
۳۸۳، ۲۷۴	مدراں	۸۵	گوا
۲۵۷، ۲۵۵، ۲۵۷، ۱۵۱، ۱۹	مدینہ منورہ	۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۶، ۱۶۳	گوا بیار
۳۸۷، ۳۸۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۲		۳۳۰، ۳۲۹، ۳۱۴، ۳۰۷	
۳۹۴، ۳۹۲، ۳۹۰، ۳۸۹		۳۸۲	گورکھپور
۲۹	مراکش	۳۳	گوکنڈہ
۳۹۱، ۲۹	مشرق وسطی	۴۶	گیلان
۳۵	مشہد (طوس)		(۶)
۴۷، ۴۴، ۳۷، ۳۶، ۲۹، ۱۹، ۱۵	مصر	۱۵۹، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۵، ۱۱۶، ۳۰	لاہور
۲۷۷، ۲۴۸، ۲۲۰، ۲۰۷، ۱۹۸، ۱۴۸		۳۳۸، ۳۰۲، ۲۴۸، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۱	
۳۸۲، ۳۴۷، ۲۸۳، ۲۷۹، ۲۷۸		۳۸۵، ۳۸۲، ۳۷۴، ۳۶۱، ۳۴۸	
۳۸۶، ۲۱۷	مغرب	۴۰۱، ۴۰۰، ۳۹۱	

۲۲، ۳۱، ۲۸، ۲۳-۲۵، ۱۸	مکان شریف	۳۸۸	ہندوستان
۴۴-۴۸، ۴۰-۴۲، ۳۵-۳۷، ۳۳	مکہ مکرمہ	۳۵۶، ۱۱۱، ۷۹، ۴۷، ۴۴، ۳۵	
۶۹، ۶۴، ۶۰، ۵۵، ۵۴، ۵۲، ۵۰		۳۹۴، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۸۹، ۳۸۷، ۳۸۵	
۹۳-۹۵، ۹۰-۹۸، ۷۷، ۷۹، ۷۸، ۷۳، ۷۱	ملتان	۳۸۲، ۳۷۳	
۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۱، ۱۰۰، ۹۷	مالک عربیہ	۳۶۸	
۱۵۰، ۱۴۷، ۱۴۳، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۴	موصل	۳۸۶	
۱۶۵، ۱۶۱-۶۳، ۱۵۹، ۱۵۳-۵۵	مونگیر	۳۹۵	
۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۰-۹۴، ۱۷۲، ۱۶۸	موہان	۵۰	
۲۵۱، ۲۵۰، ۲۳۸، ۲۲۰، ۲۱۶-۱۸	میالووالی	۳۸۸	
۳۰۳، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۵۸	(ن) (و)		
۳۱۵، ۳۱۲، ۳۱۰، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۴	ناظم آباد (کراچی)	۴۰۰، ۴۰۲	
۳۴۵، ۳۴۳، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۵	نجف	۳۵، ۳۰	
۳۶۱، ۳۵۶، ۳۵۰، ۳۴۸، ۳۴۶	نصیر آباد کاشان	۷۳	
۳۷۵، ۳۷۲، ۳۷۰، ۳۶۸، ۳۶۷	نظام الدین (دہلی)	۳۹۶	
۳۸۸، ۳۸۷، ۳۷۹-۸۲، ۳۷۷	نیشاپور	۴۶	
۴۰۲، ۳۹۸، ۳۹۴، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰	نہروالا (انہلوڑہ-پٹن)	۴۴	
۲۹	واں بچھراں	۳۸۸	
	(۷)		
۳۹۱	یرموک	۱۰۵	ہالینڈ
۱۶۰، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۳۷، ۲۹	یمن	۷۷	ہانسی
۱۷۰، ۱۳۴، ۲۹	یورپ	۱۱۶	ہردوار
۲۱۲، ۲۰۸، ۹۵، ۶۶، ۶۵	یونان	۳۲۴	ہردوئی
۲۳۶، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۶	ہرات	۴۶، ۴۴، ۳۸، ۳۷، ۳۲، ۳۱، ۳۰	

سوسائٹیاں، تعلیمی ادارے

اور درسگاہیں :-

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۴۰۱

جامع ازہر، قاہرہ ۴۵، ۱۹

جامعہ اسلامیہ - مدنیہ منورہ ۱۹

جامعہ پنجاب ۵۳

دارالعلوم تربت - بلوچستان ۵۲

دارالعلوم دیوبند ۳۹۲، ۳۹۰

دارالعلوم ندوۃ العلماء - لکھنؤ ۱۵، ۱۳

رابطہ عالم اسلامی - مکہ مکرمہ ۳۹۱

محکمہ اوقاف - پنجاب ۱۸۷

مدراس یونیورسٹی ۲۷۴

مدرسہ خیر المنازل، دہلی ۷۷

مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ ۷۰، ۶۹، ۲۸

مظاہر علوم، سہارنپور ۳۸۹

میکگل یونیورسٹی - مانٹریال ۳۶۶

علوم و نظریات:

اصول فقہ ۱۸۶، ۱۴۵، ۱۴۱

تفسیر ۱۴۵

حدیث شریف ۲۷۶، ۱۵۰، ۱۴۵

علم الاصنام ۲۱۰

علم صرف

علم کیمیا

علم کلام

علم نحو

علوم عقلیہ

علوم نبوت

علوم نقلیہ

فقہ

فقہ حنفی

فلسفہ ۲۰۵، ۱۹۵، ۱۴۵، ۶۸، ۵۰

۲۵۱، ۲۵۰، ۲۲۸، ۲۱۸، ۲۱۳، ۲۱۰

۳۳۴، ۲۷۴

فلسفہ جدیدہ

فلسفہ ذوقیہ (اشراقیہ)

فلسفہ مشائخہ

مسئلہ دیدار الہی

مسئلہ کلام

معقولات

منطق ۲۲۸، ۲۲۷، ۱۴۵، ۶۸

نظریہ ارتقاء

نظریہ تطبیق

نظریہ نور

۲۷۳

۳۸

۱۴۵

۲۷۳

۱۴۶

۳۲۴

۱۴۶

۱۸۶، ۱۴۱

۳۲۶

۲۰۵، ۱۹۵، ۱۴۵، ۶۸، ۵۰

۲۵۱، ۲۵۰، ۲۲۸، ۲۱۸، ۲۱۳، ۲۱۰

۳۳۴، ۲۷۴

۲۱۷

۲۲۲

۲۲۲

۸۷

۸۷

۳۹۷

۲۲۸، ۲۲۷، ۱۴۵، ۶۸

۶۹

۲۲۲

۲۲۲

متفرقات

۳۲۲ دربار جہانگیری

۶۲ سلطنت اموی

۴۹، ۲۹ سلطنت ایران

۶۲ سلطنت عباسی - عباسی خلافت

۲۲۰

سلطنت عثمانیہ - خلافت عثمانیہ ۱۳، ۱۱

۸۹، ۳۰، ۱۲۹

۶۳، ۵۶، ۵۲، ۳۲ سلطنت مغلیہ

۳۲، ۳۱۵، ۳۱۳، ۳۱۲، ۸۲، ۷۹

۳۶۷

۳۵

۶۷، ۳۱، ۳۰ صفوی حکومت

۸۰، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

عہد اکبری ۸۰، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۳۱۴ - ۳۱۷، ۳۰۶

۳۲۴، ۳۱۴، ۳۰۳ عہد جہانگیری

۲۶۵ عہد رسالت - عہد نبوت

۲۷۱، ۲۶۹

عہد سلطنت عالمگیر - عہد عالمگیری ۲۵

۳۶۶، ۳۶۵، ۳۳۴

قلعہ پہاڑ اور دریا:

۱۱۷ جناب

۱۱۷ جناب

۱۰۳، ۷۷ فقیہ سیکری

۳۰۴ قلعہ بکھر

۳۹۱ قلعہ جواد

۱۵۰ قلعہ فیروزی

۱۷۵ قلعہ کانگرہ

۱۷۱ - ۷۳، ۱۶۸، ۱۶۶ قلعہ گوالیار

۳۳۰، ۳۲۹، ۳۰۷

۳۸ قلعہ ماندو

۵۱ کوہ مراد

۳۱۳، ۵۶ کوہ سلیمان

۳۹۵، ۱۶۲، ۱۱۷، ۱۱۶ گنگا

سلطنتیں، عہد حکومت اور دربار

۳۹۱ افغانی حکومت

۱۰۳، ۸۹، ۳۲ تیموری سلطنت

۹۶، ۹۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۱۰۵

۱۴۰	استغراق	۳۰۱	سلسلہ آدمیہ
۲۱۵، ۲۳	اشراق	۱۴۰، ۴۲، ۴۰، ۳۸، ۳۷	سلسلہ چشتیہ
۳۴۰، ۲۷۰-۷۲، ۲۶۷	بدعت	۳۶۱، ۳۳۸، ۲۸۳، ۱۴۸، ۱۴۲	
۱۹۲	بدعت حسنہ	۴۱	سلسلہ چشتیہ صابریہ
۱۹۲	بدعت سیئہ	۲۸۳، ۳۷	سلسلہ صابریہ
۲۰۷	بعثت	۴۱، ۳۸، ۳۷	سلسلہ عشقینہ نظاریہ
۱۰۷	بھدر اکروانا (رسم اکبر)	۱۴۸، ۱۴۰-۴۲، ۴۲، ۳۷	سلسلہ قادریہ
۲۵۱، ۲۲۱، ۱۸۶، ۱۶۴، ۵۰	نصووت	۳۴۹، ۳۰۱، ۱۸۹، ۱۵۴	سلسلہ مجددیہ
۲۷۴		۳۹۲، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۵، ۳۶۵	
۳۶	تعزیر	۳۷۵	سلسلہ مجددیہ معصومیہ
۳۴۴، ۱۲۰	جشن نوروز	۱۴۲، ۵۰، ۳۱	سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ
۱۰۷	جھروکا درشن (رسم اکبر)	۳۲۰، ۲۹۸، ۱۵۳-۵۶، ۱۵۰، ۱۴۹	
۲۱۸	حکمت	۳۸۳، ۳۷۳، ۳۶۹، ۳۶۰، ۳۵۰	
۲۵۱	دعاء شمش	۳۹۹، ۳۹۲، ۳۹۲، ۳۸۸	
۱۴۰	سکر و شورش	۳۸	سلسلہ مداریہ
۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۵	سنت	۳۷	سلسلہ نظامیہ
۳۷۷، ۲۹۶، ۲۶۸، ۲۵۱، ۱۹۴	شرعیات	۳۹۵	سلسلہ ولی اللہیہ
۳۲۸، ۳۲۶، ۳۲۲، ۳۱۸، ۳۱۲، ۳۱۱		۴۰	طریقہ چشتیہ نظاریہ
۳۶۷، ۳۴۶، ۳۳۹، ۳۳۲-۳۴		۴۲	طریقہ قلندریہ
۳۷۴		۲۸۴، ۱۴۵	طریقہ کبرویہ
۲۵۰	صلوٰۃ العائتین		
۴۱	صلوٰۃ معکوس		
۱۹۴	طریقیت	۷۹	مذہبی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ و رسم

۱۰۷	فتقہ (رسم اکبر)	۳۹	سکے
۲۳۶، ۲۱۵	نبوت	۱۰۶، ۱۰۵	سکے تقری
۱۵۳	نقشبندیہ	۱۰۶، ۱۰۵	درہم
۲۵۰	نماز اجزاب	۱۰۶، ۱۰۵	دینار
۲۵۰	نماز تنویر القبر		
۱۴۰، ۹۳	وجد و سماع		
	زبان:		
۵۵	پشتو		
۴۰۲	ترکی		
۲۱۷	جرمن زبان		
۲۵۱	سربیائی		
۱۰۰	سنکرت		
۲۵۱	عبرانی		
۱۰۸، ۱۰۱، ۹۳، ۸۵، ۵۵، ۴۸	عربی		
۳۵۷، ۳۴۱، ۲۷۰، ۲۴۶، ۱۶۷، ۱۴۰			
۴۰۰-۴۰۲، ۳۹۰، ۳۸۶، ۳۶۸			
۱۰۶، ۱۰۰، ۹۷، ۸۵، ۵۵، ۵۴	فارسی		
۳۵۹، ۳۳۲، ۳۰۴، ۱۶۷، ۱۵۴، ۱۴۶			
۳۸۵-۸۷، ۳۶۷			
۱۰۵	لٹن		
۵۵	ہندی		
	مقبرے و مزارات:		
۳۸۹، ۳۷۵	جنت البقیع، مدینہ منورہ		
۳۸۹	جنت المعلّٰۃ، مکہ مکرمہ		
۳۵	روضہ مرتضوی نجف		
۳۷۵	قبہ سیدنا عثمان، مدینہ منورہ		
۲۴۸	مزار داتا گنج بخش، لاہور		
۴۱	مزار سید حسین خنگ سوار، اجپیر		
۴۱	مزار قطب جمال، ہالنسی		
۲۳	مزار مجدد الف ثانی، سرہند		
	خانقاہیں و رباط:		
۳۹۱	خانقاہ شاہ ابوالخیر، دہلی		
۷	خانقاہ شیخ حسین خوارزمی، بلخ		
۲۳	خانقاہ مجددیہ، سرہند		
۳۸۳	خانقاہ مجددیہ بھوپال		
۳۸۹	خانقاہ معصومی، رامپور		
۳۸۹	رباط مظہری، مدینہ منورہ		

